

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں





حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

مجھ میں ہوتا جو حسنِ وصفِ زمانہ سازی
قدر میری بھی یہاں ایک زمانہ کرتا

(حسن عسکری کاظمی)

حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

اظہار سنز
۱۹۔ اُردو بازار، لاہور

۲۰۰۸ء

حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

ناشر

سیّد اظہار الحسن رضوی

طابع

سیّد محمد علی انجم رضوی

مطبع

اظہار سنز پرنٹرز، ریتی گن روڈ، لاہور

کمپوزنگ

تصور کمپوزنگ سنٹر، ۱۰۸۔ لٹن روڈ لاہور

قیمت ۲۵۰ روپے

یکے از مطبوعات

اظہار سنز ۱۹۔ اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان، فون ۷۲۳۰۱۵۰

انتساب

پروفیسر حسن عسکری کاظمی صاحب کی شریکِ حیات

محترمہ نفیسہ خاتون صاحبہ

اُن کے خوش خلق، نفیس اور فرماں بردار صاحبزادوں

انجینئر سیّد مجتبیٰ حسن کاظمی صاحب

اور

پروفیسر سیّد ارتضیٰ حسن کاظمی صاحب

کے نام

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی دیگر کتب

- مفاہیم (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- ترجیحات (تحقیقی و تنقیدی مقالات) (انعام یافتہ)
- اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار (تحقیقی و تنقیدی مقالات)
- تصریحات (تحقیقی و تنقیدی مقالات) (انعام یافتہ)
- جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ (تحقیق و تنقید)
- مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی (تحقیق و تنقید)
- سیّد وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں (تحقیق و تنقید)
- طاہرین (سیّد وحید الحسن ہاشمی کی نعتیں، مناقب اور سلام۔ تجزیہ و تدوین) (انعام یافتہ)
- العطش۔ (سیّد وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کا تجزیہ و تدوین)
- آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی (تحقیق و تنقید)
- باقیاتِ آلِ رضا (سیّد آلِ رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)
- آغا صاحب (ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت و فن)
- کلیاتِ حبیب (حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)
- شام و سحر کی باتیں (ماہنامہ "شام و سحر" لاہور کے اداریے)
- قیصرِ اقلیمِ مرثیہ (تحقیق و تنقید)
- جدید لہجے کا شاعر۔ سیف زلفی (شخصیت و فن)
- سیف زلفی کے مرثیے (تجزیہ و تدوین)
- قیصر بارہوی کے مرثیے (قیصر بارہوی کے تریپن مرثیوں کی تدوین)
- ادبی بیٹھک (کالم)
- ترغیبات (مضامین)

مندرجات

❖❖❖

دو چار باتیں

بیسویں صدی کے آخری ربع میں جن تخلیق کاروں نے نثر و شعر کے چراغ کو اپنے روغنِ دماغ سے روشن رکھا ان میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا نام انتہائی اہم اور قابلِ قدر ہے۔ انہوں نے اپنے افکار و نظریات کے ذریعہ سے اسلامی مابعدالطبعیات کے نظام کو مستحکم کرنے کی کوشش کی اور پاکستانی ادب کے خدوخال متعین کر کے اپنی نثری و شعری تخلیقات کے ذریعہ ان کے فروغ کے لیے ممکنہ اقدامات کیے۔ انہوں نے جہاں ایک طرف اپنی تحریروں میں ایک تہذیب کے اُجڑنے کا احساس دلایا ہے وہاں دوسری طرف ایک نئی طلوع ہونے والی تہذیب کی نوید بھی سنائی ہے۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ حسن عسکری کاظمی معتبر ناقدین اور محققین کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں حسن عسکری کاظمی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے چند اہم معروضات پیش کر دیے جائیں تاکہ قارئین اور ناقدین اُن کی علمی و ادبی خدمات سے کماحقہٗ آگاہ ہو سکیں۔ میرے خیال میں زندہ تخلیق کاروں کو یاد کرنا ایک مستحسن اور تخلیقی عمل ہے اور یہ کتاب بھی حسن عسکری کاظمی کی نصف صدی کو محیط خدمات کے اعتراف میں سپردِ قلم کی گئی ہے۔

کسی بھی تخلیق کار کی شخصیت اور فن کو جانچنے کے کئی طریقے رائج ہیں تاہم میں نے بڑے بڑے ابواب کی نسبت چھوٹے چھوٹے نو دریچوں سے حسن عسکری کاظمی صاحب کو دیکھا ہے اور اپنے قارئین تک ان کے افکار و نظریات پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ تاہم اُن

کی پنجابی شاعری کا دریچہ شعوری طور پر نہیں کھولا گیا ہے اس کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے جو انشاء اللہ جلد سپردِ قلم کی جائے گی۔

اس کتاب کی تشکیل و تعمیر میں تین برس صرف ہوئے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی صاحب اور ان کے دونوں صاحبزادوں انجینئر سیّد مجتبیٰ حسن کاظمی صاحب اور پروفیسر سیّد ارتضیٰ حسن کاظمی صاحب نے اس کتاب کی اشاعت میں میرے ساتھ بے پناہ تعاون کیا ہے جس کے لیے میں ان کا بیحد ممنون ہوں۔ والدِ گرامی قدر سیّد وحید الحسن ہاشمی صاحب نے اس کتاب کے بارے میں قیمتی مشوروں سے نوازا۔ عصرِ حاضر کے نامور محقق اور اُستادِ ذی وقار ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے شدید علالت کے باوجود اس کتاب کا فلیپ لکھ کر میرے لیے عزت کا سامان فراہم کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب، انجم رضوی صاحب، ڈاکٹر کومل عروج صاحبہ اور تصور حسین صاحب کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے کہ یہ ہمیشہ آڑے وقت میں میرے کام آتے ہیں۔ میں اپنی والدہ کی دعاؤں کا طلب گار رہتا ہوں۔ میری زوجہ اور بچوں (ایما، اشنا، وجیہ) نے ہمیشہ میرے ساتھ علمی تعاون کیا ہے۔ میری ہر تخلیقی کاوش ان کی مرہونِ منت ہے۔ میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی نثری و شعری تخلیقات عطا کر کے اس کتاب کو با اعتبار بنانے میں میرے ساتھ تعاون کیا۔ میں اپنے بھائیوں سیّد وصی الحسن نقاش، سید شریف الحسن اور سیّد عرفی ہاشمی کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ وہ ہمیشہ میرے ساتھ علمی و ادبی تعاون کرتے ہیں۔ میں یہ کتاب محترمہ نفیسہ خاتون، سیّد مجتبیٰ حسن کاظمی صاحب اور سیّد ارتضیٰ حسن کاظمی صاحب کی علم دوستی کے نام معنون کر رہا ہوں

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

رابطہ
۲۵۳۔ ایف رحمان پورہ لاہور
موبائل ۰۳۳۳۔۴۲۵۵۱۵۳

(ڈاکٹر) سیّد شبیہ الحسن
یوم مزدور ۲۰۰۸ء

❖❖❖

پہلا دریچہ

حسن عسکری کاظمی کے سوانحی کوائف اور اعترافات

••

عصرِ حاضر میں ادب کی ابتر صورتِ حال کو مدنظر رکھتے ہوئے دل سے یہ دُعا نکلتی ہے کہ کاش کوئی بڑا ادیب، شاعر، دانش ور اور تخلیق کار پیدا ہو جو اس ضعیف مریض کی حالتِ زار کو بہتر بنا سکے۔ خدا جانے یہ ادبی مسیحا کب ظہور میں آئے کہ ادب ایک مرتبہ پھر توانا ہو کر معاشرے کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو بہتر بنا سکے۔ اس ابتر ادبی صورتِ حال میں بھی بعض تخلیق کار اپنے افکار و نظریات کے ذریعہ ادب کو سہارا دیے ہوئے ہیں۔ یہ ان تخلیق کاروں کی مساعیِ جمیلہ ہی کا اثر ہے کہ ادب میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ ان مسیحا نفسوں میں ایک اہم نام پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا بھی ہے جو نصف صدی سے ادب کے تنِ مردہ میں اپنے افکار و نظریات سے جان ڈالنے میں مصروف ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل معاشرے میں مثبت اقدار کے فروغ دینے میں ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے اور اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی شخصیت اور فن کے مبسوط مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ اُن کے '**کوائف**' کا مطالعہ کیا جائے۔ ملاحظہ فرمایئے:

❖ کوائف

- نام — حسن عسکری کاظمی
- قلمی نام — سیّد حسن عسکری کاظمی
- ولدیت — سیّد محمد باقر کاظمی (مرحوم)
- والدہ — سیّدہ فردوس خاتون (مرحومہ)
- ولادت — ۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۱ء
- مولد — محلہ سادات قاضی واڑہ، انبالہ شہر

❖ تعلیم

میٹرک	زمیندار ہائی سکول، گجرات	۱۹۵۰ء
ایف۔اے	زمیندار ڈگری کالج، گجرات	۱۹۵۲ء
بی۔اے	زمیندار ڈگری کالج، گجرات	۱۹۵۴ء
ایم اے (اُردو)	اورینٹل کالج، لاہور	۱۹۵۶ء
ڈپلومہ ان پبلک ایڈمنسٹریشن		۱۹۵۷ء

❖ اساتذہ

- پروفیسر حامد حسن سیّد
- پروفیسر منظور حسین شور (علیگ)
- چودھری فضل حسین
- پروفیسر قیوم نظر
- ڈاکٹر سیّد عبداللہ
- ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
- پروفیسر وقار عظیم
- ڈاکٹر عبادت بریلوی
- پروفیسر عبدالمجید سالک

❖ شادی

- ہمراہ سیّدہ نفیسہ خاتون بنت محمد ادریس موسوی

❖ اولاد

- سیّد مجتبیٰ حسن کاظمی

  چیف ٹیکنیکل منیجر، کیمسول انڈسٹریز، لاہور
- پروفیسر سیّد ارتضیٰ حسن کاظمی

  صدر شعبۂ اُردو، ایف۔ سی کالج، میر پور ماتھیلو (سندھ)
- پروفیسر سیّدہ ادیب زہرا

  ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، وحدت کالونی لاہور
- ڈاکٹر سیّدہ عندلیب زہرا

  مقیم سعودی عرب
- سیّدہ تہذیب زہرا

  ایم اے اُردو، انگلش گرامر سکول، لاہور
- سیّدہ تشبیب زہرا

  ایم اے۔ خاتون خانہ

❖ ملازمت

- افسر تعلقات عامہ ویلج ایڈ ڈیپارٹمنٹ گجرات
- پبلسٹی افسر / افسر ترقیات ویلج ایڈ ڈیپارٹمنٹ گجرات
- لیکچرار گورنمنٹ کالج جہلم
- پروفیسر / صدر شعبۂ اُردو گورنمنٹ شالیمار کالج باغبانپورہ، لاہور
- صدر شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج آف سائنس، لاہور

❖ سبکدوشی

- اکتوبر ۱۹۹۱ء

❖ اعزازات

- پاکستان ٹیلی ویژن کی جانب سے پنجابی ملی ترانوں میں اوّل انعام

- آثار و افکار اکادمی کراچی کی جانب سے ’حرفِ ہنر‘ پر اوّل انعام
- امام خمینی سیمینار تہران میں شرکت
- رحمت للعالمین کانفرنس دہلی میں شرکت
- محکمہ ترقی دیہات سے بہترین منتظم اور فیچر نگار کا سرٹیفکیٹ
- جنرل سیکرٹری، حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ پاکستان
- موسس، حلقۂ معارفِ ادب، لاہور
- صدر، اربابِ فکر و نظر، لاہور / جہلم
- رکن، حلقۂ اربابِ ذوق لاہور
- رکن، رائٹرز گلڈ پاکستان

❖ اعترافِ عظمت

- ماہنامہ ’شام و سحر‘ لاہور کا حسن عسکری کاظمی نمبر (مطبوعہ مئی ۲۰۰۸ء)

❖ تصنیفات

- دشتِ بے صدا (غزل)
- خیمۂ خیال (غزل۔ نظم)
- سرورِ کائناتؐ (نعتیں)
- مقصودِ کائنات (مناقب و سلام)
- کنارِ دجلۂ اُلفت (مرثیے)
- حرفِ ہنر (مضامین) (انعام یافتہ)
- ریزۂ خواب (غزل۔ نظم)
- سفرنامۂ شام (سفرنامہ)
- لہو بولتا ہے (نظمیں)

❖ اسفار

• ایران • ہندوستان • شام • سعودی عرب • انگلستان

❖ صحافتی خدمات

• مدیر' پیامِ عمل' لاہور

❖ رابطہ

72۔سی، اعوان ٹاؤن، ملتان روڈ، لاہور (پاکستان)

فون: 7843877 ,042-7848509 موبائل: 0345-4698398

آراء

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے بارے میں ناقدین، دانشوروں اور اکابرین کی آراء)

◆——◆

• شہزاد احمد

شاعری ساری عمر کا کام ہے مگر حسن عسکری کاظمی جیسے لوگ بہت کم ہیں جو ساری عمر اس روایت کو نبھاتے ہیں، ان کا کام ایک طویل مدت پر ہی محیط نہیں بلکہ انہوں نے شاعری کی بہت سی اصناف میں کام کیا ہے، تخلیقی سطح پر بھی اور تحقیقی سطح پر بھی۔ حسن عسکری کاظمی شعر کے کرافٹ اور اظہار دونوں پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

چہرے پہ سب کے آنکھ ہے، سب دیکھتے بھی ہیں
سچ ہے مگر یہ دیدۂ بیدار اور ہے

(فلیپ 'دشتِ بے صدا')

- **انتظار حسین**

حسن عسکری کاظمی کی شاعری میں حالاتِ زمانہ پر ایک صحت مند، باشعور اور خوددار انسان کا ردِعمل سامنے آتا ہے جو ہر چند تلخ ہے لیکن حسن عسکری کاظمی نے اس کے ساتھ زندگی گزار کر اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے غزل اور نظم کے علاوہ نعتیہ شاعری اور مرثیہ نگاری میں بھی نام پیدا کیا ہے۔

(کرنیں۔ روزنامہ 'دن' لاہور۔ ۱۳ فروری ۲۰۰۵، ص ۲۲)

- **ظفر اقبال**

ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور نے ایک اچھا کام یہ کیا ہے کہ اپنا موجودہ یعنی ماہِ مئی کا شمارہ شاعر، ادیب، نقاد اور کالم نگار پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے خصوصی مطالعے کے لیے وقف کیا ہے۔ یہ دراصل ایک مبسوط مقالہ ہے جو پرچے کے مدیرِ اعزازی ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن نے سپردِ قلم کیا ہے جس میں پروفیسر کاظمی کی ادبی اور صحافتی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔ مختلف اصنافِ سخن پر مشتمل مصنف کی کوئی درجن بھر تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں جبکہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن نے اپنی اس تحریر کو بجا طور پر تحسین و تجزیہ کا نام دیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے ہمہ جہت کام کا اعتراف کافی عرصے سے واجب چلا آ رہا تھا جو ڈاکٹر شبیہ الحسن نے بھرپور طریقے سے سرانجام دے کر ایک حقیقی فریضہ ادا کیا ہے جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(ظفر اقبال، دال دلیہ (کالم)، روزنامہ 'وقت' لاہور، ۸ مئی ۲۰۰۸ء)

- **ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا**

ہمارے ہاں شعر و ادب میں یہ رجحان تیزی سے بڑھتا چلا جاتا ہے کہ فن کے

اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کیے بغیر اپنی عاجلانہ تحریروں کو فی الفور شائع کر کے نمایاں ہونے کی کوشش کی جائے۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی طبیعت اس رجحان سے ابا کرتی ہے۔ انہوں نے اُردو اور فارسی کے اہم شعراء کا وقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور ان سے الفاظ کے موزوں استعمال اور مصرعوں کی تراش خراش کا ہنر سیکھا ہے لیکن وہ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ شاعری میں تازگی ذاتی احساسات اور عصری شعور سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فنّی ہنر مندی کو شخصی اور عصری تجربات و مشاہدات سے ملا جلا کر ایسی شاعری تخلیق کی ہے جو ہر باذوق قاری کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(فلیپ 'خیمۂ خیال')

- **ڈاکٹر سہیل احمد خان**

حسن عسکری کاظمی ایک عرصے سے شاعر کے طور پر معروف ہیں مگر اُن کے مختصر مضامین اور کالموں کا جو مجموعہ ''حرفِ ہنر'' کے نام سے شائع ہوا بطور نثر نگار بھی اُن کی پہچان کراتا ہے۔ حسن عسکری نے بعض سیاست دانوں اور ادیبوں کی وفات پر جو کالم لکھے ہیں وہ دل گداز بھی ہیں اور کالم نگار کے ''تصورِ انسان'' کی وضاحت بھی۔ اقدار ایک منظم شعور ہے جس کی روشنی میں وہ شخصیت کی پرکھ کرتے ہیں۔ اُن کے بعض مختصر مضامین چند ادبی تصورات کی تشریح ہیں اور ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی ایک محتاط ذہن کے حامل ہیں۔ یہ احتیاط اُن کے لہجے کو کہیں مبتذل نہیں ہونے دیتی۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

- **ڈاکٹر آغا سہیل**

پروفیسر حسن عسکری کاظمی ادب شناس کی حیثیت سے صحافت سے رجوع ہوئے

لہٰذا ادب اور صحافت کے اس قرانِ السعدین نے ایک نئی عملی روایت کی طرح ڈالی۔ ان کے تبصرے علمی محاکے کا درجہ رکھتے ہیں حالانکہ اُردو ادب میں بعض (نام نہاد) نقادوں نے فتوئی بازی اور فتوے سازی کی جو روش اختیار کی وہ اُردو ادب کے اصناف کے اقدار کو مسخ کر رہی ہے۔ ادب کے منہاج کو کاظمی صاحب نے ان کے صحیح اقدار پر قائم کر دیا ہے نیز ان کے شعری مزاج اور مذاق نے اسے شعری لسانیات پر قائم کر کے علمی اور ادبی معیار سے آشنا کیا ہے۔

(فلیپ 'حرف ہنر')

• ڈاکٹر سلیم اختر

بحیثیت شاعر حسن عسکری کاظمی کی یہ عادت اچھی لگتی ہے کہ وہ اپنی شاعری کو دوسروں کے اعصاب پر مسلط نہیں کرتا اسی لئے وہ شاعروں کے شہر لاہور میں رہتے ہوئے بھی گویا لاہور میں نہیں۔ دراصل اُس نے اپنے لئے جداگانہ قریۂ شعر آباد کر رکھا ہے جس میں وہ اپنے خیالات و تصورات کے ساتھ زیست کرتا ہے دعا گو ہوں کہ حسن عسکری کاظمی کا قریۂ شعر دائم آباد رہے۔

(فلیپ دشتِ بے صدا)

• سیّد وحیدالحسن ہاشمی

پروفیسر حسن عسکری کاظمی دراصل غزل کے شاعر ہیں، ان کی غزلوں اور نظموں کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے سلام، منقبت اور مرثیے بھی کہے ہیں اب انہوں نے سرورِ کائنات کے عنوان سے اپنی نعتوں کا ایک حسین مجموعہ پیش کیا ہے، اس مجموعے میں انہوں نے اپنے فن کو اپنی ذات کے پندار میں محصور نہیں کیا بلکہ شعر کو اپنے باطنی احساسات کا حاصل قرار دیا ہے، شعریت اور مودّت کی شاہراہ پر چلتے ہوئے وہ عشقِ رسولؐ کی وادیِ بے خار میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس روحانی سفر میں انہوں نے ایک عاشقِ صادق کی طرح حضورؐ

کی شانِ اقدس میں اس قدر خوبصورت اشعار کہے ہیں کہ ان کے اندر فکر اور بصیرت کے ساتھ ساتھ جذبۂ محبت سے پھوٹنے والی شعاعیں بھی روحانی تجربات کا عکسِ جمیل معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کو موضوع اور اسلوب پر یکساں قدرت حاصل ہے۔

(فلیپ 'سرورِ کائنات')

• ڈاکٹر انور سدید

حسن عسکری کاظمی کا اسلوب کلاسیکی ہے۔ وہ رسمی طور پر غمِ زمانہ کے شاعر نہیں، نہ غمِ محبوب کو گلے لگا کر آہ و بکا کرتے ہیں۔ ان کی غزل میں سے کی چاپ سنائی دیتی ہے اور حالاتِ زمانہ پر ایک صحت مند باشعور خوددار انسان کا ردِ عمل سامنے آتا ہے جو ہر چند تلخ ہے لیکن حسن عسکری کاظمی نے اس کے ساتھ زندگی گزار کر اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیا ہے۔ خیمۂ خیال میں وہ ہمارے سامنے اس شاعر کی صورت میں آتے ہیں جس نے بیسویں صدی کی سیاحت دیدۂ بیدار سے کی اور اکیسویں صدی کا مطالعہ امریکی اور صیہونی دہشت گردی کے تناظر میں جاری ہے، غزلوں کے علاوہ ان کی بیشتر نظمیں اسی درد و کرب کی آئینہ دار ہیں۔

(فلیپ 'خیمۂ خیال')

• ڈاکٹر خورشید رضوی

ادب ہمیشہ سے جناب حسن عسکری کاظمی کا اوڑھنا بچھونا رہا ہے۔ عمر شعر و ادب کے پڑھنے اور پڑھانے میں گزری۔ سخن شناسی و سخنوری خمیر میں گندھی ہوئی ہے۔ ''دشتِ بے صدا'' اور ''خیمۂ خیال'' کے عنوان سے ان کے دو شعری مجموعے قارئین ادب سے داد وصول کر چکے ہیں۔ مرصع سازی کے اس باریک کام کی مہارت بہم پہنچانے کے بعد، اب انہوں نے اپنی ساری

ریاضتوں کا آب ورنگ آرائشِ فردوس بریں یعنی نعت ختم المرسلینؐ میں صرف کرنے کی ٹھان لی ہے۔

آپؐ کی مدحت نگاری کا ہنر اچھا لگا
موسمِ نعتِ نبیؐ، شام و سحر، اچھا لگا

کاظمی صاحب کے اس مجموعۂ نعت ''سرورِ کائنات'' میں جذبہ وحسنِ عقیدت کے اساسی عناصر کے ساتھ ساتھ فنی لوازم کا التزام اور فکری تحریک کا اہتمام بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اُنکی تلمیحات مجموعی اسلامی روایت کے تاروپود سے اُبھرتی ہیں۔

(فلیپ 'سرورِ کائنات')

• ڈاکٹر تبسم کاشمیری

پروفیسر حسن عسکری کاظمی ایک باکمال شخصیت ہیں وہ تقریباً گذشتہ نصف صدی سے اُردو زبان وادب کی تدریس اور تخلیق میں مصروف رہے ہیں۔ وہ اُردو ادب کے نقاد بھی ہیں۔ ان کی تنقیدی تحریروں کو ادبی حلقوں میں تحسین کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ انہوں نے علمی وادبی شخصیات پر جو مضامین لکھے تھے ان میں ان کے فن کا جوہر چمکتا ہے۔ وہ شخصیت کے ظاہر و باطن کو پرکھنے میں قدرت رکھتے ہیں اسی لیے ان کے مضامین متاثر کرنے والے ہیں۔

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• پروفیسر مشکور حسین یاد

محمدؐ وآلِ محمدؐ کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے اس مجموعۂ مناقب کا نام ''مقصودِ کائنات'' بہت فکر انگیز ہے...... محمدؐ وآلِ محمدؐ کے بارے میں آپ منقبت مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں ایک عجیب روشنی جاری وساری

ہو جاتی ہے جو آپ کے اذہان کو مسلسل تازگی سے فیض یاب کرتی رہتی ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ذکر آپ کے لئے شادابیِ روح و بدن کا سامان مہیا کرتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے مناقب میں یہ تازگی، یہ طراوت، یہ شادابی آپ کو لمحہ بہ لمحہ ملتی ہے اور آپ ایک بالکل نئے انداز میں شاداب ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(فلیپ 'مقصودِ کائنات)

• ڈاکٹر سعادت سعید

حسن عسکری کاظمی کی اُردو شعروادب کی روایت پر گہری نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اُن کے تخلیقی ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں اُردو شعرونثر کی تمام تر کلاسیکی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ میں نے اُن کے کلام میں زندگی، انسان اور کائنات سے ہونے والے مطالعوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری اور بطورِ خاص نظموں میں مزاحمتی رویّوں سے کام لیا ہے۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ترقی پسند سوچ کے حامل ایک اعلیٰ شاعر ہیں۔ اسی طرح اُن کی غزلوں میں زندگی اور انسان کو دیکھنے کے جدید رویّے بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وہ حساس دل کے حامل دانشور ہیں اور انہوں نے ادب اور سیاست کے عصری موضوعات کو اپنی نثر میں بھی جگہ دی ہے۔

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر معراج نیّر

مجھے یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ میں نے پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی سربراہی میں گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ لاہور میں بطورِ جونیئر لیکچرار کام کیا ہے۔ ان کی شفقت، انسیت اور شرافتِ نفس وہ خاصہ ہے جو ان کی پوری شخصیت پر چھایا ہوا ہے اور جب سے انہوں نے تیشۂ لفظ سنبھالا ہے اس کا عکس

ان کی تحریروں میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے ان کی تحریریں مختلف خانوں میں رکھی جا سکتی ہیں جس میں اخلاقیات، مذہبیات، غزل گوئی، کالم نویسی اور سفرنامہ شامل ہے لیکن ان کی ہر تحریر ان کے مزاج سے لگا کھاتی ہے۔ وہ خاموشی اور گوشہ نشینی کے باوجود مضامینِ نو کے انبار لگا رہے ہیں۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

- **ناصر زیدی**

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا شعری سفر خاصا طویل ہے۔ 'دشتِ بے صدا'، 'خیمۂ خیال'، 'سرورِ کائنات' اور 'مقصودِ کائنات' کی خاطر خواہ پذیرائی کے بعد، پانچویں کتاب، پانچ طویل مختصر مرثیوں پر مشتمل ''کنارِ دجلۂ اُلفت'' کے عنوان سے اہلِ نظر کے سامنے ہے۔ گویا غزل، نعت، منقبت اور سلام کے بعد وہ مرثیہ گوئی کی طرف آئے ہیں اور پوری ذہنی و فکری اور شاعرانہ فنی پختگی کے بعد آئے ہیں۔ مرثیہ کہنا فی الحقیقت بڑا مشکل کام ہے، اس کے لئے تواریخِ سیرت و سوانح پر عبور کے ساتھ دلِ دردمند کی ضرورت پڑتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے کلام میں عقیدے سے مکمل طور پر وابستگی تو ورثے میں ودیعت ہوئی ہے۔ اہلِ بیت، شہدائے کربلا اور آئمۂ اطہارؑ سے عقیدت گھٹی میں ملی ہوئی ہے۔ وزن، اَوزان کا مطالعہ طبعِ رسا کے ساتھ، صاحبانِ علم و فن کی صحبتوں کے سبب بھی حرف گیری سے مبرّا ہے۔

(فلیپ 'کنارِ دجلۂ اُلفت')

- **ڈاکٹر اجمل نیازی**

پروفیسر حسن عسکری کاظمی قحطِ حرفِ حق کے زمانے میں سچائی کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

(کرنیں۔ روزنامہ 'دن' لاہور۔ ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء، ص ۲۳)

• ڈاکٹر طارق عزیز

جہاں تک حسن عسکری کاظمی صاحب کی ادبی جہات کا تعلق ہے انہوں نے غزل اور مرثیے سے لے کر نعت وسلام اور مضمون نویسی سے لے کر کالم نگاری تک ہر مذکورہ صنف میں قادرالکلام اور نادرالقلم ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس حوالے سے ان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آنے والے دنوں میں ان کے محاسنِ فن کا مزید تذکرہ و تجزیہ ہوتا رہے گا۔ میں اس وقت ان کی شخصیت کے ایک ایسے پہلو کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جس پر قدرے کم توجہ دی گئی ہے۔ وہ پہلو ہے ان کی مہذب اور شائستگی میں رچی ہوئی شخصیت۔ ان سے مل کر، ان سے گفتگو کر کے، ان کے ساتھ چند گھڑیاں گزار کر یوں احساس ہوتا ہے جیسے ہم تہذیب کے ایک ایسے گوشے سے آشنا ہو رہے ہیں جو کبھی ہماری زندگیوں کا حصہ تھا لیکن اب نہیں ہے۔ حلم، رواداری، ٹھہراؤ، برداشت اور عفوودرگزر کا سلیقہ کسی نے سیکھنا ہو تو چند لمحے حسن عسکری کاظمی کے ساتھ گزار لے۔

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر ریاض قدیر

بیسویں صدی کے وسط آخر کے غزل گو اُردو شعرا پر ناصر کاظمی اور فیض احمد فیض کے اثرات کی چھاپ بہت واضح ہے۔ ان دونوں شعرا کی غزل اپنے اسلوب کے اعتبار سے کلاسیکی اردو غزل کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی غزل کا اسلوب اگرچہ کلاسیکی ہے مگر یہ مضامین کی تازگی اور تنوع کے اعتبار سے ہم عصر مسائل اور جدید طرزِ احساس کی حامل ہے۔ ان کے ہاں کلاسیکی اُردو شاعری کے استعارے اور علامتیں نئے عصری مسائل کے تناظر میں نئی معنویت کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ اس لحاظ سے حسن عسکری کاظمی اُردو

کے جدید کلاسیکی غزل کے ایک اہم نمائندہ شاعر ہیں جو اپنی فنی پختگی اور خیال کی تازگی کے باعث اُردو شاعری کے باذوق قاری کو متاثر کرتے رہیں گے۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری

حسن عسکری کاظمی کا شمار عصرِ حاضر کے اُن چنیدہ اہلِ قلم میں ہوتا ہے جو ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے بے نیاز، خاموشی سے قرطاس وقلم کا قرض ادا کیے چلے جاتے ہیں۔ انھیں قدرت کی طرف سے نظم ونثر، دونوں میں یکساں مہارت سے اظہار کی توفیق ارزانی ہوئی ہے۔ ''لہو بولتا ہے'' نظم کے میدان میں ان کی ایک دلپذیر کاوش ہے۔ اس کی کئی معنوی جہتیں ہیں۔ ایک طرف تو وہ وطن عزیز کی محبت میں سرشار دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف عظیم قومی راہنماؤں کو خراجِ تحسین پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی توجہ کا مرکز بننے والی شخصیات میں بین الاقوامی شہرت کی حامل سیاسی، ادبی اور علمی شخصیات بھی شامل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دلچسپی کے متعدد دائرے ہیں جو ایک بڑے تخلیقی دائرے کا حصہ ہیں اور فنی لحاظ سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ شخصیتوں پر لکھتے ہوئے محض ناظم یا ''ورسی فائیر'' ہی نہیں بن جاتے بلکہ تخلیقِ شعر کے فنی تقاضوں کو بھی حسن وخوبی سے نبھاتے ہیں۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر عبدالکریم خالد

ایک تخلیق کار کے ہاں لفظ ایک زندہ اور جیتے جاگتے پیکر کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس کا دستِ ہنر شناس لفظوں کی محض خارجی سطح کو ہی تراش خراش کر سڈول نہیں بناتا بلکہ ان کے اندر نت نئے معانی کے ایسے نگیں رکھ دیتا ہے کہ

جن کی روشنی ہر عہد اور ہر زمانے میں قائم رہتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اس حقیقت کو پورے طور پر محسوس کیا ہے۔ وہ لفظوں کی ماہیت، ان کی سائیکی اور ان کے قوسِ قزح جیسے رنگوں کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی قوت مدرکہ لفظوں کے مختلف شیڈز اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں تحلیل ہوتی ہوئی نفسی کیفیتوں سے نہ صرف واقف ہے بلکہ انہیں ڈھنگ سے برتنے کا سلیقہ بھی رکھتی ہے چنانچہ لفظوں کے صوتی آہنگ اور ان کے معنوی حسن نے ان کی شاعری کو قابلِ مطالعہ ہی نہیں، دل کی کیفیتوں اور نازک احساسات کا آئینہ دار بھی بنا دیا ہے۔

(ڈاکٹر عبدالکریم خالد، حسن عسکری کاظمی اور دشت بے صدا (مضمون)، مملوکہ راقم الحروف)

• ڈاکٹر اختر ہاشمی

پروفیسر حسن عسکری کاظمی صاحب ایک دردمند اور ہوش مند شاعر ہیں۔ اُن کی شاعری میں ہمارے عہد کے نمایاں مسائل بھی جلوہ گر ہوتے ہیں اور اُن کا تشفی بخش حل بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی صاحب کی ہردلعزیز شخصیت اُن کی شاعری میں بھی رونما ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب وہ محافل ومجالس میں اپنا کلام پیش کرتے ہیں ہر طرف سے دادو تحسین کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔

(ماہنامہ شام وسحر لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر ضیاالحسن

حسن عسکری کاظمی اردو کے نمایاں شاعر، نقاد اور کالم نگار ہیں۔ انھوں نے شاعری میں حمد، نعت، منقبت، سلام، مرثیہ اور غزل میں کام کیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کے ہاں اصنافِ سخن میں تنوع نظر آتا ہے لیکن یہ بات

قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے ہر صنفِ سخن کے تقاضوں اور اس کی ادبی تہذیب کو پیشِ نظر رکھ کر لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں پختگی اور فنی دسترس کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی شاعری کے اثرات ان کی تنقید اور کالم نگاری پر بھی مرتب ہوئے ہیں۔ انھوں نے جن موضوعات پر اس حوالے سے لکھا ہے، وہ زیادہ تر شاعری سے منسلک ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنے عہد کے شاعروں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے بلکہ شاعری کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو بھی پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے ان کی شاعری کی تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تنقید اور کالم نگاری کا بھی بغور مطالعہ کیا جائے۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر نواز حسن زیدی

حسن عسکری کاظمی کا شمار بھی اُردو زبان کے اُن معدودے چند شعرا کی صفِ اوّل میں ہوتا ہے جو شاعری کو محض وقت گزاری یا شہرتِ عام کے حصول کا ذریعہ تصور نہیں کرتے بلکہ اُن کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے اور وہ کہنے کا سلیقہ بھی جانتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کی شعری کائنات ہمارے سامنے انہیں ایک ایسے متنوع الجہات شاعر کے طور پر پیش کرتی ہے جس کا اسپِ ہنر کسی ایک شعری اقلیم کو فتح کرنے کے بعد سست نہیں پڑتا بلکہ اظہارِ خیال کے کم و بیش ہر سانچے میں عسکری جوہر دکھاتا نظر آتا ہے۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• ڈاکٹر عباس رضا

حسن عسکری کاظمی صاحب کی علمی و ادبی شخصیت کے حوالے سے کوئی رائے قائم کرنا تو صاحبانِ علم و دانش کا حق ہے۔ میں تو محض ایک طالب علم کے طور

پر یہ جانتا ہوں کہ حسن عسکری کاظمی صاحب کی شخصیت میں ایک ملنسار اور خلیق کردار جلوہ فگن ہے۔ اُن کی نرم گفتاری اور لب و لہجے کی رفتار سامع کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ صاف گوئی اُن کی سیرت کا جزو ہے اور روایات کی پاسداری اُن کا شعار۔ جملہ اصناف سخن پر دسترس قدرت کا وہ اجرِ عظیم ہے جو حسن عسکری صاحب کو اپنے حُسنِ کردار کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ حسن عسکری کاظمی صاحب کے رشحاتِ قلم کی جولانیاں لفظ و معنی کے سانچے میں اربابِ فکر کی داد و تحسین کا مرکز بن چکی ہیں۔

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• سیّد عرفی ہاشمی

حسن عسکری کاظمی کی تہذیبی شخصیت کا سحر ان کی تحریروں پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔ وہ آفاقی قدروں کو اہمیت دیتے ہیں اور اسی باعث ان کی تخلیقات میں آئندہ عہد میں زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ہمارے معاشرے سے ایسی شخصیات اوجھل ہوتی جا رہی ہیں جو اداروں کی طرح کام کریں۔ اس گئے گزرے زمانے میں حسن عسکری کاظمی صاحب کا دمِ غنیمت ہے کہ وہ علم و ادب کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور جون ۲۰۰۸ء)

• پروفیسر شفیق الرحمٰن الہ آبادی

پروفیسر حسن عسکری کاظمی اُردو ادب میں بحیثیت شاعر ادیب، نقاد، معلم، مضمون نگار اور کالم نگار ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ کی علمی، ادبی اور تدریسی خدمات نصف صدی پر محیط ہیں۔ آپ کے بے شمار شاگرد، ادیب اور معلم بن کر علم و ادب کی ترویج میں مصروف عمل ہیں۔ خیالِ خاطرِ احباب

آپ کا شیوہ اور راست گوئی مطمحِ نظر ہے۔ آپ کی تحریریں اپنے عہد کے حالات وواقعات کی بھرپور اور سچی ترجمانی کرتی ہیں۔

(ماہنامہ 'شام وسحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

- **ڈاکٹر گلشن حقیق مرزا**

'حرفِ ہنر' پر ایک اُچٹتی سی نگاہ ڈالنے کے لیے کتاب اُٹھائی لیکن جلد ہی مطالعہ مجھے بجہت سے زمانوں، مکانوں بلکہ خوابوں کی دنیا میں لے گیا۔ آپ نے جس خلوص، محنت اور ایمانداری و شائستگی سے ان نابغۂ روزگار ہستیوں کو متعارف کرایا ہے اور جس خوبصورتی سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے اس کے لیے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا جانا بھی ایک فخریہ امر ہے۔

(مکتوب بنام حسن عسکری کاظمی، بحررہ یکم جولائی ۲۰۰۷ء، مملوکہ راقم الحروف)

- **پروفیسر عقیلہ کاظمی**

حسن عسکری کاظمی جس روایت کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں اس میں آج کے عہد کی عظیم شاعری کے سارے امکانات پوشیدہ ہیں، امکانات خواب ہیں اور ان کی تعبیر شاعر کی تخلیق کی رہینِ منت ہیں۔ ان کے کلام کو پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ ایک سنجیدہ شاعر ہیں اور اپنے مواد اور ان دونوں میں ایک ایسی پختگی کا اظہار کرتے ہیں وہ دوسروں میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں جیسے

مصلحت ناآشنا طرزِ عمل ہے کربلا
اب کہاں اعلانِ حق یوں برملا ہونے لگا

(فلیپ 'مقصودِ کائنات)

- **پروفیسر آصف وٹو**

حسن عسکری کاظمی صاحب کی شاعری اور نثر اپنے موضوع اور اسلوب کے اعتبار

سے بھرے رنگ ہیں اور اُردو شعر و ادب پر اپنے مثبت اثرات ثبت کر رہی ہیں۔

(ماہنامہ' شام و سحر' جون ۲۰۰۸ء)

- **پروفیسر سجاد جعفری**

آج کے دور میں جب ادب اور قاری کے درمیان تیز رفتار زندگی اور وقت کی کمی کی خلیج حائل ہوتی جا رہی ہے اور ادب کی معاشرے سے بے تعلقی اور کھوکھلا پن قاری کے لیے دلچسپی سے خالی ہے تو پڑھنے والے اس خلیج کو ختم یا کم کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کیونکہ یہ فریضہ تو ادیب کا ہے نا کہ قاری کا اور ادیب ہی بس مقدار ادب کا قائل ہے۔ زیادہ سے زیادہ کتابیں لکھنے اور اپنے نام کی شہرت کا خواہاں ہے یا پھر اگر کچھ پڑھ کر محنت سے لکھتا ہے تو وہ ایسا فلسفیانہ اور دور از حیات ہوتا ہے کہ ایک بار پھر عام قاری کی دلچسپی سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں حسن عسکری کاظمی صاحب کا یہ کارنامہ کسی طور ادبی معجزے سے کم نہیں کہ انہوں نے معاشرے کے عام مسائل کو ایسے دلنشیں پیرائے میں بیان کر دیا ہے کہ پڑھنے والے کو وہ اپنے ہی دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اُن کی تحریروں میں یہ دلکشی اور جاذبیت اُن کی قاموسِ علمی ہی کی بدولت نہیں بلکہ اُس دردِ دل اور حساس فکر کے سبب ہے جو انہوں نے تخیل ہی تخیل میں معاشرے کے ہر اس فرد کی سطح پر پہنچا دیتی ہے جس کے لیے وہ نظم و نثر لکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ پڑھنے والوں کو اُن کی تحریروں میں اپنی ہی ذات، اپنا کرب اپنے جذبات و احساسات جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔ ادب اور معاشرے کو اس مادی دور میں یوں قریب لانا کاظمی صاحب کا وہ کارنامہ ہے جو ادبی تاریخ میں ہمیشہ توقیر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

(ماہنامہ' شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• اسد اعوان

پروفیسر حسن عسکری کاظمی بلا مبالغہ اس عہد کے عظیم شاعر، ادیب اور کالم نگار ہیں۔ مختلف ادبی جرائد میں آپ کا کلام نظر نواز ہوتا رہتا ہے نو آموز لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی آپ اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ آپ کے حمدیہ، نعتیہ سلام اور غزلیات میں الفاظ کا انتخاب عالمانہ اور غیر متعصبانہ ہوتا ہے۔ آپ کا کلام آپ کی شخصیت کی طرح متنوع ہے۔ آپ نے اپنے اردگرد کے واقعات کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مودت آپ کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ خالقِ ارض و سما آپ کو تندرست و آباد رکھے۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• مسعود تنہا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی صاحب طویل عرصہ سے علم و ادب کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ ملک کے ادبی پرچوں میں ان کا کلام حمد، نعت، منقبت، سلام اور مرثیہ کی صورت میں نظروں سے گزرتا رہتا ہے۔ 'شام و سحر' ۲۰۰۸ء کا شمارہ ان کے نام سے موسوم کیا جانا قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہیں۔ آپ کا مختلف اصناف پر مشتمل کلام، امن، صبر، حوصلہ و برداشت اور ظلم و جبر کے سامنے سینہ سپر ہونے کا درس دیتا ہے۔ بے رحم روّیوں سے احتجاج ان کے مزاج کا خاصہ ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے ان کی عقیدت ان کے خوبصورت کلام سے صاف دکھائی دیتی ہے۔ عصرِ حاضر میں آپ غزل کے بھی نہایت عمدہ شاعر ہیں، آپ کی غزلیں قاری کو گرفت میں لینے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔ آپ فطری حُسن کے قائل ہیں۔ آپ کی شاعری میں فطرت کے بھی ذائقے اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

(ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

• راشدہ ریاض

''دیارِ زینبؑ'' سفرنامۂ شام پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے قلم کی معجز نمائی اور دل ربائی کا ایسا مرقع ہے جسے بار بار پڑھنے کے باوجود طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ دیارِ زینبؑ میں تمام تفاصیل کے باوجود بہت سے پہلو تشنۂ اظہار بھی ہوں گے مگر اتنا ضرور ہے کہ اس سفرنامے کو پڑھنے سے عام قاری چشمِ تصور کی بدولت ہر مقام پر خود کو موجود پاتا ہے۔

(راشدہ ریاض، حسن عسکری کاظمی کا سفرنامۂ شام (مضمون)، لاہور، ماہنامہ 'شام و سحر' ص ۳۱)

• محمد اخلاق اسلم

حسن عسکری کاظمی کا شمار ایسے شعرا میں ہوتا ہے کہ جو اپنی زندگی قریۂ شعر و ادب میں بسر کرتے، اپنے تاثرات کو اشعار کا جامہ پہناتے اور اپنے ذوق کی آبیاری کرتے رہتے ہیں۔

(کرنیں۔ روزنامہ 'دن' لاہور۔ ۱۳ فروری ۲۰۰۵ء ص ۴۴)

• کوکب کاظمی

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں لکھنا اور ایسے الفاظ میں لکھنا جو اُن کی شخصیت میں موجود خوبیوں کی صحیح طور سے ترجمانی کر سکے، بہت مشکل ہوتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے بارے میں بھی لکھتے ہوئے میں اسی پریشانی سے دوچار تھی کہ میں وہ لفظ ڈھونڈ نہیں پا رہی تھی جو اُن کی شخصیت کا پوری طرح احاطہ کرے۔ لے دے کے جو لفظ بار بار ذہن میں آتا وہ ''متاثر کن'' تھا۔ جو بھی اُن سے ایک بار مل لے اُن کی گفتگو کی شیرینی، اور اُن کے اچھے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(انٹرویو ماہنامہ 'محور' کراچی، مارچ ۱۹۸۳ء، ص ۴۷)

◆◆◆

خراجِ تحسین

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے شعراء کا منظوم خراجِ تحسین)

سیّد مظفر نقوی
(قطعات)

الفاظ خوش نوا میں تغزّل کا رنگ ہے
ہر فنِ شعر اس کے ہنر کا ہے اب غلام
ہو منقبت سلام کہ نعتِ نبیؐ کی بات
ہے اہلِ فن کے لب پہ حسنؔ عسکری کا نام

....

اصنافِ سخن سب ہیں ترے خامے کی زد پر
اونچا ہے حسنؔ تیرے مقدر کا ستارا
ہو منقبت و نعت، غزل ہو کہ قصیدہ
دیوانِ ادب تو نے محبت سے سنوارا

جعفر بلوچ
(نظم)

عجب چیز ہے رشتۂ دوستی بھی عبارت اسی سے ہے خود زندگی بھی
حبیب مکرم ہیں دیرینہ میرے جناب حسن عسکری کاظمی بھی
شمار ان کا ہوتا ہے دانش وروں میں وہ کرتے رہے ہیں پروفیسری بھی
نہیں اس میں شک ان کے فکر و عمل سے فطانت بھی ہے اور شائستگی بھی
میانہ روی کے وہ قائل رہے ہیں وہ خلوت نشیں بھی ہیں اور مجلسی بھی
رہے ہیں وہ شاہانہ اقلیمِ فن میں قلم رو میں ان کی رہی شاعری بھی
ہوا ''بے صدا دشت'' شائع جب ان کا جھلکتی تھی اس سے کچھ آشفتگی بھی
مگر اس علامت کی تحلیل میں ہے بہار آفرینی بھی اور نغمگی بھی
اسی دشت میں اب بڑے کر و فر سے خیال ان کا کرتا ہے خیمہ زنی بھی
یہاں اور وہاں ان کا ناصر ہمیشہ خدا بھی ہو جعفرؔ خدا کا نبیؐ بھی

ہیں اخلاص آگیں یہ اشعار جعفرؔ
بظاہر یہ لگتے ہیں فرمائشی بھی

◆◆

جعفر بلوچ

(سیّد حسن عسکری کی ریٹائرمنٹ پر)

ریٹائر اب ہوئے ہیں حسن عسکری تو کیا
دیکھو گے تم کہ ہوں گے وہ شاداں کچھ اور بھی

ایزاد ہوں گے مصحفِ ہستی میں تازہ باب
اور جگمگائیں گے نئے عنواں کچھ اور بھی

چمکے گی اور ان کی دل آویز شخصیت
جھلکے گا اس میں رنگِ بہاراں کچھ اور بھی

ہو جائے گی حسیں سے حسیں تر یہ زندگی
اُبھریں گے رنگ و نور کے امکاں کچھ اور بھی

آزاد ہو کے اور وہ دھومیں مچائیں گے
مجوب ہو گی گردشِ دوراں کچھ اور بھی

ہو گا نہ ان کی سیر کا معمول منقطع
صحت میں ہوں گے رشکِ جواناں کچھ اور بھی

یکسوئی سے ادھر متوجہ وہ ہوں گے اور
علم و ادب میں ہوں گے نمایاں کچھ اور بھی

تعلیم و تربیت سے ریٹائر نہ ہوں گے وہ
پائیں گے فیض ان سے دبستاں کچھ اور بھی

اب ہو گا اہتمام مجالس بھی کچھ سوا
ہوں گے حلیم و نان فراواں کچھ اور بھی

سب کچھ یہ کر کرا کے بھی شاید نہ وہ تھکیں
شاید کچھ اور بھی وہ کریں ہاں کچھ اور بھی

(۱۰۔اکتوبر ۱۹۹۱ء)

پروفیسر نردوش ترابی
(نظم)

ہے بھولا ہوا آج کا آدمی
مقامِ حسن عسکری کاظمی

پدر کے رہے ہیں یہ خدمت گزار
ملے ان کو بیٹے بھی خدمت شعار

مکرّم معظم یہ استاد ہیں
انہیں کامرانی کے گُر یاد ہیں

ہے چہرہ جو اُن کے مہ و سال کا
بڑے تیز، تیکھے، خدوخال کا

لبوں پر تبسّم معانی لیے
حیا کا نگاہوں میں پانی لیے

یہ اس عمر میں مثلِ گلفام ہیں
جو آنکھیں ہیں ان کی وہ بادام ہیں

کبک کی طرح اُن کی رفتار ہے
گلابوں کے جھرمٹ میں گفتار ہے

یہ طے ہے کہ زنہار دیتے نہیں
کسی کو یہ آزار دیتے نہیں

ہے عجز سراپا تکبر نہیں
کسی سے بھی اُن کو تنفّر نہیں

رہائش ہو اپنی یا سرکار کی
ہے ہر جا مہک اُن کے کردار کی

تعلق سے ہوتا یہ محسوس ہے
شرافت سدا ان کا ملبوس ہے

خیالات کا ہے بہانہ غزل
یہ کہتے ہیں پھر بھی توانا غزل

کشادہ جبیں ہیں، کشادہ نظر
ہے ہاتھوں میں اُن کے سخا کا ہنر

اُلجھتے نہیں اپنے احباب سے
ہیں واقف محبت کے آداب سے

مقام ان کا ہے شعر کی بزم میں
نئی فکر دیتے ہیں یہ نظم میں

ادب میں شرافت کا ملبوس ہیں
صحافت کا بھی ننگ و ناموس ہیں

غلط جو عمل ہو وہ بھاتا نہیں
قلم بیچنا اُن کو آتا نہیں

پسر اُن کے ہیں طرفہ اعجاز بھی
مہندس بھی اُردو کے اُستاد بھی

جہاں پر قلم میرا نمناک ہے
وہیں پر قلم اُن کا بیباک ہے

اسی واسطے سے یہ خوددار ہیں
شرابِ ولا سے یہ سرشار ہیں

یہ پیتے بھی ہیں اور پلاتے بھی ہیں
یہ ساغر ولا کے لنڈھاتے بھی ہیں

ثنا خواں ہیں سرکارِ عباسؑ کے
یہ ہیں معجزے خون کی باس کے

سخن فہم بھی ہیں، سخنور بھی ہیں
یہ مداحِ آلِ پیمبرؐ بھی ہیں

مری یہ دعا ہے سلامت رہیں
سلامت رہیں تا قیامت رہیں

◆◆

نردوش ترابی

(قطعات)

ہم زمانے میں بے حقیقت ہیں
آج کھل کر یہ بات ہو جائے

جس میں ذکرِ رسولؐ ہو وہ کتاب
سرورِ کائناتؐ ہو جائے

....

وہ بات میں نے جوانوں میں بھی نہیں دیکھی
جو بات ڈھلتے ہوئے عسکری جمال میں ہے

میں کام نقد و نظر سے بھی لے نہیں سکتا
بلا کا حُسن ترے 'خیمۂ خیال' میں ہے

◆◆◆

طاہرؔ ناصر علی

(نظم)

بزمِ سخن میں حُسن حسنؔ عسکری سے ہے — ربط ان کا شہرِ علم کی بارہ دری سے ہے
وہ 'خیمۂ خیال' ہو یا دشتِ 'بے صدا' — دونوں کا سلسلہ نگہ و آگہی سے ہے
اے شاعرِ درِ شہِ کونینؐ مرحبا — تیرا ہر ایک لمحہ بھرا بندگی سے ہے
دو چار گھونٹ ہم کو بھی دے دے ادب نواز — ساغر ترا بھرا ہوا حُبِّ علیؑ سے ہے
ہر لمحہ معجزہ ہے حیاتِ رسولؐ کا — ہر لمحہ منسلک ابدی زندگی سے ہے
ہم میں نہیں ہے کوئی بھی گستاخِ مصطفےٰؐ — حاصل ہمیں شرف درِ آلِ نبیؐ سے ہے
ان کے سخن کا ہے یہی سب سے بڑا کمال — لفظوں کا اہتمام بڑی سادگی سے ہے

طاہرؔ وہ احترام کے قابل ہے دہر میں
منسوب جو بھی دین کی بارہ دری سے ہے

حشمت علی قنبر

(نظم)

بغض و عناد سے نہ کسی کجروی سے ہے
دل کا جو سلسلہ ہے فقط دلبری سے ہے

ہر روشنی ادب سے، ادب روشنی سے ہے
اس روشنی کو ربطِ حسیں آدمی سے ہے

یوں تو ہے عشق، شعر و ادب سے جہان کو
شعر و ادب کو عشق حسن عسکری سے ہے

الفاظ ان کی نوکِ قلم کے اسیر ہیں
اس درجہ ربط ان کو فنِ شاعری سے ہے

نعت و سلام و مرثیہ و منقبت، غزل
گہرا شغف ادب سے، ادب پروری سے ہے

یہ دشتِ بے صدا میں صداقت کی ہیں صدا
ان کا شعور مسلکِ بارہ دری سے ہے

ان کی ہر ایک سانس سے آتی ہے بوئے عجز
کب ہے محل سے پیار انہیں جھونپڑی سے ہے

جچتا ہے جو نگاہ میں خُلقِ عظیم کو
اُلفت حسن کی ذات کو اُس آدمی سے ہے

لہجے میں اک وقار شرافت سرشت میں
دنیا میں ان کو پیار اسی خوش روی سے ہے

اس واسطے ہی کرتے ہیں اکرام ان کا ہم
نسبت جہاں میں ان کو جو آلِ نبیؐ سے ہے

ہر دم ولیِ عصر کا قنبر پہ ہے کرم
یہ نظم بھی اُنھی کی کرم گستری سے ہے

◆◆◆

دوسرا دریچہ

حسن عسکری کاظمی کی غزل گوئی کے محاسن

••

پروفیسر حسن عسکری کاظمی ایک ممتاز غزل گو ہیں۔ان کی غزلوں میں جدّت وقدامت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ وہ اپنی کلاسیکی روایت کو چھوڑ کر اُس جدّت کے طرفدار نہیں ہیں جس میں لفظ و معنی میں فاصلہ پیدا ہو جائے۔ ان کے نزدیک غزل کے شاعر کا سب سے بڑا وصف ہی یہ ہے کہ وہ جدید فکر کو بھی کلاسیکی روایت کے ساتھ جوڑنے کا ہنر جانتا ہو۔ قیامِ پاکستان کے بعد جن شعرا نے صنفِ غزل کو اپنے بلند اور ارفع نظریات سے مالا مال کیا ان میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا نام سرفہرست ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں میں جہاں ایک طرف بے ہنگم معاشرے کے لاتعداد مسائل کا برملا اظہار ہے وہاں دوسری طرف انہوں نے انسانوں کے جذباتی روّیوں کو بھی بڑے سلیقے اور ہنرمندی سے بیان کیا ہے۔ وہ ایک ایسے شاعر ہیں جو ''دشتِ بے صدا'' میں اذان دے کر اہلِ باطن پر یہ حقیقت آشکار کر رہے ہیں کہ شاعر کا کام اعلان

حق ہے، کوئی اس کی آواز سنے یا نہ سنے۔ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں میں درد کی ایک لہر موجزن دکھائی دیتی ہے۔ یہ غم معاشرے کا ہو یا ان کی ذات کا بہر حال یہ غمگین فضا انہیں ایک جانب تو میر تقی میر اور ناصر کاظمی کے قبیلے میں شامل کر دیتی ہے اور دوسری جانب یہ الم انگیز لے ان کے والہانہ جذبات واحساسات کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ اکیسویں صدی میں غزل گو شعرا کا ایک ہجوم ہے لیکن پروفیسر حسن عسکری کی آواز صاف پہچانی جا سکتی ہے۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''**دشت بے صدا**'' کے نام سے الحمد پبلی کیشنز کے زیر اہتمام ۲۰۰۳ء میں معرضِ وجود میں آیا۔ اس مجموعے میں ۱۱۳ غزلیات موجود ہیں۔ فلیپ پر ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر سلیم اختر اور شہزاد احمد کی گراں قدر اور معتبر آرا موجود ہیں جبکہ آغاز میں حسن عسکری کاظمی نے ''مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں'' کے عنوان سے فکر انگیز دیباچہ رقم کیا ہے۔ اس دیباچے میں انہوں نے جہاں ایک طرف ہمارے معاشرے میں بڑھتی ہوئی سرمایہ پرستی، بے سمتی، کم نظری اور کج فکری کے حوالے سے فکر انگیز خیالات پیش کیے ہیں وہاں دوسری سمت انہوں نے صنف غزل سے اپنی والہانہ وابستگی کے حوالے سے بھی چند معروضات پیش کیے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

''—

عصری مسائل کی روح کو غزل کا موضوع قرار دینے کی روایت آج بھی قائم اور فروغ پذیر ہے۔ تغزل سے زیادہ شعور کی سطح بلند رکھنے میں عہد موجود کے صاحب قامت شعراء کے مزاج کا دخل ہے۔ تخلیقی صلاحیت میں جن عوامل کی کارفرمائی سے غزل کا شاعر اپنی انفرادیت اور حیثیت منواتا ہے اسے اپنی قوتِ مدرکہ کی بدولت اپنی ذات سے الگ نہیں ہونے دیتا، حقیقت یہ ہے کہ شاعری ماورائی قوت کے اظہار

کا استعارہ ہے۔ غزل قطرے میں سمندر اور ذرۂ خاک میں خورشید کا منظر دیکھنے کی خواہش سے عبارت ہے۔ میں نے بھی غزل کی روایت اور جدید غزل کے آہنگ سے اپنے مزاج کو اس طرح پیوست رکھا کہ میرے ہاں وہ تمام عناصر یکجا نظر آئیں گے جنہیں غزل کی آبرو کہا جاتا ہے۔

میں اپنی قامت فکر کی پیمائش سے پہلے ایڑیاں اُٹھا کر بلند قامتی کا دعویٰ نہیں کرتا، میں تو غزل کی زبان میں حالِ دل سنانا چاہتا ہوں، میرا مقصدِ ابلاغ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ سچائی کو زندہ رکھا جائے، مزاج آشنائی کے یوں تو بہت سے حوالے ہیں مگر حرفِ سخن وہ ذریعہ ہے جو نادیدہ شخصیت کے لئے بھی ایک آئینہ تراش لیتا ہے، اس آئینے میں اس کے خدوخال صاف دکھائی دیتے ہیں، اس کے ظاہر و باطن کی پہچان آسان ہو جاتی ہے، بساطِ غزل پر قدم رکھنا اور اپنے اندر کے خوبصورت موسموں کو متعارف کرانے کی خواہش کا پیدا ہونا فطرت شناس دل کا تقاضا ہے۔

"——

(حسن عسکری کاظمی، دشتِ بے صدا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی غزلوں اور نظموں کا دوسرا مجموعہ "**خیمۂ خیال**" کے نام سے الحمد پبلی کیشنز لاہور کے زیرِ اہتمام ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں ستتر (۷۷) غزلیں اور چندرہ نظمیں بھی شامل ہیں۔ ابتدا میں سید وحید الحسن ہاشمی نے "خیمۂ خیال" کے عنوان سے اس کتاب پر مختصر تبصرہ کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

"——

پروفیسر حسن عسکری کاظمی ایک عرصے سے علم و ادب کے گلشن کی سیر

کر رہے ہیں۔ انہوں نے قدیم اور جدید شعراء کے کلام کو خود بھی پڑھا ہے اور تشنگانِ علوم کو پڑھایا بھی ہے۔ شاعری کے تمام رموز سے واقف ہونے کی وجہ سے ان کے قلب میں ادب کی گہرائی اور نظر میں شاعری کی وسعت سما گئی ہے۔ جب میں نے ان کا دوسرا دیوان ''خیمۂ خیال'' دیکھا تو مجھے اس میں معنی و مطالب کا ایک لہلہاتا ہوا گلستاں نظر آیا جس میں تازگی کے ساتھ ایک خاص قسم کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔

آج کی جدید شاعری ایک ایسا دریا ہے جس میں نہ تلاطم ہے نہ تموج، سطحِ آب پر تھوڑی سی زندگی رواں دواں نظر آتی ہے۔ شاعری کا ایک دریا ابہام کی ہلکی پھلکی لہریں تو رکھتا ہے مگر نہ اس میں آئینے کی چمک ہے نہ نیلے آسمان کی صفائی۔ شاید اس کا یہ سبب ہو کہ آج کے شعرا نے روایت سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے روایت کے بطن سے جدّت کے اسلوب اور فکر و معنی کے نئے گوشے دریافت کر کے اپنی غزلوں کو تقویت بخشی ہے۔

(وحید الحسن ہاشمی، خیمۂ خیال، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲)

''حرفِ آغاز'' کے عنوان سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے بہت سی فکر انگیز باتیں کی ہیں اور عصرِ حاضر کے قاری کو بالغ نظر، نکتہ چیں، مداح اور نقاد قرار دے کر تخلیق کاروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اظہارِ مدعا کے لئے مثبت روّیوں کو پیشِ نگاہ رکھیں۔ انہوں نے ''خیمۂ خیال'' کی تخلیق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ

''___

مجھے تخلیقی سفر میں اپنے مجموعے ''دشتِ بے صدا'' کی اشاعت سے پہلے یہ احساس دامن گیر رہا کہ عہدِ موجود میں کرۂ ارض پر ہر لحظہ نئی صورتحال کا

سامنا ہے، آدمی اپنی ہمہ جہت آسودگی اور ترقی کے باوجود مقصدِ زندگی کو پانے سے کماحقہٗ آگاہ نہیں، وہ اپنی زندہ اکائی کو برقرار رکھنے کی بجائے اسے منقسم کرنے کے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ آدمی بیک وقت صید بھی ہے اور صیاد بھی، لیکن ایسا کیوں ہے اُسے اس المیے پر غور کرنے کی فرصت نہیں۔

اہلِ قلم جو احترامِ آدمیت میں یقین رکھتے ہیں ایسا ادب اور شاعری تخلیق کرنے میں ہمہ وقت مصروف ہیں جو اس آدرش کے حصول کا ذریعہ ہے، وہ اولادِ آدم میں کسی امتیاز کی حمایت کو انسانیت کی توہین تصور کرتے ہیں اور دل و جان سے یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے، ورقِ ارض پر مستقبل کا انسان حرفِ محبت لکھنا اور پڑھنا سیکھے، یہ ایسا خواب ہے جسے ایک دن تعبیر آشنا ہونا ہے ایسا کب ہوگا اور کیسے ممکن ہے اس کا جواب دینا آسان نہیں۔

عصرِ حاضر میں کشادہ نظری کا فقدان، حرص و ہوس کی گرم بازاری اور استبدادی قوتوں کا گٹھ جوڑ ایسے تلخ حقائق ہیں جن کے خلاف نبرد آزما مظلوم طبقوں کی جد وجہد ثمر آور نہیں ہو سکی، آج بھی خطِ افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے کروڑوں عوام امید و بیم کی حالت میں اس دلدل سے باہر آنے کی خاطر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ وہ صبحِ بشارت یقیناً طلوع ہوگی جب انسانوں کے درمیان تمام امتیازات ختم ہو جائیں گے، اہلِ قلم کی سرحدِ اختیار وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں پہنچنے سے پہلے سیاست دان اپنی سرحدِ اقتدار پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں، جو کام وہ نہ کر سکے اسے اہلِ قلم سرانجام دیتے ہیں، ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے جو انقلاب برپا کیے انہیں روکنے والے

ناپید ہو گئے جب کہ حرمتِ حرف کے لئے خونِ جگر دینے والوں، روحِ عصر کو بیدار کرنے والوں اور سفرِ شہادت کے لئے دشتِ آرزو میں قدم رکھنے والوں کے سامنے امکانات کی راہوں میں تشنہ لبی اور فکر پیمائی شعورِ جستجو کی صورت نئے اُفق دکھاتی ہے۔

(حسن عسکری کاظمی، خیمۂ خیال، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۴)

''خیمۂ خیال'' کے حوالے سے معروف ناقدین ڈاکٹر انور سدید اور ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی گراں قدر آرا بھی فلیپ پر موجود ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کے دوسرے مجموعے 'خیمۂ خیال' کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی معتبر رائے ملاحظہ فرمایئے۔

''

حسن عسکری کاظمی صاحب نے خیمۂ خیال نصب کرتے ہوئے ہر سمت کی منہ زور اور پُر شور ہواؤں کو اپنے مکعب نما خیال کے چاروں کھونٹ باندھ لیا ہے اور یوں کوئی بھی موسم اور کوئی بھی منظر ان کی دسترس سے باہر نہیں رہا۔ ''خیمۂ خیال'' میں بیٹھ کر وہ ان ہواؤں سے آس کشید کرتے اور اُسے اپنے خون جگر کی لَو دے کر ان گنت نئے ذائقوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان ذائقوں میں تندیٔ صہبا بھی ہے اور تلخی ایام بھی۔ صحرا کی وسعت بھی ہے اور کنار دریا کی تنگ دامانی بھی۔ نگاہوں کی حرارت بھی ہے ور شبنم کی برودت بھی۔ ان میں وہ نوحے بھی شامل ہیں جو وقت کی بے اماں ساعتوں کے سینے پر مضراب بن کر جاگے اور فضا میں تحلیل ہو گئے۔ بے حس زمین پر گرنے والا وہ خون بھی ہے جس نے ایک ذرۂ خاک میں بھی ہلکی سی جنبش پیدا نہیں کی۔ شب کرب کی بند مٹھی میں گھٹن کی سلاخوں سے سر پھوڑنے والے ستارے

بھی ہیں جن کی زبوں حالی پر سیارگانِ فلک نے کوئی ماتم نہیں کیا۔ دشتِ غربت میں شامِ غریباں کا منظر بھی ہے جس میں پابجولاں مسافروں کے بند ہونٹوں پر رہِ عشق میں لُٹ جانے کی داستان لکھی ہوئی ہے۔ جادۂ غم پر بارِ سلاسل سے ٹوٹتے ہوئے بدن اور زنداں میں محصور اُجالوں سے رستا ہوا لہو۔ یہ سب تصویریں حسن عسکری کاظمی صاحب کے خیمۂ خیال میں ایک نئی تب وتاب کے ساتھ زندہ ہو کر کلام کرتی ہیں، ان تاریخی سانحات اور حوادث پر ہزار موسم گزر گئے، گئے زمانوں کی بارشوں نے ان کے آثار دھوڈالے مگر شاعر کے حیطۂ خیال میں ان کے قوسِ قزح ایسے رنگ نئے زمانوں کی تمازتوں سے اور زیادہ شوخ ہو گئے ہیں۔ شاعر کے یہاں تاریخی شعور، تخلیقی ادراک کے ساتھ ایک نئی آن میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس کی متخیلہ ان غمیدہ اور نمیدہ بولوں کو جوڑ کر جو پیکر تراشتی ہے اس کی ایک آنکھ میں آنسو اور دوسری آنکھ میں روشنی ہے۔ حسن عسکری کاظمی صاحب کو آنسو اور روشنی اپنے اجداد سے ورثے میں ملے ہیں۔ وہ غم والم کے گھور اندھیروں میں بھی ایک روزن کھلا رکھتے ہیں۔ یاس اور نا امیدی کے صحرائے خشک میں کہیں برگِ گل پہ دھرا ہوا ایک قطرۂ شبنم بھی ہے جو خزاں رتوں میں اِدھر اُدھر کہیں بہار کے موسم کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے۔ آج کے دور میں خون میں غلطیدہ اور تمازتِ شب میں تپیدہ انسان کے لئے شاعر کا یہ احساس زندگی سے عبارت بھی ہے اور صبحِ نو کی بشارت بھی۔

(ڈاکٹر عبدالکریم خالد، روشنی اور آنسو کی شاعری (مضمون)، غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم الحروف)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی غزلوں اور نظموں کا تیسرا

مجموعہ'' ریزۂ خواب '' کے نام سے اظہار سنز لاہور نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔اس مجموعے میں اٹھاسی (۸۸) غزلیں اور سترہ (۱۷) نظمیں شامل ہیں۔ اس مجموعہ کے آغاز میں حسن عسکری کاظمی نے '' قاری سے مکالمہ'' کرتے ہوئے اپنے جذبات احساسات کا بے لاگ اظہار کیا ہے۔آپ بھی ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''____

یہ مجموعۂ شاعری '' ریزۂ خواب' رائج الوقت نظریات کی کشاکش میں راہِ حق پر گامزن رہنے اور لمحۂ موجو کی قدر و قیمت کا ادراک رکھنے والوں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل شخصیتوں کے کردار و عمل کو اختیار کرنے کی ترغیب دینے کا وسیلہ قرار پائے گا۔اس سے پہلے 'دشتِ بے صدا' اور 'خیمۂ خیال' دونوں شعری مجموعوں میں بھی اسی نظریے کو بنیاد بنا کر اپنے مکالمے کا آغاز کیا اور استحصال پسند قوتوں کے خلاف آواز اٹھائی، قومی اور بین الاقوامی مسائل کو اپنے مخصوص انداز میں موضوعِ سخن بنایا تھا......غزل اور نظم میں اظہار کا قرینہ اور قاری تک بات پہنچانا دو مختلف رویے ہیں لیکن مقصود ایک ہے، شاعری میں تازگی، ذاتی احساسات اور عصری شعور کا لحاظ رکھنا اور فنی ہنر مندی کو شخصی اور عصری تجربوں اور مشاہدوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ایک تخلیق کار کی فن کے اسرار و رموز سے آگاہی کا پیمانہ ہے۔'' ریزۂ خواب' لامحدود جذبِ صادق کے اُفق زاروں پر پھیلنے والی وہ روشنی ہے جسے ہماری چشمِ بصیرت ہی دیکھ سکتی ہے اس لئے کہ

چہرے پہ سب کے آنکھ ہے سب دیکھتے بھی ہیں
سچ ہے مگر یہ دیدۂ بیدار اور ہے

ہم نے اس سے پہلے ''خیمۂ خیال'' میں ایک بات کہی تھی کہ عصرِ

حاضر میں کشادہ نظری کا فقدان حرص و ہوس کی گرم بازاری اور استبدادی قوتوں کا گٹھ جوڑ ایسے تلخ حقائق ہیں جن کے خلاف مظلوم طبقوں کی جدوجہد ثمر آور نہیں ہو سکتی۔ آج بھی خط افلاس سے نیچے زندگی بسر کرنے والے کروڑوں عوام امید وبیم کی حالت میں اس دلدل سے باہر آنے کی خاطر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، وہ صبح بشارت طلوع ہوگی جب انسانوں کے درمیان تمام امتیازات ختم ہو جائیں گے، اہلِ قلم کی سرحدِ اختیار وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں پہنچنے سے پہلے سیاست دان اپنی سرحدِ اختیار پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں جو کام وہ نہ کر سکے اہلِ قلم انجام دیتے ہیں۔

''ریزۂ خواب'' ایک دلآویز دستاویز کی صورت آپ کے زیرِ مطالعہ آ گئی ہے اسے پڑھتے ہوئے آپ بھی تلخ و شیریں تجربوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا ہنر آزمانے کی کوشش کیجیے نیز آفاقی سچائیوں کی تصدیق اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ غزل کے آبگینے اور نظم کے آئینے میں اپنے پاکیزہ جذبوں کی نزاکت اور طرزِ احساس کی لطافت کا عکسِ جمیل دیکھنے کی تمنا بیدار کیجیے۔ ادبی تخلیقات خصوصاً شاعری انسان کے اندر کا موسم تبدیل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

——''

(حسن عسکری کاظمی، ریزۂ حرف، لاہور: اظہار سنز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۴)

'ریزۂ خواب' کے بارے میں معروف ناقد ڈاکٹر انور سدید کی معتبر اور گراں قدر رائے ملاحظہ فرمایئے:

''——

'دشتِ بے صدا' اور 'خیمۂ خیال' کے تازہ فکر شاعر حسن عسکری کاظمی نے

اپنی شاعری کا نیا مجموعہ 'ریزۂ خواب' شائع کیا تو انہوں نے کتاب کے ابتدائی اوراق میں اپنے قاری سے مکالمہ کرنا بھی ضروری سمجھا کیوں کہ وہ شاعری صرف اپنی ذات کیلئے نہیں کرتے بلکہ ان کا اظہار کا رُخ قارئین کی طرف بھی ہے..... اپنی شاعری کا اس قسم کا "آئین" وہی شاعر پیش کرتا ہے جو وقت کے آنگن میں پاپیادہ چہل قدمی کر رہا ہو اور زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا ہو، واقعات جہاں پر نظر رکھتا ہو حادثات عالم سے تجربات کشید کر رہا ہو، مجھے خوشی ہے کہ حسن عسکری کاظمی نے بیسویں صدی کی تین عالمی جنگوں سے جو تجربات حاصل کئے تھے انہیں وقت کی آندھیوں میں گم نہیں ہونے دیا بلکہ دو عظیم جنگوں کے بارود اور تیسری عظیم سرد جنگ کے سازشی ماحول سے انسان کی عظمت بازیافت کی اور اب خودکش بم دھماکوں کے دور میں اپنے احساسات، عصری شعور اور فنی آگہی کو نظم اور غزل کے دھاگوں میں پرو کر انسانیت کو زندگی کرنے کا حوصلہ عطا کر رہے ہیں۔ بلاشبہ ان کی شاعری زمین پر ننگے پاؤں چلنے والوں کی شاعری ہے لیکن امید اور نوامیدی کے درمیان انہوں نے جس شمع کی لو کو منور رکھا ہے وہ رجائیت پر منتج ہوتی اور ان کے مثبت رویوں کی آئینہ دار بن جاتی ہے۔

(ڈاکٹر انور سدید، تبصرۂ کتب، لاہور: روزنامہ 'نوائے وقت'، اتوار ۱۸ نومبر ۲۰۰۷ء، ص ۲۵

پروفیسر حسن عسکری کاظمی ایک منفرد لب و لہجے غزل گو ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی شاعری خودرو پودے کی طرح وجود آگئی ہے یا اس کے پسِ منظر میں کوئی نظریہ بھی کارفرما ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کے تینوں مجموعوں کے عمیق مطالعہ کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ شاعری محض ان کا شوق نہیں

ہے بلکہ وہ شعری تخلیق کے پیچھے ایک نظریہ کارفرما دیکھنا چاہتے ہیں ۔

شاعری خونِ جگر کا معجزہ ہے کم نظر
تو اسے سمجھا ہے کارِ بے ثمر، اتنا بھی کیا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی کے نزدیک ان کا نظریہ فن کیا ہے اور وہ شاعری اور خصوصاً غزل میں کس قسم کے رجحان کو پسند کرتے ہیں؟؟ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ وہ ایک ایسے عہدِ کم نظر میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں شعروادب سے تعلق رکھنے والے نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ شعروسخن کے اثرات کم ہوتے ہوتے اب بالکل معدوم ہو گئے ہیں ۔

اس عہدِ کم نظر میں عجب سانحہ ہوا
زائل ہوا ہے شعروسخن کا اثر تمام

اس بدترین صورتِ حال میں بھی اگر ہوش مند غزل گوسخن کے بے برگ و بار شجر کو اپنے خونِ جگر سے سیراب کر دے تو اس میں تازہ افکار کی کونپلیں پھوٹ سکتی ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ انہوں نے شاعری نہیں کی بلکہ میؔر کی طرح خوش سلیقگی سے اپنے جگر کو خون کیا ہے۔

حرفِ سخن بے برگ و ثمر اک پیڑ تھا میرے گلشن کا
خونِ جگر دے دے کے جس کو ہر صورت شاداب کیا

حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ شاعرِ دلنواز اگر سچی اور کھری بات بیان کرے گا تو اس کے کلام کا اثر دوچند ہو جائے گا۔ انہوں نے ''حرفِ حق'' کہنے کا مصمم ارادہ کیا ہے اور اپنے عہد کے ہنرمندوں کو احساس دلایا ہے کہ اگر کوئی تخلیق کار سچائی کا دامن تھام لیتا ہے تو اس کا کلام پراثر ہو جاتا ہے۔ حسن عسکری کا موقف یہ ہے کہ اس منافق معاشرے میں ''حرفِ حق'' زبان پر لانا دشوار تو ہے لیکن سچا تخلیق کار یہ کام نہایت سلیقے اور عمدگی

سے انجام دے سکتا ہے۔

غزل کہنا حسن آساں ہے لیکن حرفِ حق کہنا
بہت مشکل سہی لیکن یہ آساں ہو بھی سکتا ہے

حسن عسکری کاظمی اپنے آپ کو اس شعری قبیلے کا فرد سمجھتے ہیں جو ''حرفِ حق'' ادا کرنے کو اپنی میراث سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو سچائی اور حقانیت کی روایت کا امین سمجھتے ہیں۔ حرفِ حق سے ناتہ جوڑنا ایک مستحسن عمل ہے لیکن اپنے آپ کو حرفِ حق کی روایت کا پاسدار کہنا ایک دشوار کام ہے۔

روایت حرفِ حق کہنے کی زندہ ہے مرے دم سے
مجھے اس راہ پر کس نے لگایا کوئی بتلائے

ان کا واضح موقف ہے کہ وہ شاعری بے مصرف و بے کار ہے جس میں صداقت کی مہک موجود نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ شاعر اپنا درد و غم لفظوں کے پیراہن میں پیش کرتا ہے۔ اگر یہ پیراہن کذب وریا کے دھاگوں سے تیار کیا گیا ہو تو اس کا کیا مقصد و مصرف ہو سکتا ہے۔ حسن عسکری تو اپنے آپ کو احساس دلاتے ہیں کہ۔

اک حرفِ حق زبانِ قلم پر میں لا سکوں
ورنہ حسن یہ کرب یہ طرزِ بیاں گیا

حسن عسکری کاظمی نے ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے صنفِ غزل سے اپنا تعلق خاطر جوڑا ہے۔ ان کی یہ مقصدیت حالی اور اقبال سے قدرے مختلف ہے وہ نہ تو حالی کی طرح محض اخلاقیات کو اپنا مقصد قرار دیتے ہیں اور نہ اقبال کی طرح کسی بڑے نظام کی تخلیق کے لیے خودی اور بے خودی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ تو واضح کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں شاعری کا جو ہنر عطا کیا تھا انہوں نے اسے حرفِ حق ادا کرنے میں صرف کر دیا ہے۔

خوشبو غزل کی میں نے بکھیری تمام عمر
کارِ ہنر مرا تھا جو بے کار کب ہوا

وہ اس بات پر بے حد افسردہ ہیں کہ عصرِ حاضر میں صنفِ غزل کو وہ اہمیت نہیں دی جا رہی جس کی وہ واقعی مستحق ہے۔ شعرا نے فرسودہ خیالات کے باعث اس صنف کے بانکپن کو مجروح کر دیا ہے۔ اب نہ تو غزل میں درد کی لذت باقی ہے اور نہ غزل کا مخصوص لب و لہجہ۔ وہ کفِ افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں۔

حرفِ غزل میں پہلا سا وہ بانکپن کہاں
لہجہ کہاں وہ درد کی لذت کہاں رہی

وہ احساس دلاتے ہیں کہ عصرِ حاضر کے شاعروں اور دانشوروں نے شاعری کو بے توقیر کر دیا ہے اور اب شاعری کا ہنر بے اثر ہوتا جا رہا ہے۔

ہمارے کام نہ آئے گا شاعری کا ہنر
یہ حرف و صوت کی میزان کس شمار میں ہے

وہ اس شعر و سخن اور ادب کش صورتِ حال سے گھبرانے کے بجائے ''حرفِ حق'' ادا کرنے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ کیے بغیر غزل کی شمع کو فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ وہ سامعین سے دادِ سخن کے طلب گار ہیں نہ ناقدین سے تحسین کے بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ شاعر کو اپنا مدعا بیان کرنا چاہیے :

بیان کرنا ہے مجھ کو تو مدعا اپنا
بلا سے شعر پہ میرے نہ کوئی داد آئے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا شاعری اور خصوصاً غزل کے بارے میں واضح نظریہ یہ ہے اس میں تازگی فکر ہو، سچائی کی مہک ہو، خیالات میں ندرت ہو، زبان و بیان پر قدرت

اور لفظوں میں کفایت ہو۔ وہ عصرِ حاضر کے سخنور کو تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں

شعرِ تر کہنے سے پہلے بھی سخنور سوچ لے
دل میں اُترے گا کلامِ مختصر جتنا رہا

آپ حسن عسکری کاظمی کی ایک غزل دیکھیے جس میں انہوں نے تحریر کے محاسن و عیوب پر روشنی ڈالی ہے اور اپنا تخلیقی منشور پیش کر دیا ہے:

تھی جو کاغذ پہ بے اثر تحریر
ہو گئی چھپ کے معتبر تحریر

حرف آیا قلم کی حرمت پر
پھرتی دیکھی ہے دربدر تحریر

گھر سے باہر قدم نہیں رکھا
گرچہ پہنچی نگر نگر تحریر

لکھنے والا تو مر گیا لیکن
کیوں زمانے میں ہے امر تحریر

جھوٹ پھلتا رہا زمانے میں
گرچہ سچی تھی سر بسر تحریر

روشنائی کا خشک ہونا تھا
دیکھی خبروں میں تازہ تر تحریر

حبس بڑھتا گیا حسن جیسے
سانس لیتی رہی مگر تحریر

حسن عسکری کاظمی شاعری کو محض جذبات واحساسات پیش کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھتے بلکہ وہ شاعری اور خصوصاً غزل کو حرفِ حق کہنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک غزل گوئی ایک مقدس فن ہے اور اس فن سے منسلک ہونے والے ہنرمندوں کو حق و صداقت کا پیام بر ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات اور ظلم وستم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے:

حرفِ حق کہنا مرے گھر کی روایت ٹھہری
ظلم کی چھائیں مرے گھر پہ گھٹائیں کیا کیا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نصف صدی سے صنفِ غزل کی آبیاری میں مصروف ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ

غزل میں منفرد ہے میرا لہجہ
حسنؔ پڑھنا مجھے 'شام و سحر' میں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غزل کی روایت میں حسن عسکری کاظمی نے موضوعات اسالیب میں وہ کون سے اضافے کیے ہیں جن کے باعث وہ غزل میں جداگانہ حیثیت کے حامل قرار پاتے ہیں؟؟ حقیقت یہ ہے کہ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں میں موضوعات کا ایک جنگل آباد ہے۔ ان کا یہ موضوعاتی تنوع ان کے وسیع المطالعہ ہونے کی د ہے۔ ان کی غزلوں میں موضوعات خس وخاشاک کی طرح بکھرے ہوئے نہیں ہیں ان کی پیش کش میں ایک سلیقہ اور تہذیبی رچاؤ موجود ہے۔ ذیل میں ان کی غزلوں مطالعہ کے بعد اہم اور بنیادی موضوعات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

حسن عسکری کاظمی کی شاعری کا بنیادی موضوع **حسن و عشق** اور ا کے متعلقات ہیں۔ انہوں نے ہجر کی کیفیات بھی بیان کی ہیں اور وصال کی لذتیں بھی تاہم کسی جگہ عشق کے وقار اور معیار کو کم نہیں ہونے دیا۔ وہ عشق کے فلسفۂ وحدت الو

کے بھی قائل ہیں اور وحدت الشہود کے بھی۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حسن دیکھنے والے عاشق کی آنکھ میں ہوتا ہے، محبوب کے پیکر میں نہیں۔

چاہنے والے کی آنکھوں میں ہے معیارِ جمال
عشق میں سانولی صورت بھی بھلی لگتی ہے

ان کے نزدیک عشق ایک ارفع عمل ہے اور اس میں ہوا و ہوس کو دخل نہیں ہے۔ ان کے نزدیک محبوب ایک مقدس ترین ہستی ہے اور اس کے پیکرِ جمال کو دیکھنا عبادت ہے۔ اس سلسلے میں محترمہ عقیلہ کاظمی کی یہ گراں قدر رائے ہمارے موقف کی تائید کرے گی۔

"جب ان کا رومانی رویہ رمی عشق کی فضاؤں سے گزرتا ہے تو وہ عشق کی کلاسیکی روایت کو لے کر چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہی کرب، وہی فراق اور نشاط وصال وہی بے چارگیٔ عشق اور استغنائے حسن وہی گدازِ محبت کی دھیمی دھیمی آنچ، وہی نیاز مندی، وہی دل ربائی، وہی پاکیزگیٔ کردار، ہر بوالہوس والی حسن پرستی نہیں بلکہ آبروئے شیوۂ اہل نظر کی طرح کہتے ہیں۔

کسی کے پھول سے چہرے کی یاد کیوں آئی
ہماری چشم تصور تو باوضو بھی نہیں

تاہم اس عشقیہ شاعری میں دو باتیں ان کی غزلوں کو ممتاز کرتی ہیں ایک تو یہ کہ ایسے اشعار ان کی قلبی واردات ہیں، ان کے جذبوں کی سچائی، ان کی آپ بیتی جس میں کوئی تصنع کوئی آورد اور کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنے عشقیہ اشعار میں پاک نفسی اور ہوس کا فرق جان کر بات کرتے ہیں، ان کے ہاں جسمانی تلازمات و ظواہر کی

بجائے لطافت و نفاست کے جذبوں کی شاعری ہے، یوں محسوس ہوتا
ہے جیسے بادِ صبا برگ گل کو چھو کر گزر رہی ہے، ایسے لطیف جذبوں اور
خیالوں کی حسن عسکری کے یہاں کمی نہیں ہے۔

(عقیلہ کاظمی، دشتِ بے صدا ایک تاثر، لاہور، ماہنامہ شام وسحر اکتوبر ۲۰۰۷، ص ۳۶)

حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ عاشق باکمال وہ ہوتا ہے کہ وہ محبوب کو جس رُخ سے بھی دیکھے اس میں عبادت کا تصور جاگزیں ہو جائے۔ گویا عاشق و محبوب کے عشق میں پاکیزگی اوّلین شرط ہے۔

ہر ایک رُخ سے عبادت ہے دیکھنا جس کو
مری نگاہ میں وہ پیکرِ جمال بھی ہے

ان کے نزدیک عاشقِ صادق کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ عشق کے میدان میں داخل ہونے سے قبل طاہر ہو اور جب تک اسے قلبی طہارت نصیب نہ ہو وہ محبوب کے تصور کو بھی اپنے دل میں جاگزیں کرنے کی کاوش نہ کرے۔

کسی کے پھول سے چہرے کی یاد کیوں آئی
ہماری چشمِ تصور تو باوضو بھی نہیں

حسن عسکری کاظمی کی غزلوں میں فراق و وصال کے روایتی تصورات بھی مل جاتے ہیں۔ وہ محبوب کے بچھڑنے پر آہ و زاری بھی کرتے ہیں اور اس کی گلی کے پھیرے بھی لگاتے ہیں تاہم وہ پیش پا افتادہ موضوعات کو پیش نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی ایک جدا بات کہہ جاتے ہیں۔ وہ نہ تو محبوب کی جدائی میں ہوش کھوتے ہیں اور نہ اس کی گلی میں سایۂ دیوار تلاش کرتے ہیں۔ وہ محبوب کو باوقار انداز میں یاد کرتے ہیں اور موجوں پر کنول کی صورت میں اسے سندیسہ بھیجتے ہیں۔ یہ ایک تہذیبی عمل ہے کہ عاشق اور محبوب دور ہو کر بھی ایک دوسرے کے لیے پاکیزہ جذبات و احساسات رکھیں۔

پھر اس کے بعد ملاقات بھی کہاں ہو گی
غمِ فراق میں دونوں ہی دم بدم روئے

....

سخت جاں تھے، کہ محبت میں کمی تھی جیسے
تجھ سے بچھڑے ہیں مگر ہوش نہ کھوئے جاناں

....

ہم بے خودی میں اس کی گلی سے گزر گئے
بیٹھے کبھی نہ سایۂ دیوار دیکھ کر

....

بھیجیں اسے پانی پہ سندیسہ کبھی لکھ کر
موجوں پہ محبت کا کنول جائے تو اچھا

....

ہوئے ہیں عشق میں ہم خانماں خراب مگر
شبِ فراق بھی رہنے کو ہم سے گھر مانگے

....

حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ عاشق باکمال وہ ہوتا ہے جو محبوب کا بہترین تصور اپنے دل میں بسا لے۔ ان کے خیال میں ان کے غنچہ دہن محبوب کے قدموں کو کہکشاں بوسہ دیتی ہے اور وہ تاروں کے درمیان ماہتاب کی طرح چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے۔ محبوب خوشبو کی طرح عاشق کے پورے وجود کو معطر کر دیتا ہے۔ عاشق کا کام صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کو محبوب کی یادوں سے مالا مال رکھے۔ ہجر ہو یا وصال، صبح ہو یا شام عاشق کو محبوب کی یاد میں ہمہ وقت محو رہنا چاہیے۔

ہر لحظۂ وصال میں اکثر یہی ہوا
گم ہو گئے جمال میں اکثر یہی ہوا

حسن عسکری کاظمی دوسرے شعرا کی طرح محبت میں غم والم اور ہجر وفراق پر واویلا نہیں مچاتے بلکہ انہیں عشق کا سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ وہ شبِ ہجر میں زندہ رہنے کا عزم دہراتے ہیں اور محبوب کو یقین دلاتے ہیں کہ اس کا ظلم وستم ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں لا سکتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی دراصل غم کو عشق ومحبت کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حسن وعشق کی اس پُر درد کائنات میں اگر کہیں سکون میسر آ سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف غم کی بارگاہ ہے

ہمیں تو شہرِ نگاراں میں بے کلی ہی رہی
سکوں اگر ہے کہیں غم کی بارگاہ میں ہے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے عشق ومحبت کے موضوع کو بنیاد بنا کر فکر وفلسفہ کے کئی رخوں کو اُجاگر کرنے کی بلیغ سعی کی ہے۔ اس سلسلے میں معروف نقاد ڈاکٹر خورشید رضوی کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"—— حسن عسکری کاظمی کی عمر دشتِ شعر وادب کی سیاحی میں گزری ہے لیکن ان کی ذوقی تربیت اُس زمانے میں جب نالے کو سینے میں تھامنے اور اُس کی پختگی کا انتظار کرنے کی روشِ اہلِ ذوق کا شیوہ تھی چنانچہ دشتِ بے صدا حسن عسکری کاظمی کی زندگی بھر کی ریاضت کا اوّلین اظہار ہے۔ مجھے حسن عسکری کاظمی کی غزل اُن کے احساس کا ایک ہمہ جہت آئینہ دکھائی دیتی ہے جس میں غمِ دل اور غمِ دنیا، عزم اور دل شکستگی، حوصلہ اور خستگی، سب کے رنگ اپنی فطری اصلیت میں جھلکتے ہیں۔ اُن کے ہاں نگاہِ شوق میں رکھی ہوئی رنگینیٔ حسنِ بتاں کی دلآ ویزی بھی ہے اور اپنے لہو میں نہا کر شب کی سیاہیوں کو مٹاتے ہوئے قلم کی ولولہ انگیزی بھی۔

——

(حسن عسکری کاظمی، دشتِ بے صدا، ص فلیپ)

حسن عسکری کاظمی عمر کی اس منزل میں ہیں جہاں حالی کے بقول شعرا کو عشقیہ موضوعات سے کنارہ کشی اختیار کر لینا چاہیے لیکن آج بھی حسن عسکری کاظمی کا عشقیہ موضوعات کے ساتھ وابستہ رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ مہ رخوں سے آج بھی ربطِ خاص رکھتے ہیں اور غزل میں ان سے باتیں کرتے ہیں۔

ہم مہ رُخوں سے آج بھی رکھتے ہیں دوستی
صنفِ غزل میں کر گئے ہم عرضِ حال بھی

آپ حسن عسکری کاظمی کی مختلف غزلوں کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ انہوں نے حسن و عشق کے کیسے کیسے رنگ اُجاگر کیے ہیں:

اسے تو بھول گیا قربتوں کا دور مگر
مجھے تو یاد اسے صبح و شام کرنا ہے

غنچہ دہن کے پاؤں کو چومے ہے کہکشاں
تاروں کی انجمن میں وہ مہتاب سا لگے

تو نے خوشبو کی طرح رختِ سفر باندھ لیا
صحنِ گلشن میں ہے افسردہ صبا تیرے بعد

تم نے بھی محبت کا اثر یاد نہ رکھا
دیتے تھے قسم سر کی مگر یاد نہ رکھا

کشتی کا اب بھنور سے نکلنا محال ہے
موجِ خیالِ یار بھی طوفاں دکھائی دے

میں کہ زندہ ہوں شبِ ہجر ابھی
تو مگر اور ٹھکانہ مانگے

میں نے تنہائی میں ہر لحظہ تو سوچا تجھ کو
دل میں حسرت ہے کہ جی بھر کے نہ دیکھا تجھ کو

سچ یہ ہے خواہش بیتاب نہ تھی پہلی سی
رُخِ محبوب پہ وہ آب نہ تھی پہلی سی

حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کا ایک اہم ترین موضوع "**معاشرتی رویوں کی بھرپور عکاسی**" ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی تخلیق کار معاشرے سے لاتعلق رہ کر اپنی تخلیقات کو زیب و زینت نہیں دے سکتا ہے۔ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے اس کے منفی و مثبت اثرات اس پر ضرور مرتسم ہوتے ہیں۔ غمِ عشق سے فرار حاصل کرنے والا غمِ روزگار کا شکار ہو جاتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی ایک حساس دل اور چشمِ معنی آشنا رکھتے ہیں۔ وہ اپنے معاشرے کے تمام محاسن و عیوب کا عمیق نگاہی سے مطالعہ کرتے ہیں اور سخت دل گرفتہ ہو کر چلا اٹھتے ہیں

؎ میں دل گرفتہ شہر میں پھرتا ہوں دربدر
جس پر نظر پڑی وہ پریشاں دکھائی دے

حسن عسکری کاظمی نے اپنے معاشرے کو عام انسانوں کی طرح محض دو آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے ایک حساس اور دردمند تخلیق کار کی طرح تیسری آنکھ سے کائنات کے مسائل و معاملات کو دیکھا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی بے کلی و بے بسی کے باعث ہر انسان افسردہ غم زدہ ہے۔ انسانوں کے چہروں کی رونقیں پامال ہو گئی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نادیدہ قوتوں نے انسانوں کی ہنسی چھین لی ہے۔ اب تو ہر شخص کے ماتھے پر اُداسی کی تحریر آویزاں ہے۔

؎ چہروں پہ اُداسی کی نمایاں ہوئی تحریر
وہ دکھ ہے کہ اک شخص بھی ہنستا نہیں ملتا

حسن عسکری کاظمی اس بات پر بے حد ملول ہیں کہ ہمارے معاشرے سے فرحت و انبساط چھیننے والے لوگ وہی ہیں جو بدامنی کے خوگر ہیں۔ یہ لوگ ملک میں خوف و دہشت پیدا کر کے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی اس صورتِ حال سے بے حد کبیدہ خاطر ہیں:

؎ اپنی آنکھوں سے لہو میں تیرتے سر دیکھنا
خامشی سے یہ تماشا اور دن بھر دیکھنا

حسن عسکری کاظمی اس بدترین صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کا سب سے زیادہ قصور ہے۔ ہم نے اپنے مقاصدِ حیات سے پہلو تہی کرنا شروع کردی ہے۔ ہم نے غم عشق سے نجات حاصل کر کے خود کو غمِ دنیا کے مسائل میں اُلجھا دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ غمِ دوراں سے نجات کا سہل ترین راستہ یہ ہے کہ وادیِ جاناں میں پناہ حاصل کرلی جائے۔

؎ بدل دیا غمِ دوراں نے زندگی کا چلن
کہاں نصیب وہ راحت جو تیری چاہ میں ہے

....

؎ دل بھر چکا ہے عشق کے ماروں کا ان دنوں
مت پوچھ حال رزق کے ماروں کا ان دنوں

حسن عسکری کاظمی ملک میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی سے نالاں ہیں۔ وہ مہنگائی کے ہاتھوں پسے ہوئے غریب انسانوں کے دُکھ درد کو محسوس کرتے ہیں اور اس پر غم کناں ہیں۔ وہ محنت کشوں کے بارِالم کو اپنا بوجھ تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنے عدالتی نظام سے نالاں ہیں کہ بے نواؤں اور غریبوں کو انصاف ملنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حسن عسکری کاظمی محض حالات کی نوحہ خوانی کرتے ہیں یا ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کا کوئی طریق بھی وضع کرتے ہیں؟؟ حسن عسکری کاظمی کا واضح موقف یہ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے کھلی آنکھوں کے ساتھ معاشرے کا مطالعہ کرنا چاہیے اور ان اسباب و علل کا تجزیہ کرنا چاہیے جو بدترین حالات پیدا کرنے کا موجب بنے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے سوچ بچار کی عادت ترک کردی ہے اور ستم کش حالات کے سامنے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلی ہیں۔ حسن عسکری کاظمی طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

ہر آدمی ہے جینے کے مقصد سے بے خبر
سچ ہے کہ سوچنے کی بھی فرصت کہاں رہی

حسن عسکری کاظمی اس بدترین صورتِ حال میں بھی چراغ اُمید روشن رکھتے ہیں۔ وہ حالات کی یورش سے بدحال اور دل گرفتہ ضرور ہیں لیکن انہیں خبر ہے کہ اگر ہم نے اپنے ہاتھ میں شمعِ یقین روشن کر لی تو ہم اپنی گمشدہ راہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور دنیا کی نگاہوں میں بھی معتبر ہو جائیں گے۔

تو اپنے ہاتھ میں شمعِ یقیں تو لے کر چل
ذرا سراغ لگا اب کسی دفینے کا

وہ حالات کے ستائے ہوئے لوگوں کو تلقین کرتے ہیں کہ بے انصاف معاشرے میں انصاف تلاش کرنا بے سود ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ انقلابی قدم اٹھایا جائے اور زردار سے اپنا حق چھین لیا جائے۔

انصاف بے نوا کے مقدر میں تھا کہاں
رکھتا مگر وہ گردنِ زردار پہ قدم

حسن عسکری کاظمی معاشرے کو امن و امان اور سکون کا گہوارہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ امرا کے ساتھ ساتھ غربا کو بھی لذائذ حیات مہیا کرنا چاہئیں تاکہ وہ بھی راحت سے زندگی بسر کر سکیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ان کی الم انگیز شاعری اور سینہ فگاری کا صلہ محض یہ ہے کہ معاشرہ مثبت سمت کی طرف رواں دواں ہو جائے۔

اظہار کی شاخوں پہ کچھ غنچے چٹک جائیں
اس سینہ فگاری کا اب اور صلہ کیا ہے

حسن عسکری کاظمی کی معاشرتی آلام و مصائب کی پیش کش کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

حسن عسکری کاظمی کا اسلوب کلاسیکی ہے۔ وہ رسمی طور پر غمِ زمانہ کے شاعر نہیں، نہ غمِ محبوب کو گلے لگا کر آہ و بکا کرتے ہیں۔ ان کی غزل میں عصر کی چاپ سنائی دیتی ہے اور حالاتِ زمانہ پر ایک صحت مند باشعور خوددار انسان کا ردِعمل سامنے آتا ہے جو ہر چند تلخ ہے لیکن حسن عسکری کاظمی نے اس کے ساتھ زندگی گزار کر اپنی زندہ دلی کا ثبوت دیا ہے۔

خیمۂ خیال میں وہ ہمارے سامنے اُس شاعر کی صورت میں آتے ہیں جنہوں نے بیسویں صدی کی سیاحت دیدۂ بیدار سے کی اور اکیسویں صدی کا مطالعہ امریکی اور صیہونی دہشت گردی کے تناظر میں جاری ہے، غزلوں کے علاوہ ان کی بیشتر نظمیں اسی درد و کرب کی آئینہ دار ہیں

عجب ہے کیا جو رہے دوش پر نہ سر باقی
ستم شعار کا لیکن رہا نہ ڈر باقی
خدا وہ وقت نہ لائے مگر وہ آئے گا
زمیں پہ کوئی ٹھکانہ رہے نہ گھر باقی
ہوائے زرد ہے تیشہ بدست محوِ خرام
کوئی شجر ہے سلامت نہ اب ثمر باقی

(حسن عسکری کاظمی، خیمۂ خیال، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص فلیپ)

آپ درج ذیل اشعار کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ حسن عسکری کاظمی نے ا
غزلوں میں معاشرتی رویّوں کی کس طرح عکاسی کی ہے۔

کس نے دہشت کو دی ہوا سوچو
کون دنیا میں ایسا ناداں

....

ہر شخص کی زباں پہ ہے نعرہ حساب دو　　کیسا یہ احتساب ہے تم ہی جواب دو

....

ذکر اچھا نہیں گرانی کا　　رونے دھونے کا فائدہ کیا ہے

....

شہر میں اُڑتی ہوئی خبریں بظاہر کچھ نہ تھیں　　کچھ نہ کچھ پہلو یقیں کا پھر بھی افواہوں میں تھا

....

علاجِ گردشِ دوراں، نشاطِ سوزِ دروں　　خیال و خواب کا موسم وہی جو پہلے تھا

....

کیا زمانہ ہے کہ معیار ہنر ہے دولت　　بے ہنر ہم ہیں جنھیں ہاتھ نہ آئی مایا

....

محنت کشوں کو بارِ الم نے دبا لیا　　بیٹے جواں نہ تھے کہ بڑھاپے نے آ لیا

....

حسنؔ یہ زندگی کس موڑ پر مجھے لائی　　ہنسی تو لب پہ ہے اور آنکھ میری پُرنم ہے

....

علاجِ گردشِ دوراں تو ہو گا　　حسنؔ سودا سما جائے جو سر میں

....

بھوک کے ہاتھوں ہوا مجبور تو مزدور نے　　گھر کو جب چھوڑا تو گھر نیلام بھی کرنا پڑا

....

جینا تو اس زمانے میں آساں نہیں مگر　　ہم سخت جاں تھے اس لیے شاید نہ مر سکے

....

حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کا ایک اہم موضوع **"واقعۂ کربلا"** اور اس سے متعلقہ موضوعات کا بیان بھی ہے۔ کرب و بلا کے میدان میں امام حسینؑ اور ان کے رفقا نے جس جرأت و استقامت کے ساتھ باطل قوتوں کا مقابلہ کیا تھا وہ ہر صاحبِ بصیرت تخلیق کار کے لیے انتہائی سبق آموز ہے۔ یہی سبب ہے کہ اُردو کے نثری و شعری اصناف

میں اس واقعہ کے اثرات تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ اُردو غزل میں کلاسیکی اور جدید شعرا نے واقعۂ کربلا کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے اور اس واقعہ کے مختلف رُخوں نے کو اُجاگر کرنے کی بلیغ سعی کی ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظموں، سلاموں، منقبتوں اور نعتوں کے ساتھ ساتھ غزلوں میں بھی کربلا کی فکری عظمتوں کو انتہائی سلیقے اور دانش مندی سے بیان کرنے کی کامیاب کاوش کی ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں فرازِ دار، سرِ مقتل، عَلَم، پانی، تشنگی، ماتم، نیزہ، پیروِ زیاد، تشنہ لبی، ساحل، فرات، خیمہ، دشت، چراغ، لہو، کارواں، آیۂ تطہیر، کوفۂ بے درد، اسوۂ شبیرؑ، تعزیہ، نوحہ اور اسی قبیل کے بیسیوں الفاظ استعمال کیے ہیں جو واقعۂ کربلا سے مستعار ہیں۔ حسن عسکری کا موقف یہ ہے کہ جو شخص واقعۂ کربلا کو محض رونے رلانے کی چیز سمجھتا ہے وہ دراصل امامِ عالی مقام کے حقیقی پیغام ہی سے آشنا نہیں ہے۔ کربلا میں امام حسینؑ نے ہر زندہ ضمیر انسان کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے میں حق و صداقت کا علم بلند رکھنا چاہتا ہے تو اسے باطل قوتوں سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ حق کی سربلندی کے لیے اپنا سر نیزے پر بلند کر لینا چاہیے:

؎ وفا کا رنگ بھی خوشبو کے پیرہن میں ملا
یہ سرفرازیِ قسمت فرازِ دار میں ہے

حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ کربلا کا واقعہ انسان کو جرأت مند، باضمیر، وفادار، غیرت مند اور صدق و صفا کا پیکر بنا دیتا ہے۔ وہ صاحبانِ بصیرت پر یہ راز آشکار کر دیتے ہیں کہ عزمِ حسینیؑ رکھنے والا انسان نہ تو راہِ حیات میں تھکن محسوس کرتا ہے اور نہ اس کے بازو شل ہوتے ہیں۔ وہ کمزور ہونے کے باوجود صراطِ مستقیم اختیار کرتا ہے اور جہاں ظالم قوتیں اس کا راستہ روکتی ہیں وہ پاؤں کے بجائے نیزے کے اوپر اپنا سفر جاری رکھتا ہے:

؎ قامت نیزہ پہ جائے گا بریدہ سر مرا
دل میں ماتم ہے بپا شاہِ زمن کی یاد میں

حقیقت یہ ہے کہ اسوۂ شبیرؑ پر چلنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اس میں اپنے گھر بار کو لٹانا پڑتا ہے مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ عزیزوں اور اقارب کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنے لہو میں نہانا پڑتا ہے

گر تشنہ لب ہیں اسوۂ شبیرؑ پر چلیں
موقف درست ہے تو لہو میں نہائیے

حسن عسکری کاظمی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے کربلا اور اس سے متعلقہ موضوعات کو انتہائی سلیقے اور ہنرمندی سے غزل کے مذاق و مزاج کے مطابق پیش کیا ہے۔ آپ ان کے درج ذیل اشعار دیکھیے کہ یہ غزل سے زیادہ سلام کے اشعار محسوس ہوتے ہیں لیکن حسن عسکری کاظمی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے سلام اور غزل میں ایک فاصلہ برقرار رکھا ہے

بدن کی مشعلیں جلتی رہیں سرِ مقتل
ہزار سازشیں ہوتی رہیں بجھانے کی

....

تشنگی کا ہے تجربہ جس کو
جانتا ہے وہ کربلا کیا ہے

....

تعزیہ غم کا اٹھاتے ہوئے گھر سے نکلے
یوں مکینوں نے کیا اپنے مکاں کا نوحہ

....

مری وفا کا اسے بھی یقین تھا لیکن
بجھا کے شمع مجھے پھر بے آزمانا تھا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حسن عسکری کاظمی نے اپنے سلاموں، مناقب اور نعتوں میں ذکرِ سیّد الشہداءؑ بار بار کر دیا ہے تو پھر غزلوں میں واقعۂ کربلا کو موضوع بنانے کی کیا ضرورت ہے......؟؟ اس کا سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ حسن عسکری کاظمی نے جوشِ عقیدت کے باعث ایسا کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہی اتنا دردانگیز ہے کہ ہر صنف پر اس نے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس سوال کا جواب حسن عسکری کاظمی کی زبان سے بھی سُن لیجیے کہ وہ اپنی غزل کو معتبر بنانے اور دوام عطا کرنے کے لیے کربلا کے تلازمات کو پیش کرتے ہیں:

؎ اس کو بھی حرفِ حق کی طرح زندگی ملی
جس شعر میں حوالہ حسنؔ کربلا کا تھا

آپ حسن عسکری کاظمی کی مختلف غزلوں کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ انہوں نے ان اشعار میں کس طرح واقعۂ کربلا کے مختلف رنگوں کو سمو دیا ہے:

یاد آ گیا کہ ایک سمندر تھا موجزن
پانی کی بوند بوند کو ترسا تھا سامنے

....

رہا نہ بازو مگر حوصلہ سلامت ہے
جھکا نہ خاک پہ اپنا علم کسی صورت

....

غضب ہے کوفے میں پھر ہیرو زیاد آئے
کہیں سے اب تو کوئی فتویٰ جہاد آئے

....

تشنہ لبی وہی ہے سرِ ساحلِ فرات
اب خیمہ زن ہو کون یہ کس کی مجال ہے

....

فرازِ دہن پہ اب تک وہ گونجتی ہے اذاں
کہ دشتِ شوق بھی بیدار جس اذاں سے ہوا

....

گُل کرکے چراغوں کو کہا رات ہے بھاری
اس دشتِ بلا سے جو نکل جائے تو اچھا

....

میرے لہو میں تشنہ لبی کا اثر بھی ہے لازم ہے مجھ پہ اسوۂ شبیرؑ اس لیے

تشنہ لبوں کے قامتِ نیزہ پہ سر گئے آخر کہاں فرات پہ اک کارواں گرا

وہ دو گھڑی کی رفاقت مثالِ حرؑ جو ملی سکونِ دل مجھے حاصل حسنؔ وہاں سے ہوا

رکھتا ہوں میں طہارتِ قلب و نظر عزیز پیشِ نظر ہے آیۂ تطہیر اس لیے

ملی نہ ایسی بلندی کسی گھرانے کو کہ سر بریدہ سناں پر مرا گھرانہ تھا

میں ہر قدم تھا قامتِ نیزہ پہ سربلند وہ کربِ آگہی میں برابر بھی کب رہا

ہے کوفۂ بے درد کی صورت کوئی بستی جاں دینے یہاں لوگ نہ نکلیں گے گھروں سے

سر کو بچا کے لے گئے مقتل سے اس لیے اب پیرویِ اسوۂ شبیرؑ بھی گئی

مثالِ حرؑ مرا کردار ہو گا یہ آویزش رہی گر خیر و شر میں

ملی ہے مجھ کو حسنؔ جرمِ آگہی کی سزا سناں کی نوک پہ رکھا گیا ہے سر میرا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی "**فطرت**" سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ فطرت کا ہر انگ اور ہر رنگ انہیں پسند ہے۔ وہ معروف فطرت پسند روسو کی طرح انسان کی معصومیت، آزادی اور نیکی کے کھو جانے کا بنیادی سبب اس کی فطرت سے دوری قرار دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ انسان کی جسمانی اور روحانی تروتازگی اور بشاشت

کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر فطرت سے اپنا تعلق خاطر جوڑے۔ فطرت سے وابستگی کے باعث انسان کے اندر ایک ایسی طمانیت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے بے حس معاشرے میں بھی زندہ رہنے کی امنگ عطا کرتی ہے۔ آپ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کا مطالعہ فرمائیے تو آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے فطرت سے تعلق رکھنے والے بے شمار الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان میں سے پرندے، قفس، پیڑ، طائر، باغ، صحرا، بیاباں، چمن، بارش، موسم، گل، یاسمن، جنگل، چڑیا، دام، باغباں، صیاد، شہباز، تتلیاں، پھول، چمن زاد، عقاب وغیرہ اس کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ حسن عسکری کاظمی کو فطرت پرست شاعر کہنا غلط نہ ہوگا۔ وہ اس بات پر بے حد ملول ہیں کہ ہم نے اپنے معاشرے سے فطرت کے جمالیاتی رنگ ختم کرنا شروع کر دیے ہیں۔ صنعتی ترقی اپنی جگہ معتبر ہوگی مگر فطری حسن کو ختم کرنے والی کوئی بھی ترقی قابلِ تحسین نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب درخت کاٹے جاتے ہیں تو پیڑوں پر مقیم پرندے بھی ہجرت کر جاتے ہیں اور گلشن صحراؤں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی اس صورت حال سے دل گرفتہ ہو کر چلا اٹھتے ہیں:

؎ پیڑوں سے طائروں نے کیا کوچ خوف سے
گلشن بھی اب تو مجھ کو بیاباں دکھائی دے

حسن عسکری کاظمی لوگوں کی فطرت سے عدم دلچسپی کے باعث دل گرفتہ ضرور ہیں لیکن مایوس ہرگز نہیں ہیں۔ انہیں علم ہے کہ لوگوں میں فطرت سے دلچسپی ضرور پیدا ہوگی اور فضائے چمن ضرور بدلے گی

؎ بدل رہی ہے فضائے چمن مگر کم کم
کھلے ہیں پھر سے گل و یاسمن مگر کم کم

آپ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کے درج ذیل اشعار دیکھیے اور ان کی فطرت پسندی اور

فطرت سے والہانہ محبت کے رنگ ملاحظہ فرمایئے:

آئے نہ چہچہاتے پرندے جو لوٹ کر　　رہ کر قفس میں وہ بھی تو بے پر کے ہو گئے

....

بارش کے موسموں کا ذرا انتظار ہے　　بوندوں کا رقص اس کو دکھانا ہے ایک دن

....

چہکنا بھول گئے آس کے پرندے بھی　　کبھی نہ اس طرح پھیلا تھا یاس کا جنگل

....

قفس میں بند پرندہ اڑان بھول گیا　　کوئی رہا نہ سلامت جو پر تو کیا کرتا

....

چڑیوں سے بھر کے جال تو صیاد لے گیا　　اونچی فضا میں اب کوئی شہباز کیا کرے

....

ہر سمت یوں بکھر گئیں یادوں کی تتلیاں　　ان سب کے بیچ جیسے کوئی خستہ جاں گرا

....

کھلے ہیں پھول صحرا میں چمن زادوں سے جا کہیے　　نکلنے سیرِ گل کو ہم بھلا ہر سو کہاں جاتے

....

یہ فصلِ گل ہے کہ عہدِ خزاں نہیں سمجھا　　یہ ہاؤ ہو ہے، فغاں ہے کہ شورِ ماتم ہے

....

نزولِ نکہتِ خوابیدہ پردۂ شب میں　　گلوں پہ قطرۂ شبنم وہی جو پہلے تھا

....

زمینِ خواب کے پہلو میں ہے شجر میرا　　نہ جانے کس کے مقدر میں ہے ثمر میرا

....

گاؤں کے پنگھٹ، نہ وہ پنہاریاں　　شہر میں ہم آ کے پچھتائے بہت

....

زمیں پہ بکھرے ہوئے بال و پر بھی دیکھے ہیں　　ہوا کے زور پہ چڑیوں کے گھر بھی دیکھے ہیں

....

موسمِ گل کی نہ پائل چھنکی ورنہ تھا پھولوں کا گہنا اچھا

....

حسن عسکری کاظمی "**وطن سے بے پناہ محبت**" کرتے ہیں ان کی غزلوں اور نظموں کا ایک معتد بہ حصہ وطن دوستی پر مشتمل ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان اپنی جنم بھومی سے محبت کرتا ہے اور اس کی خاطر کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ حسن عسکری کاظمی وطن کے ایک ایک ذرّے سے محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنا تن، من اور دھن سب کچھ قربان کرنے کے آمادہ نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے شکوہ سنج ہیں کہ آج کل کوئی بھی وطن کی خاطر سودائی بننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

ہمیں یہی ہے شکایت کہ اے زمینِ چمن
ہوا نہ کوئی بھی چاہت میں تیرے سودائی

حسن عسکری کاظمی کے رگ و پے میں وطن کی محبت رواں دواں ہے۔ انہیں علم ہے کہ وہ لوگ جو تلاشِ رزق کے لیے اپنا دیس چھوڑ کر پردیس چلے جاتے ہیں۔ وہ بھی وطن کی مٹی کی سوندھی خوشبو کے لیے بے قرار رہتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے لہو بہنا شروع ہو جاتا ہے۔

اس نے لکھا ہے تلاشِ رزق میں نکلا تو ہوں
خون آنکھوں سے برستا ہے وطن کی یاد میں

پردیس میں رہ کر دیس کو یاد کرنا ایک مستحسن عمل ہے۔ انسان پردیس میں رہ کر وطن کی گلیاں، موسم، بازار، راستے، میلے ٹھیلے، باغات، احباب غرض ہر چیز کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں میں حبِ وطن کے باعث آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

یوں تو ہوتا ہے جو نکلے گا تلاشِ رزق میں
بے وطن کو یاد تو آئے گا گھر، اتنا بھی کیا

حسن عسکری کاظمی ہر اس چیز سے نفرت کرتے ہیں جو وطن کی سرفرازی اور سربلندی کو کمزور کرنے کا باعث بنتی ہے۔ وہ وطن میں فساد اور انتشار پیدا کرنے والی قوتوں کو قابلِ نفرت قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں وطن کا دشمن دراصل ایمان کا بھی دشمن ہوتا ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن پاکستان کو فسادیوں، دہشت گردوں اور انتشار پھیلانے والوں سے محفوظ رکھے۔

؎ وہی ہے دشمنِ ایماں، وہی عدوئے وطن
کہ جس قبیلے سے آوازۂ فساد آئے

حسن عسکری کاظمی کی رگوں میں وطن سے محبت کرنے والا لہو گردش کر رہا ہے۔ وہ جہاں ملک میں افتراق پھیلانے والوں کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں وہاں وہ استعماری قوتوں کو بھی پسند نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک دشمن قوتیں پاکستان کی سالمیت کو کمزور کرنے میں مصروف ہیں لیکن ان کی عیاریاں، چالبازیاں اور مکروفریب اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس دھرتی پر ایک بھی غیرت مند زندہ ہے۔

؎ دشمن کے سامنے ہوں میں سینہ سپر حسنؔ
آساں نہیں وہ تیغ و تبر مجھ سے چھین لے

آپ حسن عسکری کاظمی کی مختلف غزلوں کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ وہ وطن کی محبت سے کس قدر سرشار ہیں۔

کسک رہے گی وطن چھوڑنا نہیں آساں　　لہو میں اپنے نہا کر اُداس مت ہونا

....

گھروں کا راستہ بھولے ہوئے کہاں جاتے　　تلاشِ رزق میں کچھ دربدر بھی دیکھے ہیں

....

دیار اجنبی ہے اور میں ہوں　　ہر اک رستہ بیاباں ہو گیا ہے

....

اپنے وطن کو لوٹ کے جانا بھی تھا اُسے　　وہ بے دلی سے جانے کو پَر تولنے لگا

....

ہم کسی گمنام گوشے میں سمٹ کر رہ گئے　　کس قدر بے چین ہیں اب پاؤں پھیلانے کو ہم

....

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا ایک پسندیدہ موضوع ''**طنز و مزاح**'' بھی ہے۔ ان کی غزلوں میں طنز و مزاح کے مختلف روپ ہمارے سامنے آتے ہیں تاہم اس میں ذاتی عناد اور پرخاش کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ اُردو شاعری میں طنز و مزاح کی روایت بہت قدیم ہے۔ غالبؔ، حالی، اکبر اور اقبال نے طنز کو ذات کے دائرے سے نکال کر بڑے معاملات و مسائل کے دوائر میں سمونے کی شعوری کوشش کی۔ حسن عسکری کاظمی نے ایک جانب تو ناصح، واعظ، عابد، رہزن، رہبر، ملا، رقیب، منافق اور زاہد پر طنز کے تیر برسائے ہیں اور دوسری جانب ہمارے غلط رویوں کی نشاندہی کی ہے۔ وہ طنز کرتے ہوئے عام انسان تو کیا محبوب کو بھی معاف نہیں کرتے ہیں۔ وہ اپنے حسن کے غرور میں مبتلا محبوب پر واضح کر دیتے ہیں کہ اس چار روزہ دنیا میں تکبر کرنا انتہائی غلط ہے۔

؎ خیال و خواب کی دنیا کا اعتبار نہ کر
عروجِ حسن کو اک دن یہاں زوال بھی ہے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی محض دوسروں کو نشانۂ تمسخر نہیں بناتے بلکہ اپنی ذات پر بھی طنز کرتے ہیں۔ دانش مند کہتے ہیں دوسروں کی ملامت کرنا سہل ہے لیکن خود کو نشانۂ ملامت بنانا بے حد دشوار ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اس دشوار کام کو انتہائی آسانی کے ساتھ کر لیا ہے۔ وہ اپنی ذات کے نقائص اُجاگر کر کے اہلِ دنیا کو ایک ایسا آئینہ فراہم کر رہے ہیں جس میں ہم اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں:

؎ وہ دل جو کبھی عرشِ ربِ علا تھا
تعجب ہے اس میں صنم دیکھتے ہیں

وہ اپنی ذات کی معرفت سے عصرِ حاضر کے شعرائے کرام پر بھی طنز کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ دولت کی ہوس میں مبتلا شعرا کبھی صاحبانِ عزت و توقیر نہیں کہلا سکتے۔

ے زر کی ہوس میں لے کے چلا کاسۂ ہنر
شاعر تو کیا وہ صاحبِ توقیر بھی نہیں

آپ ان کا طنزیہ رنگ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کس طرح بے ہنر تخلیق کاروں کی ملامت کرتے ہیں مگر اس میں کہیں عناد کی بو محسوس نہیں ہوتی۔

ے کوچۂ شہرت سے آتی ہے صدا
بے ہنر زعمِ بقا ہے کس لیے

حسن عسکری کاظمی واعظوں، ناصحوں اور رہبروں کو ملک و ملت کے لیے نقصان دہ تصور کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اس قبیل کے افراد ذاتی مفاد کے لیے ملک و ملت کو فروخت کر دیتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی منافقت میں گزر جاتی ہے۔ وہ دوسروں کو ایذا پہنچا کر مسرور ہوتے ہیں۔

ے واعظ کے رُخ پہ غازہ ہوس کا ہے کیا کہیں
حیران آئینہ ہے یہ آثار دیکھ کر

....

ے دن میں جو ناصح مجھے درسِ شرافت دے گیا
رات وہ زہرہ جبیں کی نقرئی بانہوں میں تھا

....

ے کیا رہبروں سے کیجیے شکایت کہ ان دنوں
ہر فرد مبتلا ہے طلب کے عذاب میں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی ان خود ساختہ رہبروں، واعظوں اور ناصحین کے خلاف کیوں ہیں......؟؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ اس قبیل کے افراد میں

اخلاق، کردار اور نصب العین کی بے حد کمی ہوتی ہے۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری یہ لوگ صرف اور صرف ذاتی مفاد کو پیشِ نگاہ رکھتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی استفسار کرتے ہیں۔

ایسا بھی کوئی شہر میں واعظ ہے دوستو
دل جس کا آئینہ ہو، تکبر ذرا نہ ہو

حسن عسکری کاظمی نے اپنی غزلوں میں طنز کے ساتھ ساتھ مزاح کو بھی اہمیت دی ہے لیکن ان کے مزاحیہ اشعار بھی طنزیہ رنگ لیے ہوئے ہیں۔ غالبؔ اُردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے سنجیدہ مزاح کو اُردو کے مزاج میں سمونے کی شعوری کوشش کی تھی۔ حسن عسکری کاظمی نے بھی کوشش کی ہے کہ غزل میں مزاح کو پیش کریں مگر اس میں طنز کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

واعظ میں کمی کیا ہے جواں سال ہے وہ بھی
اس کو یہ شکایت ہے کہ رشتہ نہیں ملتا

....

کسی کو قامتِ زیبا، کسی کو رقصِ ہنر
مگر رقیب کو چہرہ ازل سے زشت ملا

....

رسوا تو ہم ہوئے سرِ بازار واعظو
داغِ گناہ تم نے قبا میں چھپا لیا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا طنزیہ اسلوب انتہائی تند اور ترش ہوتا ہے تاہم اس ترشی میں اخلاص کی مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ موضوعات اور اسالیب کے اعتبار سے حسن عسکری کاظمی کی طنزیہ شاعری انتہائی پُر اثر ہے۔ اب ذیل میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے طنزیہ اشعار سے لطف اٹھایئے:

واعظ کی ہم رسی باتیں سنتے ہیں　　جھوٹے قصے وہ بھی سنائے اوروں کے

....

اک دلھن نوخیز سی لایا وہ پیری میں مگر　　جو مکاں اپنا تھا اس کے نام بھی کرنا پڑا

....

صد حیف ملک بیچ کے بیٹھے ہیں مطمئن　　مقروض رہبروں کو جو چاہے خطاب دو

....

صدمہ ہے بہت قافلے منزل پہ نہ پہنچے　　رہزن کا یہ اعزاز کہ ذی شان ہے اب تک

....

پرکھا ہے رہبروں کو مگر ہم پہ کھل گیا　　دل میں کسی کے جذبۂ تعمیر بھی نہیں

....

بند کوچے میں زندگی گزری　　رہبروں کا یہ ہم پہ احساں ہے

....

منافق بانٹ کر خوش ہے مری زندہ اکائی کو　　مسلماں کا عدو گویا مسلماں ہو بھی سکتا ہے

....

واعظ کو شہر یار کی صحبت پسند تھی　　دستار کا لحاظ نہ اپنی قبا کا تھا

....

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی غزلوں میں **"منفرد موضوعات"** کا ذخیرہ ملتا ہے۔ وہ کلاسیکی رجحان کے حامل شاعر ہیں مگر دوسرے شعرا کے موضوعات کو اُلٹ پھیر کر بیان کرنا حسن عسکری کاظمی کا شیوہ نہیں ہے۔ وہ انفرادیت اور جدّت کے قائل تو ہیں لیکن انہیں بخوبی علم ہے کہ جدّت ہمیشہ روایت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ عصرِ حاضر کے شعرا اور خصوصاً غزل گویوں کا المیہ یہ ہے کہ جدّت کے شوق میں وہ اپنی کلاسیکی روایت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے اور کچے پکے خیالات پر اپنے اشعار کی عمارت تیار کرتے ہیں جو جلد یا بدیر ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ عظمتِ فن کے لیے الفاظ میں اپنا لہو رواں کر دیتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ حسن عسکری

کاظمی پرانے موضوعات میں اپنا خون جگر صرف کرتے ہیں اور انہیں ایک نیا رنگ اور آہنگ عطا کر دیتے ہیں۔ آپ ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے اور ان میں انفرادی ذائقوں سے لطف اٹھائیے:

ے شاید وہ میں تھا یا کوئی مجھ سا تھا سامنے
میں نے تو آنکھ بھر کے نہ دیکھا تھا سامنے

....

ے بے چہرگی میں کیسے گزرتی ہے زندگی
اس تجربے میں ہم بھی تو بے سر کے ہو گئے

....

ے قیدِ تنہائی بھی تخلیق کا سرچشمہ ہے
معتبر لفظ کو دیوار پہ لکھا دیکھا

....

ے کوئی تو خیمۂ اُمید آ کے نصب کرے
پڑی ہیں ڈھیریاں اُلجھی ہوئی طنابوں کی

....

ے دے گیا سیلاب گدلا آئینہ جاتے ہوئے
اپنا چہرہ اس قدر میلا کبھی دیکھا نہ تھا

....

ے میلہ ہے، نمائش ہے کہ بازار ہے کیا ہے
وہ بھیڑ ہے رستے میں کہ رستہ نہیں ملتا

....

حسن عسکری کاظمی کی غزلوں میں موضوعاتی تنوع ہے وہ پیش پا موضوعا

بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ نئے نئے موضوعات تخلیق کرنا اور ان پر شاعری کا روغن چڑھانا ان کا دل پسند مشغلہ ہے۔ وہ شکیب جلالی کی طرح اپنی غزلوں میں زندگی کو چلتا پھرتا دیکھتے ہیں لیکن ان کی تخلیق کی تیسری آنکھ ہر چیز کو منفرد انداز سے دیکھنے کی عادی ہے۔ آپ درج ذیل اشعار میں حسن عسکری کاظمی کی انفرادیت ملاحظہ فرمایئے:

ے اونگھتی سڑکوں پہ بے حس قمقموں کا سلسلہ
میرے افسردہ خیالوں کا تبسم سا لگا

....

ے چپ کے لباس میں اسے عریانیاں ملیں
آخر وہ کٹ کے مر ہی گیا اپنی آن پر

....

ے ٹکڑوں میں بانٹ کر بھی عدو مطمئن نہیں
میں آئینہ تھا، عکس تو اس کا نہ تھا کبھی

....

پروفیسر حسن عسکری کاظمی جدید شعری رویوں کے امین ہیں۔ وہ بات کو نئے ڈھنگ اور منفرد اسلوب سے کہنے میں مہارت رکھتے ہیں تاہم جدت کے شوق میں بے معنویت کا شکار ہونا انہیں قطعاً پسند نہیں ہے۔ آپ ان کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ فرمایئے کہ انہوں نے جدت اور روایت کو کتنے سلیقے اور ہنر مندی سے آمیخت کیا ہے۔

عجب وہ خواب جو دیکھا مری بیدار آنکھوں نے — کہ ایسے خواب کو دل میں سمونا خواب ہو جائے

....

وہ کم سخن کہ جسے خامشی پسند آئی — وہ چپ ہوا بھی تو کرتی رہیں خطاب آنکھیں

....

میں چپ رہا تو وہ گمنام تھا زمانے میں — زمانے بھر میں وہ رسوا مرے بیاں سے ہوا

شطرنج کے مہروں کو وہ ترتیب سے رکھے   شاطر ہے کوئی چال وہ چل جائے تو اچھا

....

ہیں دائرے میں درد کے مارے یہاں وہاں   اور بوالہوس کا نقطۂ پرکار اور ہے

....

خیال و خواب کے آگے بھی ایک دنیا ہے   سمٹ کے صورتِ نقطہ بنی جو وسعت میں

....

اس شہر میں تو صنعتِ افواہ کی ہے قدر   سرگوشیوں کی بھیڑ میں ہمراز کیا کرے

....

ملبہ تمام مجھ پہ گرانا ضرور تھا   بنیاد سے گری ہے عمارت سنا یہ ہے

....

اک وقت کا بہتا ہوا دریا ہی تھا ساکت   فنکار کی تصویر میں یوں اور تو سب تھا

....

زکاتِ حرف نکالوں کہ مستحق کو ملے   مگر یہ شرم کہ پونجی تو مختصر ہو گی

....

فراق یار میں دو لخت ہو گیا جیسے   بہت مزا ہے کہ اب ہجر میں وصال بھی ہے

....

وہ اعتبار کا موسم خیال و خواب ہوا   کہ بے یقینی میں پردہ مجھے گرانا پڑا

....

رکھتا اگر وہ زینۂ ایثار پر قدم   رہتا نہ اس کا نقطۂ پرکار پر قدم

....

چہرے ہر جبر کی تاریخ کا آئینہ ہیں   بے صدا عکس بھی دیتے ہیں صدائیں کیا کیا

....

حسن عسکری کاظمی ایک **صاحب طرز اسلوب ساز شاعر** ہیں۔ دانش مندوں کا کہنا ہے کہ کسی بھی تخلیق کار کا اسلوب اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کا اسلوب حقیقتاً ان کی پُرتاثیر شخصیت کا عکاس ہے۔

حسن عسکری کاظمی ایک سادہ مزاج انسان ہیں۔ وہ تکلف اور تصنع سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ یہی سادگی اور بے تکلفی حسن عسکری کاظمی کی غزل کا اسلوبیاتی منظرنامہ مرتب کرتی ہیں۔ وہ سادہ اور عام فہم الفاظ میں اپنا مدعا قارئین تک پہنچانے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ اس راز سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جو بات خلوص اور صداقت کے خمیر سے تشکیل پاتی ہے وہ قاری کے دلوں پر دستک دیتی ہے۔ اس راز کو پا لینے کے بعد حسن عسکری کاظمی نے اپنی غزلوں میں سادگی کے ساتھ ساتھ سچائی کو بھی اُجاگر کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

؎ مرے کچھ خواب تھے اس چشمِ تر میں
مگر اڑنے لگی اب خاک گھر میں

....

؎ عجب ہے کیا جو رہے دوش پر نہ سر باقی
ستم شعار کا لیکن رہا نہ ڈر باقی

....

؎ سنا جس نے۔ وہ حیراں ہو گیا ہے
رفو کیوں کر گریباں ہو گیا ہے

....

حسن عسکری کاظمی نے ساری زندگی حرف و لفظ سے ناتہ قائم رکھا ہے۔ وہ الفاظ کو محض بول چال کا وسیلہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ ان کے خیال میں ہر لفظ کا ایک تہذیبی سیاق و سباق ہوتا ہے اور الفاظ تحریر میں انسانوں کی طرح سانس لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں لفظ شناسی کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں معروف نقاد ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی یہ گراں قدر رائے ملاحظہ فرمائیے:

"

ڈاکٹر سجاد باقر رضوی مرحوم کہا کرتے تھے کہ لفظ بھی انسان کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کے اندر بھرپور زندگی کا رَس موجود ہوتا ہے چنانچہ لفظوں سے انسان کی طرح Behave کرنا چاہئے۔ ایک تخلیق کار کے ہاں لفظ ایک زندہ اور جیتے جاگتے پیکر کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس کا دستِ ہنر شناس لفظوں کی محض خارجی سطح کو ہی تراش خراش کر سڈول نہیں بناتا بلکہ ان کے اندر نت نئے معانی کے ایسے نگیں رکھ دیتا ہے کہ جن کی روشنی ہر عہد اور ہر زمانے میں قائم رہتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اس حقیقت کو پورے طور پر محسوس کیا ہے۔ وہ لفظوں کی ماہیت، ان کی سائیکی اور ان کے قوسِ قزح جیسے رنگوں کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی قوت مدرکہ لفظوں کے مختلف شیڈز اور ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں تحلیل ہوتی ہوئی نفسی کیفیتوں سے نہ صرف واقف ہے بلکہ انہیں ڈھنگ سے برتنے کا سلیقہ بھی رکھتی ہے چنانچہ لفظوں کے صوتی آہنگ اور ان کے معنوی حسن نے ان کی شاعری کو قابلِ مطالعہ ہی نہیں، دل کی کیفیتوں اور نازک احساسات کا آئینہ دار بھی بنا دیا ہے۔

(ڈاکٹر عبدالکریم خالد، حسن عسکری کاظمی اور وحشتِ بے صدا (مضمون۔ غیر مطبوعہ)، مملوکہ راقم الحروف)

انہوں نے ہمہ جہت اور رنگا رنگ تراکیب و مرکبات کے برمحل استعمال سے بھی شاعری کو ایک نیا رنگ اور آہنگ عطا کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ انہوں نے ایک جانب تو پرانی تراکیب استعمال کی ہیں اور دوسری جانب خود نئی تراکیب بھی وضع کی ہیں۔ آپ ان کی غزلوں میں استعمال ہونے والے درج ذیل مرکبات و تراکیب کا

مطالعہ فرمائیے اور ان کی شاعرانہ ہنرمندیوں کی داد دیجیے۔

سرِ بساطِ نظر، فریبِ شوق، قریۂ آزر، خواہشِ نام ونمود، محرومِ دید، سرِ شاخِ مژہ، چراغِ لالہ، مثالِ صبا، تلاشِ رزق، صبر ورضا، عظمتِ کردار، اہلِ عرش، گدا و شاہ، غمِ دوراں، غمِ حیات، شہرِ نگاراں، ساحلِ مراد، جہازِ عمرِ رواں، حالتِ تباہ، دشتِ بے صدا، حُسنِ کردار، پیکرِ خاکی، پندارِ وفا، دلِ نادان، وعدۂ فردا، معینِ غم، حرفِ ہنر، عہدِ شباب، وقتِ سحر، دشتِ وفا، عرضِ حال، رشتۂ درد، اشکِ بے تاب، رہِ خیال، حصارِ خواب، اسیرِ زُلف، عرضِ ہنر، سیرِ گل، کوچۂ جاناں، سایۂ دیوار، سرِ بازار، باعثِ آزار، عہدِ فراق، موجِ خیالِ یار، شوقِ دید، جانِ من، سوئے دشت، عمرِ عزیز، حسنِ مجسم، بحرِ سخن، آب وہوائے درد، قامتِ نیزہ، کربِ آگہی، دامنِ شائستگی، خیالِ خاطرِ احباب، فریبِ زندگی، جاہ وحشم، محرابِ مسجد، صحنِ تصور، عرصۂ جنوں، طرزِ تکلم، ریگِ رواں، کوہِ ہوس، اشکِ پیہم، چشمِ تمنا، سوزنِ یاد، موسمِ یادِ عزیزانِ گرامی، حاصلِ عمرِ گریزاں، قتیلِ عشق، مونس وغم خوار، جہانِ آب وگل، صحنِ چمن، بزمِ طرب، جام وسبو، لوحِ نظر، جذبۂ تعمیر، کاسۂ ہنر، صاحبِ توقیر، نالۂ شب گیر، تیشۂ تدبیر، دانۂ بہشت، سنگ وخشت، مزاجِ کشت، تارِ کفن، سایۂ مژگاں، پرسشِ احوال، حرفِ بے رُخی، عہدِ کم نظر، جوہرِ تابندگی، مشعلِ جاں، صفحۂ ہستی، شورِ قیامت، رعبِ حسن، جرمِ عشق، فراتِ ذہن، دشتِ شوق، دشتِ بلا، تبدیلیِ افکار، خیمۂ وحشت، صحرائے وفا، آتشِ بے نام، عرصۂ فرقت، نظامِ کہن، فطرتِ غنچہ دہن، خطوطِ بدن، نقطۂ پرکار، دیدۂ بیدار، شاخِ ثمردار، سرِ عرش، عزتِ سادات، نالۂ شب گیر، طہارتِ قلب ونظر، کمالِ ضبط، دشتِ غم، قریۂ جاں، شبِ وصال، زادِ سفر، دفاعِ حق، ننگِ عشق، کوچۂ شہرت، زعمِ بقا، حرفِ دعا، اہلِ قلم، حرفِ تعزیت، شاخِ وعدۂ فردا، خیمۂ ہوس، کارِ معجزانہ، عبرتِ ہستی، حصارِ دشت، طائرِ غم، سنگِ نفرت، زیرِ داماں، تیشۂ ہنر، تصویرِ دل آویز، زخمِ کہن، پابندِ رسن، جذبۂ ایثار، عہدِ نشاط،

قندیلِ محبت، درسِ ادق، کتابِ وعدۂ فردا، کمندِ حرف، تہہِ دام، اعتبارِ دیدۂ بے خواب، قریۂ شباب، شاخِ ہنر، صنعتِ افواہ، سیلِ بلا، رونقِ شہرِ نگاراں، غریبِ شہر، صحرائے بے اماں، قریۂ نشاط، دیدۂ بے خواب، میزانِ فکر، ہجومِ غم، مرکزِ نگاہ، منزلِ گم گشتہ، طائرِ چالاک، مشعلِ امکاں، چہرۂ زیبا، رنگینیٔ حسنِ بتاں، رسمِ قیامِ جاوداں، اربابِ فن، پسِ چلمن، طفلِ بے زباں، نغمۂ نشاط، فریبِ دشتِ تمنا، نذرِ حوادث، صاحبانِ فکر و نظر، مذاقِ نظر، خیمۂ اُمید، سرِ بساطِ نظر، جشنِ نامرادی، گردِ کدورت، شاخِ لب، قندیلِ آرزو، قتلِ شہیدانِ باوفا، پارۂ ابرِ رواں، ریزۂ اخلاص، شہرِ نگاراں، دستِ حنائی، توقیرِ آدمی، جولانیٔ تخلیق، نعمتِ اخلاص، اندیشۂ جاں، عذابِ جبر، صحرائے بے اماں، ذہنِ رسا، طاقِ خیالِ عمل، میزانِ عدل، عذابِ مرگِ مسلسل، ماہِ منیر، جدارِ شب، ہوائے درد، تیشۂ درد، نقشِ عبرت، زکاتِ حرف، اقامتِ حسنِ عمل، شامِ ابد، فرازِ دار، پارۂ برف، سرِ راہِ گماں، ریگِ رواں، برقِ تپاں، بساطِ گل، چراغِ فکر و نظر، رزقِ ہوا، رہِ مصلحت، چشمِ تصور، اظہارِ مدعا، حالِ دلِ دوستاں، شامِ فراقِ یار، تعبیرِ وفا، کارِ بے ثمر، آئینۂ نظر، لمحۂ نادیدہ، زکاتِ حرف، حلقۂ غبار، شہرِ بدن، سرفرازیٔ قسمت، پرچمِ وحشت، درِ گفتگو، شکارِ گردشِ لیل و نہار، وقارِ اہلِ نظر، طنابِ خیمۂ دل، شاخِ امن، دلِ حزیں، شاخِ مروّت، زینۂ دل، حفظِ مراتب، سقوطِ خطۂ مشرق، ہجومِ رہرواں، نگاہِ شوق، چشمۂ بے آب، رنگِ شفق، بلبلِ بے تاب، برگِ زرد، آہِ سرد، نقشِ صرصر، صورتِ نقشِ کفِ پا، قتیلِ جور و جفا، خیمۂ بدن، وادیٔ عرفاں، عطائے شعورِ ذات، شوقِ خود آرائی، جراحتِ دل، انیسِ جاں، زینۂ ایثار، گردنِ زردار، محرابِ مصلحت، فصیلِ جبر، فریبِ عشرتِ پیہم، نشاطِ سوزِ دروں، نزولِ نکہتِ خوابیدہ، عطائے موجۂ خوش رنگ، مثالِ شعلۂ شب تاب، حقوقِ زندگی، دیوارِ غم، بزمِ عیش، خواہشِ مرگِ تمنا، قریۂ گمنام، شمعِ یقیں، لغتِ زیست وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے درج بالا منتخب تراکیب و مرکبات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ

اخذ کر لیا ہوگا کہ پروفیسر حسن عسکری کاظمی شعری ذوق بھی رکھتے ہیں اور لفظ شناسی کے ساتھ ساتھ لفظ سازی میں بھی انہیں بے پناہ مہارت حاصل ہے۔

حسن عسکری کاظمی نے نادر موضوعات کے ساتھ ساتھ اپنے اسلوب کو بھی ہمہ جہت بنانے کی کاوش کی ہے۔ شاعری میں صنائع بدائع کا برمحل استعمال انتہائی دشوار قرار دیا جاتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے علمِ بیان و علمِ بدیع کے ارکین کو اتنی مہارت اور سلیقے سے استعمال کیا ہے کہ اس کی داد دینا پڑتی ہے۔ آپ ان کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے کس طرح صنعتِ تضاد، صنعتِ تلمیح، صنعت لف ونشر، صنعت مراعاۃ النظیر وغیرہ کو سلیقے سے استعمال کیا ہے اور اسی طرح تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ حسن عسکری کاظمی نے کسی بھی صنعت کو زبردستی اپنے شعر میں کھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ تمام شعری محاسن شعر میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

مجھے تو آج تک وہ پھول سا چہرہ نہیں بھولا
کھلا دیکھا جو ٹہنی پر گلِ تر بھول جاتا ہوں
(تشبیہ)

تھی نظر صیاد کی نکلیں نہ پر اک دن کہیں
طائرِ بے پر کو زیرِ دام بھی کرنا پڑا
(صنعتِ مراعاۃ النظیر)

مثالِ خضر مرا کردار ہو گا
یہ آویزش رہی گر خیر و شر میں
(صنعتِ تضاد۔ صنعتِ تلمیح)

فراقِ یار میں دو لخت ہو گیا جیسے
بہت مزا ہے کہ اب ہجر میں وصال بھی ہے
(صنعتِ تضاد)

تیشۂ درد رہا شیریں بیانی نہ رہی
عہدِ فرہاد ہے موجود جوانی نہ رہی
(صنعتِ تلمیح)

وقتِ سحر جو اس سے ملاقات ہو گئی — دشتِ وفا میں گونجی اذانِ بلالؓ بھی
(صنعتِ تلمیح)

ہر احتیاط دل کو جلاتی ہے صبح و شام — ہر شب شمار ہوتا ہے تاروں کا ان دنوں
(صنعتِ تضاد)

پہاڑ کاٹنا فرہاد کی روایت ہے — سخن کے تیشے سے یہ سنگِ رہ کٹا تو سہی
(صنعتِ تلمیح)

بت بنی بیٹھی ہے طاقِ مصلحت میں زندگی — اس صنم خانے میں لیکن تیشۂ آزر وہی
(صنعتِ تلمیح)

آرام کی طلب میں ہیں مجنوں بنے ہوئے — فرہاد کی طرح نہ گزاری برا کیا
(صنعتِ تلمیح)

پتھر تراشنا ہے تو اک عمر چاہیے — پیدا کہاں ہے اب کوئی آزر ابھی نہ جا
(صنعتِ تلمیح)

قامت نیزہ پہ جائے گا بریدہ سر مرا — دل میں ہے ماتم بپا شاہِ زمن کی یاد میں
(صنعتِ تلمیح)

غضب ہے کوفے میں پھر پیروزیاد آئے — کہیں سے اب تو کوئی فتویٔ جہاد آئے
(صنعتِ تلمیح)

کوئی رانجھا نہ اندھیروں میں یہاں بھٹکے گا — عشق سچا ہے تو اب ہیر اسی کی ہو گی
(صنعتِ تلمیح)

حسن عسکری کاظمی کی تمام عمر پنجاب میں بسر ہوئی، اس کے باوجود انہیں روزمرہ اور محاورہ پر عبور حاصل ہے۔ آپ ان کے درج ذیل اشعار دیکھیے کہ انہوں نے کتنی مہارت کے ساتھ محاورات کو اپنے اشعار میں سجایا ہے۔

گل کر کے چراغوں کو کہا رات ہے بھاری — اس دشتِ بلا سے جو نکل جائے تو اچھا

جڑ سے نکالنا ہے کدورت کو بے دریغ　　　یہ فرض ہے جو ہم کو نبھانا ہے ایک دن

....

صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا اک دن آدمی　　　آدمی لیکن خدا کی آخری تحریر ہے

....

وہ مجھے بزم طرب میں تو حسنؔ لے آئے　　　پی گیا خونِ جگر، دیکھ کے میں جام و سبو

....

زندہ ہیں اُن کے وعدۂ فردا پہ دوستو　　　آیا مگر نہ شیشے میں ہلکا سا بال بھی

....

تو نہ مانے گا ترا دل تو گواہی دے گا　　　ہم نے کب خار تری راہ میں بوئے جاناں

....

چھانیں گے خاک اس کی گلی کی نہ ہم اگر　　　ہو گا نہ اس طرح کبھی دیدار کیا کریں

....

چپ کے لباس میں اسے عریانیاں ملیں　　　آخر وہ کٹ کے مر ہی گیا اپنی آن پر

....

ہماری برق رفتاری نہ لے ڈوبے کہیں ہم کو　　　اندھیرا چار سُو ہے گھر میں اب غم کا اُجالا ہے

....

فرصت کسے کہ حالِ دلِ دوستاں سُنے　　　تکیہ تھا جس پہ وہ بھی نہ آئے گا خواب میں
کلیجہ پھٹ گیا ٹکڑوں میں دیکھ کر خود کو　　　ہوئی نہ ختم حسنؔ دشمنی زمانے کی

....

پہاڑ سر پہ مصائب کے ٹوٹتے دیکھے　　　بڑھا کچھ اور مگر ذوقِ محفل آرائی

....

یاد آیا وقت اُڑنے لگا تھا لگا کے پر　　　یعنی گزشتہ سال میں اکثر یہی ہوا

حسن عسکری کاظمی نے مختلف بحور میں غزلیں کہی ہیں۔ انہوں نے اساتذہ اور ہم عصر شعرا کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں اور خود بھی نئی زمینیں وضع کی ہیں۔ انہوں

نے اپنی غزلوں میں خوبصورت قافیوں اور تازہ ردیفوں کے استعمال سے اپنی صناعانہ صلاحیتوں اور قادرالکلامی کا لوہا منوایا ہے۔ آپ ان کی مختلف غزلوں کے درج ذیل مطالع ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ انہوں نے مختلف بحور، قافیوں اور ردیفوں کی آمیزش سے اپنی غزل کو کس طرح نیا لب ولہجہ عطا کرنے کی مشکور سعی کی ہے۔

کوئی ہشیار سرِ بزم نہ غافل باقی　　زلفِ شب رنگ ہے باقی نہ وہ قاتل باقی

....

خواہشِ مرگِ تمنا دلِ بیمار کے بیچ　　راحتِ وصل کہاں ہجر کے آزار کے بیچ

....

رکھتا اگر وہ زینۂ ایثار پہ قدم　　رہتا نہ اس کا نقطۂ پرکار پہ قدم

....

عجب ہے کیا جو رہے دوش پر نہ سر باقی　　ستم شعار کا لیکن رہا نہ ڈر باقی

....

بسر ہوئی نہ مری شامِ غم کسی صورت　　ہوئی نہ درد کی شدت بھی کم کسی صورت

....

کتنا اُداس ہے یہ بھرا گھر، ابھی نہ جا　　راہِ سفر ہے سخت، سفر پر ابھی نہ جا

....

چشمِ گریاں سے جو دریا نہ تھما تیرے بعد　　ہو گئی ہم سے خوشی جیسے خفا تیرے بعد

....

بے قراری تھی عجب غنچہ دہن کی یاد میں　　آہ بھی منہ سے نہ نکلی کم سخن کی یاد میں

....

تھی جو کاغذ پہ بے اثر تحریر　　ہو گئی چھپ کے معتبر تحریر

....

دیارِ غیر میں جا کر اُداس مت ہونا　　تم اپنی ناؤ جلا کر اُداس مت ہونا

....

ہم نے کب دُکھ درد بٹائے اوروں کے
یاروں نے کب ساتھ نبھائے اوروں کے

....

میں حرفِ حق لکھوں گا جو بیداد ہو تو ہو
دستِ ستم سے گھر مرا برباد ہو تو ہو

....

بستی ہے عجب دل کی جو ویران ہے اب تک
آئینہ بھی اس بات پہ حیران ہے اب تک

....

ہر غم سے مل گئی ہے فراغت کچھ ان دنوں
حاصل ہے مجھ کو ایسی بھی فرصت کچھ ان دنوں

....

رہِ خیال میں وہ گلبدن ملا تو سہی
حصارِ خواب میں وہ کم سخن ملا تو سہی

....

رہیں مدام جو رشن وہ آفتاب آنکھیں
کہاں سے لائیں مگر دیکھنے کی تاب آنکھیں

....

دریا کی روانی جو بدل جائے تو اچھا
نفرت کی زمیں کو وہ نگل جائے تو اچھا

....

بدل رہی ہے فضائے چمن مگر کم کم
کھلے ہیں پھر سے گل و یاسمن مگر کم کم

....

وہ آئینہ مثال ہے خوش ذات سامنے
اوصاف ہیں نظر میں تو عادات سامنے
اہلِ قلم کو زر کا طلب گار دیکھ کر
جی مضمحل ہے وقت کی رفتار دیکھ کر

....

دل بھر چکا ہے عشق سے یادوں کا ان دنوں
مت پوچھ حال رزق کے ماروں کا ان دنوں

....

بجھنے کو ہے چراغِ محبت سنا یہ ہے
دل میں بھڑک رہی ہے آج بھی نفرت سنا یہ ہے

....

لفظوں کے جل ترنگ بجانے لگا قلم
دریا فصاحتوں کے بہانے لگا قلم

....

مژگاں پہ آنسوؤں کی سپر کو عزیز جان وقتِ دعا ہے آہ سحر کو عزیز جان

....

حاصلِ زیست ہوا فصلِ خزاں کا نوحہ ورقِ دل پہ لکھوں کشتِ زیاں کا نوحہ

....

پھرتا رہا میں سر پہ اٹھائے جو گھر تمام طے کر سکا نہ راہِ طلب بے خطر تمام

....

آدمی ذی حشم آدمی محترم

....

ہر دعا میری ہوئی ہے بے اثر اتنا بھی کیا سیکھ لیتا مانگنے کا میں ہنر اتنا بھی کیا

....

ایسا نہ ہو وہ عزمِ سفر مجھ سے چھین لے جو مشتِ خاک میں ہے شرر مجھ سے چھین لے

....

اس سے یاری بھی تھی، غم گساری بھی تھی، بے قراری بھی تھی، جانِ جاں تھا کبھی
جانے کیا ہو گیا وہ دیا سا بجھا آفتوں میں گھرا آسماں تھا کبھی

آپ نے حسن عسکری کاظمی کی غزلوں کے موضوعات و اسالیب کے مطالعے کے بعد یقیناً یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہوگا کہ اکیسویں صدی میں غزل کی روایت کو مستحکم کرنے اور اسے اپنے خونِ جگر سے آگے بڑھانے والوں میں حسن عسکری کاظمی کا نام انتہائی اہم، معتبر اور قابلِ توجہ ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی کی غزلیں اپنے موضوعات کے ساتھ ساتھ اسالیبِ بیان اور شعری محاسن کی بدولت قارئین کے دلوں کو متاثر کرتی رہیں گی اور ان کا یہ کہنا سچ ثابت ہو جائے گا کہ

خوشبو غزل کی میں نے بکھیری تمام عمر
کارِ ہنر مرا تھا جو بے کار کب ہوا

◆◆◆

تیسرا دریچہ

حسن عسکری کاظمی کی ہمہ جہت نظمیں

••

مرزا اسد اللہ خاں غالب نے غزل کے راستے کو تنگ قرار دے کر ایک جانب تو اپنے افکار و نظریات کی گہرائی و گیرائی کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی اور دوسری جانب غزل کے تنگ ظرف ہونے کا احساس دلایا۔ بیسویں صدی میں عبدالحلیم شرر نے معریٰ نظم، علامہ اقبال نے مسلسل غزل اور ن۔م۔ راشد نے آزاد نظم تخلیق کر کے شعری تخلیق کاروں کے اظہار بیان میں وسعت پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی۔ ترقی پسند تحریک کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی شاعری میں بلند آہنگی کو عروج حاصل ہوا اور خاص طور پر نظم نگاری کے میدان میں جوش و خروش اور ولولہ انگیزی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اگر عمیق نگاہی سے دیکھا جائے تو اس پورے زمانے میں نظم کو غزل پر تفوق حاصل دکھائی دے گا۔ جوش، فیض اور امجد نے اُردو نظم کو نئے ذائقوں سے آشنا کیا اور اسے اسلوب اور مضامین کے اعتبار سے اتنی وسعت عطا کی

کہ آج اُردو نظم عالمی شاعری میں اپنی حیثیت منوا چکی ہے۔ اُردو نظم کو معتبر بنانے والوں میں ایک اہم شاعر حسن عسکری کاظمی بھی ہیں جن کی سینکڑوں منظومات، مختلف علمی و ادبی رسائل میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ان کی نظموں کا مجموعہ ''لہو بولتا ہے'' اربابِ فکر و دانش سے دادو تحسین حاصل کر رہا ہے۔

حسن عسکری کاظمی نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم نگاری کی طرف بھی بھرپور توجہ دی ہے۔ ان کے چاروں مجموعوں ''خیمۂ خیال''، ''ریزۂ خواب''، ''مقصودِ کائنات'' اور ''سرورِ کائنات'' میں نظمیں بھی موجود ہیں جو ان کی شعری صناعانہ صلاحیتوں کی مظہر ہیں۔ اُن کی نظموں کا مجموعہ ''لہو بولتا ہے'' حال ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

''**خیمۂ خیال**'' میں درج ذیل نظمیں شامل ہیں:

۱۔ حرفِ تمنا
۲۔ فیصلہ
۳۔ دشتِ بے خواب
۴۔ جواں مرگ مصورہ کی موت پر
۵۔ انتظار
۶۔ اسی شخص کو اب پکارو
۷۔ اُجالوں کا سفیر
۸۔ صبحِ احتساب
۹۔ آدمی
۱۰۔ حضرت جوش ملیح آبادی
۱۱۔ نہتا
۱۲۔ حرفِ دُعا
۱۳۔ عید کے دن
۱۴۔ وہ ہفت کشور کا آئینہ ہے
۱۵۔ یہی وہ رُت ہے

''**ریزۂ خواب**'' میں درج ذیل نظمیں شامل ہیں:

۱۔ اکیلے جی کے رہنا ہے
۲۔ منظر نامہ
۳۔ ایک اور منظر نامہ
۴۔ اعتراف
۵۔ امریتا پریتم
۶۔ بابا گرونانک

۷۔ تشہیر
۸۔ یومِ غالب
۹۔ اُداس لمحوں کے غم کدے میں
۱۰۔ پرچم
۱۱۔ خلش
۱۲۔ اسیرِ زُلفِ سخن
۱۳۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا
۱۴۔ نغمۂ سحر
۱۵۔ حرفِ گریہ
۱۶۔ جہانِ آرزو
۱۷۔ حرفِ عقیدت

''**مقصودِ کائنات**''میں درج ذیل نظمیں شامل ہیں:

۱۔ علی کے نور سے روشن فضائے قلب ونظر
۲۔ کربلا
۳۔ نقیبِ امن وشرافت
۴۔ جس کے دم سے عالمِ انسانیت ہے سرخرو
۵۔ معیارِ وفا
۶۔ تیری مظلومی سے پیدا معنیِ ذبحِ عظیم
۷۔ سقائے حرم
۸۔ طلوعِ صبحِ الم

''**سرورِ کائنات**''میں درج ذیل نظمیں شامل ہیں:

۱۔ سورج کی چھب
۲۔ ملا نہ حرف کوئی لائقِ ثنائے رسولؐ
۳۔ حرفِ دعا کام آگیا
۴۔ سراپا خیرِ عمل
۵۔ فریاد بحضور آقائے نامدارؐ

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی نظموں کا اولین مجموعہ''**لہو بولتا ہے**''کے نام سے رضا سنز پرنٹرز لاہور نے مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع کیا ہے۔ ایک سو بانوے صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں مجموعی طور پر چھیاسی اردو اور ایک پنجابی نظم شامل ہے۔ ابتدا میں''حرفِ اوّل''کے عنوان سے حسن عسکری کاظمی نے''قاری سے مکالمہ''کیا ہے اور چند فکر انگیز باتیں کی ہیں۔ اس کتاب کی تشکیل وتعمیر کے حوالے سے اس مکالمے سے

ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"

ملتِ اسلامیہ کی بیداری میں جہاں اور عوامل کارفرما رہے وہاں مغربی دنیا کی مخاصمت کا ہاتھ بھی ہے، خصوصاً برطانیہ، امریکا اور ان کے حلیف ملکوں نے مسلمان کی تذلیل اور تحقیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر یہ اسلام دشمن ممالک خائف ہونے کے سبب ہماری مخالفت پر کمربستہ رہے جس کے نتیجے میں اسلامی تشخص اُجاگر ہونے کے امکانات روشن ہو گئے۔ ''لہو بولتا ہے'' میں اسی تناظر کا لحاظ رکھتے ہوئے ان خیالات کو نظم کیا گیا ہے۔ یقیناً ہمارے قارئین اس مجموعۂ شاعری میں تمام رنگ و آہنگ سے نہ صرف محظوظ ہوں گے بلکہ فکر و نظر کی دنیا میں ان منظومات کے مطالعے سے ولولۂ تازہ پیدا ہوگا، ہماری نوزائیدہ نسل میں خوداعتمادی، مسائل کا شعور اور ان کا حل تلاش کرنے کا عزم پیدا ہو جائے تو محفوظ اور روشن مستقبل کی ضمانت فراہم کی جا سکتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آنے والی نسل کے چہرے پر سورج لکھا ہو گا اور وہ اس مملکتِ خداداد پاکستان کو خطۂ جنت نظیر بنا کر دم لے گی۔

"

(حسن عسکری کاظمی، لہو بولتا ہے، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳)

اس مجموعۂ کلام میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی تمام دستیاب نظموں کو یکجا کر دیا ہے۔ ان کی بیشتر منظومات جو دوسرے مجموعوں میں موجود تھیں اس مجموعے کی رونق کو دوبالا کر رہی ہیں۔ اس طرح ان کا یہ مجموعہ ''لہو بولتا ہے'' ان کی دستیاب نظموں کا مکمل مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

''**لہو بولتا ھے**'' میں درج ذیل نظمیں شامل ہیں:

۱۔ حرفِ تمنا

۲۔ چاند چہرہ (نذرِ قائداعظم)

۳۔ وہ ایک شخص

۴۔ اسی شخص کو اب پکاریں

۵۔ عہدِ نو کا مسیحا

۶۔ قامتِ کردار

۷۔ بابائے قوم

۸۔ محسنِ ملت

۹۔ حرفِ عقیدت (شاعرِ مشرق کیلئے)

۱۰۔ نواگر

۱۱۔ مادرِ ملت (محترمہ فاطمہ جناحؒ)

۱۲۔ قائدِ عوام

۱۳۔ دخترِ مشرق (شہیدِ جمہوریت)

۱۴۔ اے قوم کے دلاور

۱۵۔ فخرِ سادات

۱۶۔ جوشِ حمیت (لاہور میں مسلم سربراہوں کا اجلاس)

۱۷۔ عالمِ اسلام کی زبوں حالی

۱۸۔ صبحِ احتساب

۱۹۔ جاری ہے سفر اپنا

۲۰۔ تقدیسِ شہادت

۲۱۔ جنتِ ارضی (ترانۂ کشمیر)

۲۲۔ روشنی کا سفر

۲۳۔ ارضِ وطن

۲۴۔ نغمۂ سحر

۲۵۔ ستاروں پر کمند (ترانہ)

۲۶۔ ملی ترانہ

۲۷۔ حرف ریزے

۲۸۔ ساقی نامہ

۲۹۔ روشنی کے کنول (ملی ترانہ)

۳۰۔ مرا وطن ہے جاوداں

۳۱۔ چاند ستارے جگنو (ترانہ)

۳۲۔ جان بھی تجھ پر فدا (پاکستانی ترانہ)

۳۳۔ پرچم

۳۴۔ عزمِ شہادت

۳۵۔ گمنام سپاہی

۳۶۔ مادرِ ملت کا شیدائی

۳۷۔ نوگرانِ وطن

۳۸۔ بابائے حکمت

۳۹ دہقانوں کا گیت (کورس)

۴۰۔ عہدِ جدید کے دہقانوں کا گیت (کورس)

۴۱۔ قلم قبیلہ

۴۲۔ رنگِ التجا (اربابِ تعمیر سے خطاب)

۸۵۔ قائد کا جہانِ آرزو
۸۶۔ رہبرِ کامل
۸۷۔ ملی نغمہ (پنجابی)

حسن عسکری کاظمی کی نظموں کو درج ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(ا) شخصی نظمیں

۱۔ حضرت جوش ملیح آبادی
۲۔ امرتا پریتم
۳۔ بابا گرونانک
۴۔ یومِ غالب
۵۔ اسیرِ زلفِ سخن (سیف زلفی)
۶۔ جواں مرگ مصورہ کی موت پر (ناہید)
۷۔ فیض احمد فیض (شاعرِ امروز)
۸۔ ناصر کاظمی (شیدائے غزل)
۹۔ جعفر طاہر (وہ ہفت کشور کا آئینہ ہے)
۱۰۔ ڈاکٹر صفدر حسین (فخرِ وطن)
۱۱۔ شاعرِ حسینیت (حرفِ عقیدت)
۱۲۔ وحید الحسن ہاشمی (وحیدِ عصر)
۱۳۔ سید ضمیر جعفری (مزاح نگار)
۱۴۔ حبیب جالب (بے باک عوامی شاعر)
۱۵۔ پروین شاکر (خوشبو کی شاعرہ)
۱۶۔ حسن رضوی (سفیرِ ادب)
۱۷۔ فخرِ سادات (سید فقیر حسین حسی)
۱۸۔ بابائے حکمت (حکیم محمد سعید)
۱۹۔ دلیپ کمار
۲۰۔ شہادت کا سفر (تجمل عباس)
۲۱۔ مادرِ ملت کا شیدائی (سید کاظم علی شاہ)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی فنونِ لطیفہ سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں اور بطورِ خاص انہیں تخلیق کاروں سے بے حد محبت ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تلوار، قلم اور برش سے متعلق افراد بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور اگر ان کی درست سمت نمائی کر دی جائے تو یہ ملک و قوم کے لیے انتہائی مفید ثابت

ہو سکتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی ''قلم قبیلہ'' کی مدح سرائی کرتے ہوئے احساس دلاتے ہیں کہ اہلِ قلم اسرارِ حیات فاش کر دیتے ہیں اور وہ ملک میں امن و سلامتی پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ آپ ان کی نظم ''قلم قبیلہ'' ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ وہ قلم سے متعلق افراد کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

حصارِ حرف سے باہر ہے کہکشاں کی طرح
وہ سرزمینِ سخن پر ہے آسماں کی طرح

فضائے درد بھی راس آ گئی اسے یوں بھی
کھلا ہوا ہے ہواؤں میں بادباں کی طرح

وہ عہدِ جبر کے سینے میں تیر بن کے رہا
جھکا نہ غیر کے آگے کبھی کماں کی طرح

ہوئے ہیں فاش جو اسرارِ زندگی اس پر
اسی کا لفظ ہے اک گونجتی اذاں کی طرح

وہ روحِ حلقۂ امن و سلامتی ہے کہ اب
اسی کا نام زباں پر ہے داستاں کی طرح

اسے تو کوئی بھی کھٹکا نہ تھا مگر پھر بھی
تمام رات نہ سویا وہ پاسباں کی طرح

قلم قبیلے کی پہچان منفرد ٹھہری
غزل بھی اس نے سنائی ہے نوحہ خواں کی طرح

یہی خلاصۂ کردار ہے حسنؔ اس کا
ہوا وہ سایہ فگن ہم پہ سائباں کی طرح

حسن عسکری کاظمی نے شخصی منظومات میں علوم وفنون اور تہذیب وتمدن سے متعلق افراد کو موضوعِ سخن بنایا ہے اور انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنی شخصیت اور فن کا تعارف بھی ایک نظم بعنوان ''درویش کی صدا'' میں کرایا ہے اور خود کو وفا کی راہ میں روشن چراغ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

دیارِ شوق میں درویش کی صدا ہوں میں
رہِ طلب میں مگر پھر بھی بے نوا ہوں میں

میں شاخِ حرف پہ چہکا ہوں لمحہ بھر کیلئے
مگر خموش بھی خلوت میں کب رہا ہوں میں

مجھے تو آتشِ غم نے جلا کے خاک کیا
مثالِ شعلۂ شب تاب ہی جلا ہوں میں

ملے گی مجھ کو بھلا کیسے ابتدا کی خبر
ابھی تو خود کو بھی حیرت سے دیکھتا ہوں میں

وہی تو نقش ہوں جو موسموں کی زد پہ رہا
مگر یہ دُکھ ہے کہ خالق سے بھی جدا ہوں میں

کوئی بھی وصف دکھائی نہ دے مگر پھر بھی
وفا کی راہ میں جلتا ہوا دیا ہوں میں

یہی ہے میرا تعارف حسنؔ جو سچ پوچھو
گدائے کوچۂ محبوبؑ کبریا ہوں میں

حسن عسکری کی یہ تمام شخصی نظمیں محض روایتی توصیفی نظمیں ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں عصرِ حاضر کے تخلیق کاروں کے لیے ایک متحرک پیغام بھی پوشیدہ ہے۔ ''یوم غالب'' کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں حسن عسکری نے افسردہ لمحوں کو گواہ بنا کر پیغام دیا ہے کہ وہ ایک عرصہ سے اُداس ہیں اور اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں بھی وہ یومِ غالب منانے کے لیے تیار ہیں۔ آپ اس نظم کی چند سطور ملاحظہ فرمایئے:

''ہر ایک لمحہ گریز پا ہے، ہر ایک لمحہ رکا ہوا ہے
ہر ایک لمحے کی جاں کنی میں کہ جیسے وقفہ ہے سو برس کا
قضا کے پاؤں کی آہٹوں سے ہر ایک لمحہ لرز اٹھا ہے
یہ کشمکش ہے مرا مقدر، میں اپنا دامن چھڑاؤں کیونکر
مگر یہ میرا ہی حوصلہ ہے کہ یوم غالب منا رہا ہوں
مرے تخیل کی جلسہ گاہیں
اگرچہ شیشوں کی کرچیوں سے اٹی پڑی ہیں
مگر غنیمت ہیں چند لمحے
ابھی ابھی تو رکا ہے طوفاں
میں زخمی دل کی شکستہ اینٹوں سے
نغمگی کا محل بنا کر
لہو میں ڈوبی ہوئی عقیدت کی انگلیوں کے کنول بنا کر

عظیم شاعر کی زندہ غزلوں کو اپنی یادوں کے
طاقچوں میں سجا رہا ہوں
میں اس کی عظمت کا معتقد ہوں
سر، اس کے آگے جھکا رہا ہوں
فسردہ لمحو گواہ رہنا، میں یومِ غالب منا رہا ہوں''

(نظم بعنوان 'یومِ غالب')

حسن عسکری کاظمی نے اپنی منظومات ''امرتا پریتم'' اور ''بابا گرونانک'' میں محبت، اخوت اور انسان دوستی کے آفاقی پیغام کو موضوع بنایا ہے اور اہلِ دنیا پر یہ حقیقت آشکار کی ہے کہ انسان دوستی کا جذبہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ بابا گرونانک کے حوالے سے ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے:

میری دھرتی پر بڑا احساں گرونانک کا ہے
پیار کا پھیلا ہوا داماں گرونانک کا ہے
ایک ہی خالق کی ہم مخلوق ہیں اس نے کہا
زندہ رہنے کا یہی ساماں گرونانک کا ہے

جوش ملیح آبادی اور سیف زلفی کے حوالے سے لکھی گئی نظمیں دو عہد ساز شاعروں کو خراجِ تحسین پیش کر رہی ہیں مگر ''جواں مرگ مصورہ کی موت پر'' لکھی گئی نظم حسن عسکری کاظمی کے جذباتی رویوں کی امین ہے۔ اس نظم کے ذریعہ انہوں نے تمام تخلیق کاروں کو ایک پیغام دیا ہے کہ تخلیق کار مرنے کے بعد ایک نئی صورت سے ہویدا ہوگا۔ اس نظم کا آخری بند ملاحظہ فرمائیے:

وہ اسی دھج سے گئی خاک نشینوں کی طرف
اور اسی دھج سے کفن اوڑھ کے سوئی ہو گی
کہ اسی خاک کی نسبت سے ملی ہے توقیر
وہ کسی شاخ پہ جھومے گی کلی کی صورت
لالہ و گل کی طرح ہو گی نمایاں اک دن
اُفقِ فن پہ طلوع ہو گی ستارے کی طرح
لمحۂ خواب میں خوشبو کا سفر ہے ناہید
مطلعِ غم پہ حسنِ رنگِ سحر ہے ناہید

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے فیض احمد فیض کے حوالے سے لکھی گئی نظم میں فیض کو آسمانِ سخن کا ماہِ منیر قرار دیا ہے اور اُن کی شاعری کو گلاب لفظوں کا پیرہن قرار دیا ہے۔ اُنہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ہم نے فیض کی وہ قدر و منزلت نہیں کی جس کے وہ حقیقتاً مستحق تھے۔ حسن عسکری کاظمی کفِ افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کہ

یہ کسک بھی کتنی عجیب ہے کہ نہ حق میں اس کے زباں کھلی
پسِ مرگ وصف بیاہ ہوئے، اے حیف ہم نے بھی کیا دیا

حسن عسکری کاظمی نے معروف شاعر اور منفرد مزاج کے غزل گو ناصر کاظمی کے حوالے سے لکھی گئی نظم میں انہیں ''شیدائے غزل'' قرار دیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ ناصر کاظمی ایک منفرد مزاج کے غزل گو ہیں اور انہوں نے اپنے عظیم تجربات سے ہماری شاعری کو مالا مال کیا ہے۔ بقول حسن عسکری کاظمی

غزل کا شیدا، غزل میں اپنی بصیرتوں کا ثبوت دے کر
رہِ وفا پہ چراغِ فکر و نظر جلا کر چلا گیا ہے

حسن عسکری کاظمی نے صاحبِ طرز شاعر جعفر طاہر کو ہفت کشور کا آئینہ قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جعفر طاہر شگفتہ لہجے کا شاعر ہے اور اس کی شاعری شعورِ ہستی میں چراغِ صداقت روشن کرتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے معروف محقق اور مرثیہ نگار ڈاکٹر صفدر حسین کی مدح سرائی کرتے ہوئے انہیں ''فخرِ وطن'' قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ڈاکٹر سید صفدر حسین قوتِ ایمانی سے سرفراز تھے اور اسی لیے مرثیہ پڑھتے ہوئے منبر سے براہِ راست ارم میں داخل ہو گئے۔ وہ مرثیہ خوانی کی تاریخ میں ایک روشن مینار کی صورت یاد رکھے جائیں گے۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے معروف غزل گو اور منفرد مرثیہ نگار حضرت قیصر بارہوی کی حیات میں ان کی مدح میں لکھی گئی نظم ''شاعرِ حسینیت'' میں انہیں اردو شاعری کا قیصر، بہاروں کا گلِ تر، عزم کا لشکر اور کشادہ سمندر قرار دیا ہے۔ اس نظم کا مطلع ملاحظہ فرمایئے۔

اس کی تخلیق میں ہر لفظ ہے گوہر کی طرح
جوہری اور کوئی ہو گا نہ قیصر کی طرح

معروف غزل گو، نقاد، مرثیہ نگار اور ادیب سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت اور فنی جہات کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم میں انہیں ''وحیدِ عصر'' قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے سید وحید الحسن ہاشمی نے میدانِ سخن میں ایک نئی راہگزر تراشی ہے اور عصرِ حاضر کے شعرا اس پر رواں دواں ہیں۔ وہ وحید الحسن ہاشمی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔

اسی نے حوصلہ بخشا قدم قدم پہ یہاں
کہ ہم رکاب سخنور بھی اس سفر میں رہے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے معروف طنزیہ و مزاحیہ شاعر سید ضمیر جعفری کی یاد میں لکھی گئی

نظم بعنوان ''مزاح نگار'' میں انہیں شب میں شعلہ قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ ہمارے لیے چراغ فکر ونظر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ ان کی ظرافت میں سنجیدگی موجزن ہوتی تھی اور وہ ہنسی ہنسی میں ہماری کوتاہیوں کو پیش کر دیتے تھے۔ وہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کی شاعری آج بھی ہمارے دلوں پر دستک دے رہی ہے۔ بقول حسن عسکری کاظمی ؎

کبھی نہ آئے گا محفل میں اب نظر لیکن
وہ دن بھی یاد ہیں محفل میں جب وہ آتا تھا

معروف مزاحمتی شاعر حبیب جالب کی یاد میں لکھی جانے والی نظم بعنوان ''بے باک عوامی شاعر'' میں حسن عسکری کاظمی نے انہیں ایک جرأت مند، بے باک، نڈر، باغی، حق گو اور صاحب بصیرت شاعر قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حبیب جالب نے عمر بھر کسی آمر کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم نہیں کیا اور اسی سبب سے آج ہر مزاج و مذاق کے تخلیق کاروں کے لبوں پر حبیب جالب کے قصے رقصاں ہیں۔ اس نظم کا صرف ایک شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

وہ سیر چشم جس کے تصرف میں کچھ نہ تھا
لیکن دل و نگاہ پہ قبضہ اسی کا ہے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے معروف اور صاحب طرز تخلیق کار پروین شاکر کو ''خوشبو کی شاعرہ'' قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ پروین شاکر کی رحلت سے شعر وسخن کی محفلیں اُداس ہو گئی ہیں ؎

خود کلامی ہے، نہ خوشبو ہے، نہ انکار کا رنگ
اب وہ آواز نہ لہجہ نہ وہ محفل باقی

معروف ادیب پرور و ادیب نواز ڈاکٹر حسن رضوی کے فراق میں لکھی جانے والی حسن

عسکری کاظمی کی نظم بعنوان ''حسن رضوی'' نوحہ محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے حسن رضوی کو ''سفیرِ ادب اور بانکا سجیلا شاعر'' قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حسن رضوی میں قوسِ قزح کے رنگ بھرے ہوئے تھے اور وہ شاخ پر کھلا ہوا گلاب کا پھول محسوس ہوتا تھا۔ اس کے رخصت ہو جانے سے قلب و نظر میں ایک اُداسی سی چھا گئی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا یہ شعر ان کی حزنیہ قلبی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔

چھیڑوں فراق یار کا قصہ تو رو پڑوں
دیکھوں تو روبرو ہے وہ چہرہ سجا ہوا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے معروف دینی شخصیت سید فقیر حسین شمسی کی یاد میں لکھی گئی نظم ''فخرِ سادات'' میں انہیں روشن ضمیر، بارگاہ سبطِ احمد کا ادنیٰ فقیر، عاشقِ شاہ نجف، خادمِ قنبرؓ، حق گو، نیک خصلت اور پاک باطن قرار دیا ہے اور ان کی رحلت کو ایک عظیم سانحہ قرار دیا ہے۔

اب کہاں وہ چہرۂ زیبا نظر کے سامنے
ایک ویرانی سی ویرانی ہے گھر کے سامنے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے معروف فنکار دلیپ کمار کی شخصیت پر لکھی نظم بعنوان ''یوسفِ تمثیل'' میں انہیں امن کا دیوتا، انسان کا شیدائی، گل رو، خوش خو اور پیار و محبت کا پرچارک قرار دیا ہے۔ اس نظم کا مطلع ملاحظہ فرمائیے۔

اپنی مٹھی میں وہ یوں پیار کی خوشبو لایا
جیسے معصوم سا بچہ کوئی جگنو لایا

نظم ''شہادت کا سفر'' میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے سید تجمل عباس شہید کی المناک شہادت پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ تجمل عباس علم و ادب کے پرستار اور شاعروں کے بے حد قدرداں تھے۔ وہ نظم و ضبط کے پیکر اور گدائے کوچۂ حیدرؓ

تھے۔ وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے والہانہ محبت کرتے تھے اور انہی کے نام پر انہوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ بقول شاعر۔

تجمل منفرد، مقبول افسر
شہیدِ راہ حق، اللہ اکبر
اگرچہ کیف غم طاری ہے اب تک
شہادت کا سفر جاری ہے اب تک

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم ''مادرِ ملت کا شیدائی'' میں معروف سیاسی رہنما اور اتحاد بین المسلمین کے علمبردار کاظم علی شاہ کی علمی، ادبی، سماجی، مذہبی اور سیاسی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سیّد کاظم علی شاہ ایک درویش منش انسان تھے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ وہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور انہیں اپنی عظیم رہنما خیال کرتے تھے۔

مادرِ ملّت سے تھی اس کو عقیدت سربسر
دل میں تھا آباد، ہر دم اس کی یادوں کا نگر

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی نظم ''بابائے حکمت'' معروف طبیب اور دانشور حکیم محمد سعید دہلوی کی خدمات کے اعتراف میں لکھی گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حکیم سعید نے اس دنیا میں آنے کے بعد اپنا مقصدِ حیات حاصل کر لیا ہے اور ان جیسی شخصیات کا دوبارہ ظہور میں آنا ممکن نہیں ہے۔

کہاں سے لائیں گے اب تجھ کو ڈھونڈ کر تیرے
عدم کے قافلے والوں کو جا لیا تو نے

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی کی یہ شخصی نظمیں ان کی ادب دوستی اور علمی بصیرت کی غماز ہیں۔

(ب) معاشرتی نظمیں

(۱) حرفِ تمنا	(۲) فیصلہ
(۳) صبحِ احتساب	(۴) آدمی
(۵) تنہا	(۶) حرفِ دعا
(۷) عید کے دن	(۸) منظر نامہ
(۹) ایک اور منظر نامہ	(۱۰) اعتراف
(۱۱) حرفِ گریہ	(۱۲) خلش
(۱۳) نغمۂ سحر	(۱۴) دہقانوں کا گیت
(۱۵) رنگِ التجا	(۱۶) بھونچال
(۱۷) حصار جبر	(۱۸) عہدِ جدید کے دہقانوں کا گیت

دانش مندوں کا کہنا ہے کہ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے وہاں کے منفی اور مثبت اثرات اس کی شخصیت اور فن پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی ایک حساس مگر درد مند دل رکھنے والے تخلیق کار ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ معاشرے کے حالات و واقعات کو چشمِ حقیقت سے دیکھتے ہیں اور ان کا حقیقت پسندانہ تجزیہ بھی کرتے ہیں۔ کسی بھی بنتے بگڑتے معاشرے میں زندگی گزارنا دشوار تر ہو جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں انسان کے لیے زندگی بسر کرنے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ تماشائی بن کر حالات و واقعات کو دیکھتا رہے اور لبوں پر قفل لگا لے۔ اپنی نظم ''فیصلہ'' میں حسن عسکری کاظمی نے اسی روّیے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ معاشرے کی بہتری کے لیے خاموش ہو جانا بھی دانش مندی کے زمرے میں آتا ہے۔ وہ اس سرکش معاشرے میں انسان کو ''تنہا'' سمجھتے ہیں۔ ''تنہا'' نامی نظم میں انہوں نے انسانوں کے معاشرے میں انسان کے تنہا ہو جانے کا المیہ بیان کیا ہے۔ انہوں نے ''عید کا دن'' اور ''منظر نامہ'' میں حالات کی ستم ظریفی بیان کی ہے۔ ان کی بیشتر نظموں میں حالات کی خرابی بیان کی گئی

ہے۔ دو مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ نظم ''حرفِ گریہ'' کا ایک بند دیکھیے:

وہ روزِ عید تھا یارو کہ صبحِ عاشورہ
اُفق پہ چھایا ہے اب تک غبارِ غم جیسے
مرے لبوں کا تبسم یہ کس نے چھین لیا
کہاں سے آ گیا تیشہ ہوا کے ہاتھوں میں
شجر شجر کے بدن پر ہیں ضربتوں کے نشاں
غم و خوشی کا توازن سمجھ نہ پایا مگر
مرا گمان ہے اب تک میں قتل گاہ میں ہوں
فقیہِ شہر کو چپ لگ گئی کہ اس کو بھی
مری طرح سے تحفظ کی بھیک مل نہ سکی
کہ خوں گرفتہ ہر ایک فرد ہے سرِ مقتل

(نظم بعنوان ''حرفِ گریہ'')

اسی طرح ان کی نظم ''منظر نامہ'' ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ حسن عسکری نے کس فکری سطح سے معاشرے کی عکاسی کی ہے۔

آدمی ہیں یا ہمارے خواب ہیں
درد و غم کا غازۂ بے نام چہروں پر ملے
اپنے مستقبل سے کتنے بے خبر
پتھروں کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے
منجمد، خاموش، برفیلی فضا
اب کہاں وہ چشمۂ آبِ بقا
روشنی کے رنگ سب پھیکے پڑے
جاگتے لمحوں کی رسوائی ہوئی

کون دے گا رات ڈھلنے کی خبر
ہر طرف ہے تیرگی پھیلی ہوئی
خوش گماں پھر بھی ہیں ہم
درد میں یا زندگی کے کرب میں
تشنگی بڑھتی رہی
آس کے پنچھی سرِ شاخِ نظر
سب ہوئے منقار زیرِ پَر یہاں
آدمی ہیں یا ہمارے خواب ہیں
درد و غم کا غازۂ بے نام چہروں پر ملے
اپنے مستقبل سے کتنے بے خبر
پتھروں کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے

(نظم بعنوان: "منظر نامہ")

حسن عسکری کاظمی حالات کی یورشوں سے سخت دل گرفتہ ہیں لیکن ان کے دل میں چراغِ اُمید روشن ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ہمت و جرأت کی راہ اختیار کی تو حالات کا رُخ پھیرا جا سکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حسن عسکری کاظمی ایک رجائی شاعر کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان کا واضح موقف یہ ہے کہ ہمیں دوسروں پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے خود اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ ان کی نظم "صبحِ احتساب" اس حقیقت کی عکاس ہے کہ جو افراد اپنا احتساب خود کر لیتے ہیں وہ کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظموں "نغمۂ سحر"، "حرفِ تمنا"، حرفِ دعا"، "ایک اور منظر نامہ"، "اعتراف" وغیرہ میں یہ احساس اُجاگر کیا گیا ہے کہ حالات بہتر ہونے کی اُمید ہے مگر اس کے لیے "اُجالوں کے سفیر" سے رغبت رکھنا ہوگی اور صدقِ دل کے ساتھ اللہ سے لو لگانا ہوگی۔ نظم "اُجالوں کا سفیر" کا ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

مژدۂ فصلِ بہاراں بھی عجب ہے جس میں
شوقِ آوارگی بڑھتا ہے قدم اٹھتے ہیں
دل وہ دیوانہ کہ صحراؤں کی وسعت چاہے
کس نے پہنائی مجھے آج وفا کی زنجیر
آج ہوں اپنے ہی زخموں کی مہک سے مسحور
میری گردن میں وہی طوقِ گراں ہے کہ جو تھا
پا بجولاں ہوں رہِ عشق میں اب بھی لیکن
لبِ اظہار پہ آتا ہے یہی حرفِ دعا
آبلہ پا ہوں مجھے راہ بھی پُر خار ملے
زندگی خواب سہی، دیدۂ بیدار ملے

(نظم بعنوان ''اُجالوں کا سفیر)

حسن عسکری حالات سے دل گرفتہ ضرور ہیں لیکن مایوس نہیں ہیں۔ وہ خراب حالات میں بھی اپنی قوم کو امید، ہمت اور رجائیت کا پیغام دیتے ہیں۔ آپ ان کی نظم ''حرفِ دعا'' ملاحظہ فرمایئے:

بتاؤ کہ ہم کس عدالت کا در کھٹکھٹائیں
ہمیں اب کسی پر بھروسہ نہیں ہے
کہ اب عدل و انصاف مانگے سے ملتا نہیں ہے
غضب ہے کہ ہم آتشِ تہمتِ بے سبب میں جلائے گئے ہیں
پرانی شکستوں کا بدلہ چکانے کا فتنہ اٹھایا گیا ہے
کہ پھر مرحب وقت خیبر پہ پرچم کشا ہے
مگر کس کے سینے میں دل ہے جو گم گشتہ اوراقِ تاریخ پڑھنے کی

خواہش کرے گا

کہ ہم خود بھی اپنی اکائی کو خانوں میں تقسیم کرنے پہ راضی ہوئے ہیں

ادھر غیر چاہے کہ ہم بے نشاں ہوں

تعصب کا آتش فشاں پھٹ پڑے اور لاوا کراں تا کراں پھیل جائے

اسی لحۂ جاں گسل میں

فقط ایک حرفِ دعا ہے زباں پر

کہ ہم زندگی چاہتے ہیں

کہ ہم بے زباں، بے اماں اب نہیں ہیں

ہمارا بھروسہ خدا پر رہے گا

وہی جسم و جاں کی حفاظت کرے گا!!

(نظم بعنوان 'حرفِ دعا)

(ج) رومانوی نظمیں

(۱) دشتِ بے خواب (۲) انتظار

(۳) اکیلے رہ کے جینا ہے (۴) تشہیر

(۵) اُداس لمحوں کے غم کدے میں (۶) خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا

حسن عسکری کاظمی کی بیشتر نظمیں حسن و عشق کے جذبات سے مالا مال ہیں۔ وہ ایک پاک باطن اور نیک سیرت عاشقِ صادق کی طرح محبت کرتے ہیں اور محبت کو ایک پاکیزہ ترین جذبہ سمجھتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر انسان اپنے محبوب کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ''دشتِ بے خواب'' کا عاشق محبوب کو تلاش کرتے کرتے اپنی ذات کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ حسن عسکری کا موقف یہ ہے کہ محبت میں ہر عاشق کو تنہائی کا

زہر پینا پڑتا ہے۔ وہ احساس دلاتے ہیں کہ محبت کی دنیا میں عاشق کو ''اکیلے رہ کے جینا ہے'' اور تمام عمر انتظار کی صعوبتیں برداشت کرنا ہیں۔ ان کی نظم ''انتظار'' ملاحظہ فرمایئے:

وہ نرم ریت پہ نقشِ کفِ خیال و نظر
کہ جس کو چشمِ فلک دیکھتی رہے برسوں
وہ خواب ناک جزیروں میں اس کی یاد کے پھول
کنارِ آبِ رواں کھل اُٹھے تصور میں

ادھورے خواب کی صورت وہ نیم وا آنچل
فضائے درد میں قوسِ قزح کے رنگ لیے
گئے دنوں کے اُفق پر سراب آنکھوں میں
مثالِ سرخیِ شامِ شفق اُتر آیا
وہ روز و شب وہ زمانہ وہ سرزمینِ وفا
کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں کہ ناتواں ٹھہرا
جو میری آنکھ کے پردے پہ ہے غبارِ سفر
(رُخِ بہار کا غازہ بھی جس سے شرمائے)
کہ جس کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا ہوں
ابھی تو دشتِ وفا میں فقط ہے خیمۂ غم
اُفق کے پار کہیں قافلہ رکا ہو گا
اب اس کو اذنِ سفر کون دینے آئے گا
مگر وہ قافلہ جانے کہاں سے گزرے گا
اسی خیال سے افسردگی رہی طاری

وہ صبح نو کہ جسے دیکھنے کی حسرت ہے
اُفق کے پار کہیں پا شکستہ ٹھہری ہے

(نظم بعنوان 'انتظار')

وہ احساس دلاتے ہیں کہ محبت میں رسوائیاں بھی ہیں اور بدنامیاں بھی۔ عاشق کو ہر قسم کے حالات کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔ خاص طور پر ہجر کے موسم میں صرف اور صرف حسین یادیں ہی عاشق کے لیے سرمایۂ حیات ثابت ہو سکتی ہیں۔ اُداس لمحوں کے غم کدے میں صرف اور صرف یادیں ہی روشنی دینے کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ آپ ان کی نظم ''خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا'' کا آخری بند ملاحظہ فرمایئے اور محبت کا المیہ دیکھیے:

خیر یہ ذکر ہی پارینہ ہوا ہے اب تو
خواب تھا قصۂ ماضی کہ فسانہ تھا کوئی
ہم تو معصوم سے بچوں کی طرح سادہ تھے
ہم سے وہ بھول ہوئی جس کا مداوا نہ ہوا
پردۂ شب میں نہ ہاتھ آئے ہمارے جگنو
آ کہ اک بار گلے مل کے بہائیں آنسو

(نظم بعنوان 'خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا')

حسن و عشق کا موضوع ہماری شاعری اور خصوصاً غزل کا محبوب ترین اور مقبول خاص و عام موضوع ہے تاہم نظم نگار شعرا نے اس موضوع کو اپنے افکار و نظریات کے ذریعہ بے پناہ وسعت عطا کی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نظموں میں حسن و عشق کے روایتی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ فکری موضوعات کو بھی اہمیت دی ہے۔ اگر آپ بنظر غائر دیکھیں تو ان کے عشقیہ موضوعات میں کشادہ سمندروں میں بہنے والے پانیوں کی روانیاں ہیں۔ ان کی نظموں کا عاشق ایک باوقار انسان ہے جو سطحی

روّیوں پر سمجھوتہ کرنے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہے۔ آپ ان کی نظم ''اُداس لمحوں کے غم کدے میں'' کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ وہ عشق کا کیا معیار قائم کر رہے ہیں:

دیارِ نکہت میں سانس لینے کی آگہی سے
شعورِ حسن کمال رکھنے کی آرزو میں
قدم بڑھانے کا مرحلہ تھا...... جو طے ہوا تھا
کہ تم سراپا غزل کی صورت حواس خمسہ کی روح پرور فضا میں اتریں
مگر وہ لمحہ گریز پا تھا کہ پھر جدائی کی جاں گدازی نے سر اٹھایا
اندھیرا چھایا
مگر وہ ماضی تھا حال یہ ہے
کہ میں وہی ہوں
وہی طبیعت وہی ہے میرا مزاج
اب تک
جہاں بھی اب ہو
یہ بات سن لو
میرے خیالوں کی سرزمیں پر
تمہاری یادوں کی روشنی ہے
جسے میں اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دوں گا
میں اپنے گیتوں کی نغمگی سے
اداس لمحوں کے غم کدے میں
سسکتی یادوں کو آنچ دوں گا

نئی سحر کا ابھرتا سورج
دمکتی الفت کا راز داں ہے
کہ جس کی روشن جبیں پہ میری
بلکتی آہوں کے گرم بوسے مچل رہے ہیں
مری تمنا کا نرم لہجہ
تمہارے دل میں اتر چکا ہے
تمہاری یادیں چمکتے جگنو کا روپ بھر کر
لرزتے ہونٹوں کی ٹہنیوں سے چمٹ گئی ہیں

(نظم بعنوان 'اُداس لمحوں کے غم کدے میں')

اُردو شاعری میں غالب اور فیض نے عشق و محبت کے سینکڑوں موضوعات پیش کیے ہیں لیکن عاشق کے وقار کو کم نہیں ہونے دیا۔ حسن عسکری کاظمی کی نظموں میں عاشق کے ہاں عاجزی تو ہے لیکن وقار و تمکنت کی کمی نظر نہیں آتی۔ آپ ان کی نظم 'اکیلے رہ کے جینا ہے' کا مطالعہ فرمالیجیے اور دیکھیے کہ ایک عاشق حسن عسکری کاظمی کی شاعری میں کس طرح کلام کرتا ہے۔

مجھے تم سے محبت ہے
مگر ایسی محبت
جس میں اب وہ گرم جوشی، بے قراری
اور تڑپ دل میں نہیں پھر بھی
مجھے تم سے محبت ہے
کہ میں نے تم کو چاہا تھا
تمہیں گھر لے کے آیا تھا

محبت رنگ لائی تھی

ہمارے پھول سے بچے
ہمارے گھر کی رونق ہیں
مگر وہ گرم جوشی بے قراری
اور تڑپ دل میں نہیں پھر بھی
مجھے تم سے محبت ہے
یہ سچائی زباں پر آ گئی آخر
کہ ہم اب مطمئن ہیں
اور اگر ایسا بھی ہو اک دن
جدا ہونے کا وقت آئے
تو دو آنسو بہا کر ہم
نصابِ زندگی بدلیں
ورق پر جو بھی لکھا ہو
اسے پڑھ کر نصیبِ دشمنان
بے نور آنکھوں سے
اسے مٹتے ہوئے دیکھیں
کہ انجامِ محبت یوں بھی ہوتا ہے
کسی اک نے خوشی سے
دوسرے کا غم بھی سہنا ہے
اکیلے رہ کے جینا ہے
یہ زہرِ غم بھی پینا ہے

(نظم بعنوان 'اکیلے رہ کے جینا ہے')

(د) وطنی نظمیں

(۱) پرچم
(۲) قائدؒ کا جہانِ آرزو
(۳) حرفِ عقیدت
(۴) حرفِ تمنا
(۵) فیصلہ
(۶) صبحِ احتساب
(۷) چاند چہرہ
(۸) اب اُسی شخص کو پکاریں
(۹) وہ ایک شخص
(۱۰) عہدِ نو کا مسیحا
(۱۱) قامتِ کردار
(۱۲) بابائے قوم
(۱۳) محسنِ ملت
(۱۴) حرفِ عقیدت
(۱۵) نواگر
(۱۶) مادرِ ملت
(۱۷) قائدِ عوام
(۱۸) دخترِ مشرق
(۱۹) شہرِ قائد کے لیے
(۲۰) دھرتی کی فریاد
(۲۱) جان بھی تجھ پر فدا
(۲۲) چاند، ستارے، جگنو
(۲۳) میرا وطن ہے جاوداں
(۲۴) روشنی کے کنول
(۲۵) ملی ترانہ
(۲۶) ستاروں پر کمند
(۲۷) نغمۂ سحر
(۲۸) ارضِ وطن
(۲۹) جنتِ ارضی
(۳۰) جوشِ حمیت
(۳۱) ملی نغمہ (پنجابی)
(۳۲) رنگِ التجا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی حبِّ وطن سے سرشار ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ وطن کی محبت میں کٹتا ہے اور ان کا قلم وطن دوستی کی خاطر الفاظ کے سمندر اچھالتا رہتا ہے۔ ان کی شاعری اور خصوصاً منظومات میں وطن سے محبت کے مختلف رنگ اور آہنگ

تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی بعض نظمیں تو کلیتاً وطن کے معاملات سے منسوب ہیں اور بعض نظموں میں جزوی طور پر وطن سے والہانہ محبت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے وطن پاکستان کو قائداعظم کی آرزوؤں کا جہان قرار دیتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ کاش اس خطۂ ارضی پر بہاروں کے خیمے نصب رہیں اور یہ وطن ہمیشہ روشن و تابناک رہے۔ آپ ان کی نظم ''احتساب'' کا آخری بند ملاحظہ فرمایئے:

سحر کہ جس کی تمنا ہے زندگی اپنی
اسی سحر کی رہے جستجو تو بات بنے
یہ سرزمیں کہ ہے قائدؒ کی آرزو کا جہاں
یہاں بہار کے خیمے ہمیشہ نصب رہیں
وہ خواب خواب اُجالا جو ہم نے دیکھا تھا
اسے بھی کاش ملے پیرہن حقیقت کا
کہ ہم ہیں اوّل و آخر اسی زمیں کے لئے

(نظم بعنوان 'احتساب')

حسن عسکری کاظمی وطن کی محبت کو ذاتی معاملہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ ہر فرد کو اس گلستان سے محبت کرنا چاہیے۔ وہ اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ ہم بسا اوقات ایسا فیصلہ کر لیتے ہیں جو حیرت انگیز ہوتا ہے۔ آپ ان کی نظم 'فیصلہ' ملاحظہ فرمایئے:

مرے خیالوں کی عندلیبیں
فغاں بہ لب ہیں
کہ ہم بھی صحنِ چمن میں آ کر
مچائیں دھومیں

گلوں کو اپنے گلے لگائیں
شکایتوں کو زباں پہ لائیں
مگر ہمارا یہ فیصلہ ہے
کہ ہم نے حفظِ چمن کی خاطر
دلِ حزیں میں یہ طے کیا ہے
لرزتے ہونٹوں کی ٹہنیوں پر نہ پھول مہکیں
مبادا پھولوں کی سرخ رنگت
دہکتے شعلوں کا روپ دھاریں

(نظم بعنوان 'فیصلہ')

حسن عسکری کاظمی وطن کی ہر چیز سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ انہیں وطن کی مٹی سے بھی پیار ہے اور وہ اس دیس کے پرچم سے بھی بے پناہ اُلفت رکھتے ہیں۔ آپ ان کی نظم 'پرچم' کے صرف تین بند ملاحظہ فرمایئے اور موصوف کی وطن دوستی کے زاویے دیکھیے:

پرچم جسے سلام کریں فارسانِ جنگ — جس کی تجلیات میں چشمِ فلک ہے دنگ
پرچم جو کامیابیِ پیکار کی اُمنگ. — جس کی ادا میں جرأتِ حق کے تمام رنگ
ہر رُخ سے زندگی میں اُجالا اسی کا ہے
زندہ عبارتوں میں حوالہ اسی کا ہے

پرچم جلالِ فوج، سپاہی کی آرزو — پرچم کی جنبشوں میں ہے تسخیر کاخ و کو
پرچم ہے حریّت کی ابد گیر آبرو — پرچم کو چومتی ہے مری چشمِ باوضو
نورِ نگاہ دیدۂ پرنم اسی میں ہے
عکسِ دُعائے قائدِ اعظمؒ اسی میں ہے

اے ارضِ پاک تجھ پہ ہیں یوں جان و دل نثار زخمِ وفا کے پھول ہیں آئینۂ بہار
قائم ہے یوں بھی تیرے شہیدوں کا اعتبار تاریخِ حریّت کو بنایا ہے لالہ زار

ان پر سلام ہو جو بڑے کام کر گئے
نادیدہ وسعتوں میں نئے رنگ بھر گئے

(نظم بعنوان 'پرچم')

حسن عسکری کاظمی پاکستان کے ساتھ ساتھ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ سے بھی بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہمیں اس خطۂ ارضی کو قائداعظم کے خیالوں اور خوابوں کی عملی تعبیر بنانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ آپ ان کی نظم 'قائد کا جہانِ آرزو' ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ حسن عسکری کاظمی ہمیں کیا پیغام دے رہے ہیں۔

چمن میں آج بھی خوشبو مثال ہے وہ پیام
جو حرف حرف صداقت ہے روشنی کی طرح
کہا تھا اس نے کہ ہم سرخرو ہوئے آخر
کہ ہم نے عہدِ غلامی کے داغ دھو ڈالے

وہ اک پیام کہ رزق ہوا نہ ہو جائے
سنو کہ شاخِ سماعت تو باثمر ہے ابھی
کہا تھا اس نے کہ اب خدمتِ وطن کیجیے
کسی کے چہرے پہ غازہ نہ ہو تعصب کا
کوئی نہ فخر کرے رنگ و نسل پر اپنے
کسی کو فتویٰ تکفیر کی نہ جرأت ہو

کوئی کسی کے عقیدے کی اب نہ بات کرے
عزیزو! ایک تقاضا ہے کام، کام اور کام

اسی پیام اسی وسعتِ نظر کی قسم
عدو کو ضد ہے کہ ٹکڑوں میں بانٹ دے ہم کو
ہمارا عزمِ تشخص کہ ہم مسلماں ہیں
ہماری زندہ اکائی نہ منقسم ہو گی

ہمارا دیس امانت ہے ان شہیدوں کی
لہو پہن کے جو نکلے کھلی فضاؤں میں

الٹ کے رکھ دیا ظلم و ستم کے دفتر کو
شبِ سیاہ کے لشکر سمندروں میں گرے
یہ پیارا دیس ہمارا ہم اس کے رکھوالے
کہ ہم ہیں اوّل و آخر اسی زمیں کیلئے

اسی زمیں کی فضا نے ہمیں اُجالا ہے
ہماری فکر و نظر کا یہی حوالہ ہے

سحر کہ جس کی تمنا ہے زندگی اپنی
اسی سحر کی رہے جستجو تو بات بنے
وہ خواب خواب اُجالا جو ہم نے دیکھا تھا
اُسے بھی کاش ملے پیرہن حقیقت کا

یہ سرزمیں کہ ہے قائدؒ کی آرزو کا جہاں
یہاں بہار کے خیمے ہمیشہ نصب رہیں

(نظم بعنوان 'قائد کا جہانِ آرزو)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی چند منظومات میں ان جلیل القدر سیاسی زعما اور عمائدینِ ملت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے جنہوں نے اپنا تن، من، دھن سب کچھ وطن پر قربان کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے بطورِ خاص قائداعظم محمد علی جناحؒ، علامہ محمد اقبالؒ، محترمہ فاطمہ جناح، ذوالفقار علی بھٹو اور محترمہ بینظیر بھٹو کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے حوالے سے لکھی جانے والی نظموں (چاند چہرہ، اب اسی شخص کو پکاریں، وہ ایک شخص، عہدِ نو کا مسیحا، قامتِ کردار، بابائے قوم، محسن ملت وغیرہ) میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے قائداعظم کو مسلمانانِ ہند کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر قائداعظم اس زمانے میں جرأت و ہمت اور حق و صداقت کا علم بلند نہ کرتے تو آج پاکستان کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ بابائے قوم، بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی جدوجہد کی بدولت ممکن ہو سکا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہم سب پاکستانیوں کو قائداعظم کی روح سے عہد کرنا چاہیے کہ۔

محسنِ ملت ترا احساں نہ بھولیں گے کبھی
قائد اعظم ترا فرماں نہ بھولیں گے کبھی

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی منظومات 'حرفِ عقیدت' اور 'نوا گر' میں احساس دلایا ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے افکار و نظریات کے ذریعہ شب رنگ فضاؤں میں اُجالے بکھیر دیے ہیں۔ انہوں نے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کیا اور ان کے دلوں میں حریتِ فکر کا چراغ روشن کیا۔ آپ حسن عسکری کاظمی کی نظم ''حرفِ عقیدت'' ملاحظہ فرمایئے اور ان کی اقبالؒ

سے والہانہ محبت کے مناظر دیکھیے :

جس نے شب رنگ فضاؤں کو اُجالے بخشے
جس نے اک صبحِ درخشاں کی بشارت دی ہے
جس کے اندازِ تکلم میں نہاں سوزِ یقیں
ہر رگِ حرف میں ہے جس کے رواں خونِ جگر
جس کا بیباک تخاطب ہے وہ نشتر جس نے
کھول کر رکھ دیا مغرب کی فطانت کا بھرم
جس کے لہجے میں ہے اعجازِ مسیحا مضمر
پردۂ سازشِ سرمایہ اٹھایا جس نے
اور افرنگ کی زردار قبا کے پُرزے
اسی پروردۂ مشرق کے مبارک ہاتھوں
برف کے ریشمی گالوں کی طرح اڑنے لگے
جلوۂ غرب کی مکروہ خباثت کا طلسم
راز کھل جانے پہ کچھ اور بھی لپکا لیکن
ملگجی دھند میں دم توڑتی ضو کی صورت
ٹوٹ کر گوشۂ گمنام میں جا بیٹھا ہے
اور مشرق کے اُفق زار سے پَو پھٹنے لگی

(نظم بعنوان 'حرفِ عقیدت)

....

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی نظم ''مادرِ ملت'' محترمہ فاطمہ جناح کی یاد میں زیب قرطاس کی گئی ہے۔ اس نظم میں انہوں نے فاطمہ جناحؒ کی بے مثال قیادت اور خدمات کا احاطہ

کیا ہے اور احساس دلایا ہے کہ۔

مادرِ ملت کے صدقے یہ بھی ساماں ہو گیا

حرفِ حق کہنا حسنؔ مشکل تھا آساں ہو گیا

حسن عسکری کاظمی نے پاکستانی سیاست کو ایک نیا رُخ عطا کرنے والے بے مثال رہنما ذوالفقار علی بھٹو کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے اپنی نظم 'قائدِ عوام' میں واضح کیا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے غریبوں اور مفلسوں کے ذہنوں میں نئی سوچ اور آنکھوں میں روشنی عطا کی۔ بھٹو کی وجہ سے غریب عوام میں زندہ رہنے کا عزم و حوصلہ پیدا ہوا ہے اور وہ ایک نئی اور خوشگوار صبح کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔

پاکستان کی سیاست کو ایک نیا موڑ عطا کرنے والی خاتون بے نظیر بھٹو کی المناک شہادت کو موضوع بنا کر پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم ''دخترِ مشرق'' تخلیق کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ بے نظیر بھٹو پیکرِ جمال، ستارہ جبیں، عوام کے دلوں میں مکیں، عزمِ مستقل کی علامت، غریبوں اور مفلسوں کے لیے نشانِ اُمید اور عصرِ حاضر میں جمہوریت کے لیے اپنی جان قربان کرنے والی بے مثال خاتون تھیں۔ وہ استحکامِ پاکستان کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو گئیں مگر ان کا لہو سرشاریٔ وطن اور بیداریٔ کائنات کا سبب بنا۔ بقول حسن عسکری کاظمی :

دشمن ہزار دست مگر مطمئن ضمیر

وہ دل کی مملکت میں محبت کی تھی سفیر

اس درجہ سے کوئی جانبِ مقتل نہیں گیا

عصرِ رواں میں دخترِ مشرق تھی بے نظیر

حسن عسکری کاظمی نے جہاں ایک طرف وطن کی سرزمین اور باغات کی مدح سرائی کی ہے اور اس کے ذرّات اور پھولوں سے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے وہاں انہوں نے اس

دیس کو برباد کرنے والے خود ساختہ رہبرانِ قوم پر طنز کے تیر بھی برسائے ہیں۔ انہوں نے قایدِ اعظم کے شہر کراچی کی زبوں حالی پر اظہار ملال کیا ہے۔ انہوں نے اپنے گیتوں اور ملی ترانوں کے ذریعہ پوری قوم کو یہ پیغام دیا ہے کہ ہمیں وطن کی تزئین و آرائش کے لیے اپنے لہو کا آخری قطرہ تک بہانے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ آپ حسن عسکری کاظمی کی نظم "عزمِ شہادت" ملاحظہ فرمایئے اور ان کے جرأت مندانہ اقدام کی داد دیجیے۔

ہم اپنے دل میں تمنا نئی بسائیں گے
لہو میں ڈوب کے جنت میں گھر بنائیں گے
خدا گواہ، کریں گے بلند نامِ خدا
بتوں کے پوجنے والوں کو ہم مٹائیں گے
اُلٹ کے دشمنِ ناپاک کی صفیں پیہم
ہم اپنے بازو کی قوت اسے دکھائیں گے
"رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل"
خدا کی راہ میں اپنا لہو بہائیں گے
وطن کی عزت و ناموس کی قسم ہم تو
ارادے غیر کے ہم خاک میں ملائیں گے
ہمارے مدِ مقابل ہیں بزدل و کم ظرف
بلند حوصلے اتنے کہاں سے لائیں گے
زباں پہ لافتیٰ الا علی ہو وقتِ وغا
غرورِ کفر کو قدموں پہ ہم جھکائیں گے
رہے گا پیشِ نظر اسوۂ حسینؑ اگر
ہزار زخم ہوں ہم پھر بھی مسکرائیں گے

خدا کے روبرو اس روز سرخرو ہونگے
ہم اپنے خون میں جس دن حسنؔ نہائیں گے

(نظم بعنوان'عزمِ شہادت)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی ان منظومات میں وطن سے والہانہ اور جذباتی محبت کے اظہار کی مختلف شکلیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ یہ منظومات ان کی وطن دوستی پر دلالت کرتی ہیں اوران کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ

اسی زمیں کی فضا نے ہمیں اُجالا ہے
ہماری فکرونظر کا یہی حوالہ ہے

(ر) دینی نظمیں

(۱) سورج کی چھب
(۲) ملا نہ حرف کوئی لائقِ ثنائے رسولؐ
(۳) حرفِ دعا کام آ گیا
(۴) سراپا خیرِ عمل
(۵) فریاد بحضور آقائے نامدارؐ
(۶) علیؑ کے نور سے روشن فضائے قلب ونظر
(۷) کربلا
(۸) جس کے دم سے عالمِ انسانیت ہے سرخرو
(۹) نقیب امن وشرافت
(۱۰) تیری مظلومی سے پیدا معنیٔ ذبحِ عظیم
(۱۱) معیارِ وفا
(۱۲) سقائے حرم
(۱۳) طلوعِ صبحِ الم
(۱۴) رہبر کامل

حضور اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعث تخلیق کائنات ہیں اور ان کی محبت تکمیلِ ایمان کی اولین شرط ہے۔ حسن عسکری کاظمی اپنے قلب میں حضور اکرمؐ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ ان کے نعتیہ مجموعے ''سرورِ کائنات'' میں حضورؐ کی مدح میں پانچ منظومات بھی شامل ہیں۔ ''سورج کی چھب'' میں انہوں نے احساس اُجاگر کیا ہے

کہ یثرب نگری دور ہونے کے باوجود وہ ہوا کے دوش پر وہاں پہنچنے کے متمنی ہیں۔ ''ملا نہ حرف کوئی لائق ثنائے رسولؐ'' نامی نظم میں حسن عسکری کاظمی نے احساس دلایا ہے کہ کسی بھی تخلیق کار کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کی شان کے مطابق اشعار تخلیق کر سکے۔ آپ درج ذیل اشعار میں ان کا عجز ملاحظہ فرمایئے:

یہ آرزو ہے کہ نعتِ نبیؐ کہوں میں بھی
لکھوں میں پلکوں سے مدحت کا حرف کاغذ پر
یہ ایک خواب کہ تعبیر آشنا ہو جائے
کہ مجھ سے آپ کی مدحت کا حق ادا ہو جائے
کہاں میں بندۂ خاکی کہاں حبیبؐ خدا
ملا نہ حرف کوئی لائق ثنائے رسولؐ

(نظم بہ عنوان 'ملا نہ حرف کوئی لائق ثنائے رسولؐ)

حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم ''حرفِ دعا کام آ گیا'' میں حضور اکرمؐ کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اُمت کی بخشش کے لیے کی۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اب حضورؐ ہی اُمت مسلمہ کی بخشش کا باعث ہیں اور ہم جیسے عاصیوں کو حضورؐ کی شفاعت ضرور نصیب ہو جائے گی۔ آپ اس نظم کے صرف تین اشعار ملاحظہ فرمایئے:

صلِ علیٰ یہ حرفِ دعا کام آ گیا
ورنہ کسی نبیؐ نے یہ مانگی نہیں دُعا
اک معجزہ ہے آپؐ کا کردار سر بسر
صد شکر ہے کہ آپؐ کی اُمت میں ہم ہوئے

کیا غم کہ مغفرت کا یقیں آ گیا ہمیں
کافی ہے عاصیوں کو شفاعت حضورؐ کی

(نظم بہ عنوان 'حرفِ دُعا کام آ گیا')

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم ''سراپا خیرِ عمل'' میں حضور اکرمؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ تو روزِ ازل ہی سے ہمارے دلوں میں بسے ہوئے ہیں اور ہم ان کے طرزِ عمل کو اپنا کر دنیا و آخرت میں آج بھی کامیاب و کامگار ہو سکتے ہیں۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی معرکتہ الآرا نظم ''فریاد بحضور آقائے نامدارؐ'' ہمارے قلوب و اذہان کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے حضورؐ سے استدعا کی ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ کو اس پر آشوب دور سے نکال کر شاہراہِ کامیابی پر ڈال دیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو صرف اور صرف حضورؐ زغۂ اعدا سے بچا سکتے ہیں ؎

بے دست و پا ہوئے ہیں بچا لیجیے حضورؐ
بڑھنے لگا ہے زغۂ اغیار کیا کریں

حقیقت یہ ہے کہ اس پر آشوب حالات سے صرف حضور اکرمؐ ہی نجات دلا سکتے ہیں۔

حسن عسکری کاظمی محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ آپ ان کے مناقب اور سلاموں کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ انہوں نے اہلبیتؑ عظام کے حضور میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ اسی طرح ان کی نظموں میں بھی اہلبیتؑ اور ان کے جانثاروں سے والہانہ محبت اور عقیدت کا اظہار نمایاں ہے۔ انہوں نے ایک طرف تو مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قلب و نظر کی کشادگی کا سبب قرار دیا ہے اور دوسری جانب کربلا کے شہیدوں کو نورِ ایمانی قرار دے کر باعثِ تسکینِ قلب و روح قرار دیا ہے۔ آپ ان کی نظم ''علیؑ کے نور سے روشن فضائے قلب و نظر'' کے صرف تین اشعار ملاحظہ فرمایئے:

علیؑ ہے آئینہ دارِ جمالِ مصطفویؐ
علیؑ کے نام سے ظاہر جلالِ مرتضویؑ
علیؑ بضاعتِ فقر و غنا امیرِ عرب
علیؑ وزیرِ نبوت علیؑ سفیرِ عرب
علیؑ جو خاک پہ سوئے تو بوتراب بنے
علیؑ جو چاہے تو ذرہ بھی آفتاب بنے

(نظم بعنوان 'علیؑ کے نور سے روشن فضائے قلب ونظر')

اسی طرح ان کی نظم 'کربلا' کے چار اشعار ملاحظہ فرمایئے:

کربلا خوابِ براہیمؑ کی زندہ تعبیر
کربلا باعثِ عرفانِ مقامِ شبیرؑ
کربلا حق کے تحفظ کا جلالی اظہار
کربلا بیعتِ فاسق کا صریحاً انکار
کربلا دین کی نصرت میں کٹاتا سر کا
کربلا عہدِ یزیدی میں لٹانا گھر کا
کم نظر مجھ سا، اگر مدح سرا ہے تیرا
مجھ پہ احسان بہت کرب و بلا ہے تیرا

(نظم بعنوان 'کربلا')

حسن عسکری کاظمی کی یوں تو ہر نظم اپنے اندر معنویت رکھتی ہے تاہم ان کی دو منظومات 'سقائے حرم' اور 'طلوعِ صبحِ الم' اردو نظم نگاری میں بے مثال اضافہ ہیں۔

'سقائے حرم' میں انہوں نے حضرت عباسؑ علمبردار کی والہانہ شجاعت اور وفاداری کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے تاثر کے اعتبار سے اس نظم کی جتنی بھی مدح سرائی کی جائے کم

ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

کنارِ نہرِ فرات جس دم
وہ فخرِ حمزہؓ
وفا کا پیکر، علیؑ کا بیٹا
خود اپنے خوں میں نہا چکا تھا
بدن پہ اپنے قبائے رنگیں سجا چکا تھا
(خیامِ اہلِ حرم کے پردوں پہ جس کی نظریں ٹھہر چکی تھیں)
اور اس کے بازو
قلم کی صورت
وفا کے خاکوں میں رنگ بھر کر
دھڑکتے دل کی تڑپ دکھا کر
لہو بہا کر
شفق کی سرخی حسین ذرّوں کے آئینوں میں
سجا چکے تھے
میں سوچتا ہوں
طلوعِ صبحِ الم کا پرچم
بریدہ بازو کی ہے امانت
کہ جس میں اب تک دہک رہا ہے
وہ نقشِ عظمت
سجا کے جس کو لہو سے اس نے ہمیشگی کا فروغ بخشا
یہ ایسا نقشِ وفا ہے جس سے

جہاں میں اہلِ نظر نے جب بھی
شعورِ ہستی کی بھیک مانگی
تو اس کے تازہ لہو کی بوندیں
اندھیری شب میں
چمکتے جگنو کا روپ بھر کر
حروف بن کر
کتابِ صحرا کے ہر ورق پر بکھر گئی ہیں

(نظم بعنوان 'سقائے حرم')

حسن عسکری کاظمی کی نظم ''طلوعِ صبحِ الم'' ان کی شاعرانہ صناعی کی بہترین مظہر ہے۔ انھوں نے اس نظم میں کرب وبلا کے میدان میں دس محرم کو طلوع ہونے والی صبحِ الم کو موضوع بنایا ہے اور حضرت حُرؓ کے کردار کو آزادی اور حریّت کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ نظم شدتِ جذبات اور خیالات کے بہاؤ کے لحاظ سے لائقِ صد تحسین ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور حسن عسکری کے نادر موضوع اور پُر جوش اسلوب کی داد دیجئے۔

وہ کربلا کی زمیں پر طلوعِ صبحِ الم
خیامِ اہلِ حرم میں وہ مرگِ تشنہ لبی
وہ دور حلقۂ اعدا میں آبِ نہرِ فرات
تڑپ تڑپ کے کسی بے قرار کی صورت
ہمک ہمک کے کسی شیر خوار کی مانند
رواں دواں چلا جاتا ہے سمتِ نامعلوم
وہ کربلا کی زمیں پر طلوعِ صبحِ الم
وہ سوزِ عشق میں ڈوبی ہوئی اذاں جیسے

کسی کے دل میں تمنائے موت گھر کر لے
قضا کے پاؤں کی آہٹ کو سن کے جیسے کوئی
وفورِ شوق میں ہر تلخیِ حیات پیئے
اجل کے رینگتے سایوں میں جیسے کوئی کنول
کنارِ آب سے دامن چھڑا کے آگے بڑھے

وہ کربلا کی زمیں پر طلوعِ صبحِ الم
کسی نے خواب کی دنیا میں کروٹیں بدلیں
دہک رہا ہے کسی دل میں شعلۂ احساس
بہ فیضِ اشکِ ندامت ضمیرِ حُرؑ جاگا
دلِ حزیں میں الاؤ جلے قیامت کے
بڑھا وہ جانبِ حق توڑ کر صفِ باطل
تڑپ کے رکھ دیا سر پائے شاہؑ پر جس دم
اٹھا تو نورِ سحر رُخ سے آشکارا تھا

حسن عسکری کاظمی کی یہ دینی منظومات ان کی دینی حسیات کی غماز ہیں تاہم ان میں جو شعری رنگ و آہنگ ہے اس کی جتنی بھی مدح سرائی کی جائے کم ہے۔ اپنے موضوعات و اسالیب کے اعتبار سے یہ دینی نظمیں قابلِ قدر اور لائقِ صد تحسین ہیں۔

(س) ایران سے متعلق نظمیں

(۱) شیرازۂ سخن
(۲) بانیِ انقلابِ اسلامی ایران
(۳) نئی بشارتوں کی صبح
(۴) حرفِ رثا

(۵) صبحِ انقلابِ اسلامیِ ایران (۶) اسوۂ شبیریؑ
(۷) مجلسِ جمہوریِ اسلامیِ ایران (۸) گنجینۂ صداقت
(۹) آثارِ خمینی (۱۰) پیغامِ تہنیت
(۱۱) عزمِ نو

پروفیسر حسن عسکری کاظمی دین اسلام سے محبت رکھتے ہیں اور اسی طرح وطن سے محبت بھی ان کے رگ و پے میں رچی بسی ہے۔ حسن عسکری کاظمی ایران سے بھی بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اس کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ایران ہمارا برادر اسلامی ملک ہے اور دوسرا اہم سبب یہ بھی ہے کہ ایران سے ہمارے گہرے اور دوستانہ تہذیبی، لسانی، دینی اور ثقافتی روابط بھی ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ امام خمینیؒ سیمینار میں خصوصی مندوب کی حیثیت سے ایران تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں کی تہذیب و ثقافت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے قلب و نظر پر اس کے مثبت اثرات مرتسم دیکھے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ایران کے حوالے سے حسن عسکری کاظمی کی منظومات ان کے دل کی آوازیں ہیں۔

حسن عسکری کاظمی کی پانچ نظمیں خالصتاً شخصی نوعیت کی ہیں۔ ''شیرازۂ سخن'' معروف ایرانی شاعر حافظ شیرازیؒ کی مدح میں لکھی گئی ہے۔ اس نظم میں حسن عسکری کاظمی نے حافظ شیرازی کو ملکِ سخن کا امیر، جہانِ عشق میں غم کا سفیر، روشن ضمیر، رندوں کا پیر اور بے خودی کی زُلف کا اسیر قرار دیا ہے۔

فرماں روائے عالمِ کیفِ غزل کہوں
وہ آسماں جناب ہے، روشن ضمیر ہے

حسن عسکری کاظمی نے معروف ایرانی رہنما آیت اللہ خمینیؒ کو اپنی نظم ''بانی انقلاب اسلامی ایران'' میں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ امام خمینیؒ مرد

جری، پیکرِ عزمِ جواں، دشتِ وغا میں حق کی گونجتی اذاں، روح کے زخموں کا مرہم، غم کی تمازتوں میں سایہ، بادبانِ کشتیِ اُمت، عرفان و آگہی کا تازہ جہاں تھے۔ انہوں نے ساری عمر جد و جہد میں بسر کی اور اپنی قوم کو عزت و عظمت سے ہمکنار کیا۔

ہم سے بیاں ہوں وصفِ خمینیؒ تو کس طرح
ہر لحظہ اس پہ لطفِ امامِ زماںؑ بھی تھا

حسن عسکری کاظمی نے ایران کے معروف دینی سکالر و پیشوا آیت اللہ بہشتی" کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے نظم "اسوۂ شبیریؑ" میں واضح کیا ہے کہ وہ ساری زندگی حق و صداقت کی شمع جلائے رہے اور آخرکار استبدادی قوتوں نے انہیں شہید کر دیا۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ آیت اللہ بہشتی" کے ارفع طرزِ عمل کو اپنا کر ہم آج بھی دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

جس طرح شعلہ بداماں وقت کا نمرود ہے
میرا ایماں ہے "بہشتی" وقت کا مقصود ہے

پاکستان میں ایران کے سفیر آقائے صادق گنجی شہید کی یاد میں لکھی جانے والی نظم "گنجینۂ صداقت" میں حسن عسکری کاظمی نے واضح کیا ہے کہ صادق گنجی شہید ایران کے درخشندہ آفتاب، صبحِ تمنا کا آئینہ، بزمِ سخن کے امیر، رزمِ جہاں کے شیرِ نیستاں، شوکتِ طوفاں اور حق و صداقت کے علمبردار تھے۔ انہوں نے پاکستان میں ایرانی تہذیب و ثقافت کو رائج کرنے میں جو کردار ادا کیا وہ سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ بعض عاقبت نااندیش افراد نے آقائے صادق گنجی کو شہید کر دیا۔ آقائے صادق گنجی نے یہ موت بھی مسکرا کر قبول کی۔

وہ مسکرا کے اپنے لہو میں نہا گیا
ہر آنکھ اس کی یاد میں گریاں دکھائی دے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے نظم ''آثار خمینیؒ'' میں ایران کے معروف سیاسی رہنما آیت اللہ خمینیؒ کی سیرت اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آقائے خمینیؒ کی سیرت و کردار اور کارناموں کو مدنظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ آقائے خمینیؒ نے عصرِ حاضر کے مسلمانوں میں ایک نیا اسلامی جوش اور ولولہ پیدا کیا۔ انہوں نے مشرق و مغرب سے بیگانہ ہو کر صحیح اسلامی تشخص کو اُجاگر کرنے کی مشکور سعی کی۔ آج بھی امامِ خمینیؒ کے افکار و نظریات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں ۔

کام آیا تشخص میں حسنؔ اس کا حوالہ
یاد آیا ہمیں دیدۂ بیدارِ خمینیؒ

حسن عسکری کاظمی کی نظم ''نئی بشارتوں کی صبح'' ایران کے انقلابیوں کو داد و تحسین پیش کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ نظم ''عزمِ نو'' میں ایرانیوں کی جرأت و ہمت کو سلام پیش کیا گیا ہے اور حسن عسکری نے احساس دلایا ہے کہ ہمیں بھی اپنے اندر وہی جذبہ پیدا کرنا چاہیے جو ایرانیوں کے اندر موجزن رہا ہے۔ آخری شعر ملاحظہ فرمایئے ۔

مائیں خود بیٹوں کو اب اذنِ وغا دیتی ہیں
حق پہ مر مٹنے کی بچوں کو دعا دیتی ہیں

حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم ''حرفِ رثا'' میں ایران کے مسافر بردار جہاز کے المناک حادثے کو موضوع بنایا ہے اور ایرانیوں سے اظہارِ تعزیت کی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی نظم ''صبحِ انقلابِ اسلامی ایران'' میں اس یقین کا اعادہ کیا گیا ہے کہ ایران کے اسلامی انقلاب کی بدولت مسلمانوں میں جو عزم و ہمت پیدا ہو گیا ہے اس کی قدر کی جائے گی مسلمانوں کو اپنے اندر حقیقی معنوں میں بوذریؓ پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر نوجوان نسل کو اسوۂ رسولؐ اپنانے کی اور زیادہ ضرورت ہے ۔

خلاف قوتِ باطل وہی ہے عزمِ صمیم
کہ نسلِ نو میں صداقت کی آگہی ہے وہی

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی نظم ''مجلسِ جمہوری اسلام ایران'' میں پارلیمنٹ کے ان شہدا کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے جنھوں نے جمہوریت کی بقا اور اسلامی نظام کے تحفظ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تاہم آج وہ ہمارے دلوں میں زندہ تابندہ ہیں۔

اپنے موقف پر رہے قائم اگرچہ مر گئے
اسوۂ شبیرؑ کو دنیا میں زندہ کر گئے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اہلِ ایران سے محبت و اخوت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی نظم ''پیامِ تہنیت'' میں انہیں اسلامی انقلاب کی مبارکباد پیش کی ہے اور انہیں احساس دلایا ہے کہ ان کی بے مثال کارکردگی کے باعث پوری دنیا میں اسلام کا نام سربلند ہوا ہے۔

دمک اٹھے ہیں جو راہوں میں آئینوں کی طرح
تمھیں سلام ہمارا کہ سرخرو تم ہو

حسن عسکری کاظمی کی نظموں کا **اسلوب** متنوع ہے۔ کہیں تو وہ سادہ روی کے ساتھ اپنا موقف اُجاگر کر دیتے ہیں اور کہیں ان کا اسلوب گھمبیر ہو جاتا ہے۔ ان کی بیشتر نظموں پر فیض احمد فیض کے اسلوب کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ وہ فارسی الفاظ و تراکیب کا بکثرت استعمال کرتے ہیں مگر روانی اور اثر میں کمی نہیں آنے دیتے۔ ان کی نظموں کا اسلوب جہاں ایک طرف کلاسیکی شعرا کی یاد دلاتا ہے تو وہاں دوسری طرف مصطفےٰ زیدی کے رنگا رنگ ذائقوں سے آشنا کرتا ہے۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی کی نظمیں اپنے موضوعات کے حوالے سے جمالیاتی رُخ لیے ہیں اور اسلوبیاتی حوالے سے ایک جداگانہ شناخت رکھتی

ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ناقدین حسن عسکری کاظمی کی منظومات کا ایک مرتبہ پھر عمیق نگاہی سے مطالعہ فرمائیں اور ان کے مرتبے کا بار دگر تعین کریں۔ آخر میں حسن عسکری کی شاعری اور خصوصاً نظم نگاری کے بارے میں سید وحید الحسن ہاشمی کی گراں قدر رائے بھی ملاحظہ فرمائیے:

"ــــــ

آج کی جدید شاعری ایک ایسا دریا ہے جس میں نہ تلاطم ہے نہ تموج، سطحِ آب پر تھوڑی سی زندگی رواں دواں نظر آتی ہے۔ شاعری کا ایک دریا ابہام کی ہلکی پھلکی لہریں تو رکھتا ہے مگر نہ اس میں آئینے کی چمک ہے نہ نیلے آسمان کی صناعی۔ شاید اس کا یہ سبب ہو کہ آج کے شعرا نے روایت سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔

خیمۂ خیال کی نظمیں خیالات کی بلندی اور احساس کا تنوع رکھتی ہیں۔ اگرچہ ارفع افکار کا سہل الفاظ میں پیش کرنا مشکل کام ہے مگر حسن عسکری کاظمی صاحب نے اپنی جودتِ فکر سے اس کڑی منزل کو بھی سر کر لیا ہے۔ انہوں نے موقع اور محل سے اپنی نظموں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو قاری کے قلب و ذہن پر وجدانی اثرات مرتسم کرتے ہیں اس لحاظ سے ان کی غزلیں اور نظمیں دونوں دربارِ شاعری میں خلعتِ کامگاری پانے کی مستحق ہیں۔

ــــــ"

(حسن عسکری کاظمی، خیمۂ خیال، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲)

اب چلتے چلتے حسن عسکری کاظمی کی نظم نگاری کے حوالے سے معروف نقاد ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"——

حسن عسکری کاظمی کا شمار عصرِ حاضر کے اُن چنیدہ اہلِ قلم میں ہوتا ہے جو ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا سے بے نیاز، خاموشی سے قرطاس وقلم کا قرض ادا کیے چلے جاتے ہیں۔ انھیں قدرت کی طرف سے نظم ونثر دونوں میں یکساں مہارت سے اظہار کی توفیق ارزانی ہوئی ہے۔ ''لہو بولتا ہے'' نظم کے میدان میں ان کی ایک دلپذیر کاوش ہے۔ اس کی کئی معنوی جہتیں ہیں۔ ایک طرف تو وہ وطن عزیز کی محبت میں سرشار دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف عظیم قومی راہنماؤں کو خراجِ تحسین پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی توجہ کا مرکز بننے والی شخصیات میں بین الاقوامی شہرت کی حامل سیاسی، ادبی اور علمی شخصیات بھی شامل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دلچسپی کے متعدد دائرے ہیں جو ایک بڑے تخلیقی دائرے کا حصہ ہیں اور فنی لحاظ سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ شخصیتوں پر لکھتے ہوئے محض ناظم یا ''ورس فائیر'' ہی نہیں بن جاتے بلکہ تخلیقِ شعر کے فنی تقاضوں کو بھی حسن وخوبی سے نبھاتے ہیں۔

——"

(ماہنامہ' شام وسحر' لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ غزل کی نسبت نظم کا میدان شاعری وسیع وعریض ہے اور شاعر کا توسنِ فکر یہاں اپنی جولانیاں دکھا سکتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے یوں تو ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے تاہم انہوں نے نظم کی صنف کو اپنی جدتِ طبع کا مرکز بنایا ہے۔ یہ امر امتنان کا باعث ہے کہ انہوں نے اس صنف کی آبیاری کے لیے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں اور یہ سلسلہ آج بھی اسی آب وتاب سے جاری وساری ہے۔

◆◆◆

چوتھا دریچہ

حسن عسکری کاظمی کا نعتیہ رنگ و آہنگ

••

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے صنفِ نعت میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور اپنے طبعی جوہر اُجاگر کیے ہیں۔ وہ حضور اکرمؐ کو "سرورِ کائنات" تسلیم کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو کائنات کا سرور ہوا سے زیبا ہے کہ وہ بندے اور خدا کو ملانے کا وسیلہ بن سکے۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنی نعتوں میں خلوص کو سب چیزوں پر فوقیت دی ہے۔ انہوں نے نہ تو فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کی تقلید کی ہے اور نہ محض شہر آشوبوں والا رویّہ اختیار کیا ہے۔ ان کے خیال میں نعت نگار کے دل میں خلوص اور عقیدت کا جذبہ موجزن نہ ہو تو وہ اچھا شعر ہی نہیں کہہ سکتا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نعتوں میں حضور اکرمؐ سے بے پناہ عقیدت و احترام کا احساس ملتا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر ہم دل میں حضور اکرمؐ کی محبت کا حقیقی چراغ روشن کر لیں تو ذاتی آلام اور معاشرے کی تاریکیاں ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔ اگر آپ غزل اور نعت کا حسین

امتزاج دیکھنا چاہتے ہیں تو حسن عسکری کاظمی کی نعتوں کا مطالعہ فرمالیجیے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر ہے کہ دوسرے شعرا کی طرح حسن عسکری کاظمی نے اپنی غزلوں کو 'باوضو' کر کے نعت نہیں بنا دیا بلکہ انہوں نے نعت کے مزاج و مذاق کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ پروفیسر حسن عسکری کی نعتوں میں رسول اکرمؐ سے والہانہ عقیدت کا اظہار ملتا ہے اور بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی نعتیں ان کے لیے دنیا و آخرت کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں۔

اردو میں نعت نگاری کی روایت قدیم بھی ہے اور متواتر بھی۔ حضرت ابو طالبؑ سے لے کر حسن عسکری کاظمی تک ہر نعت نگار نے اپنے عقیدے اور مسلک کے مطابق حضور اکرمؐ کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ابتدائی عہد کے شعرا نے رسولؐ کے حسن و جمال اور شمائل مصطفویؐ پر روشنی ڈالی ہے۔ وسطی شعرا نے اوصافِ مصطفےٰ کو اُجاگر کرنے کی بلیغ سعی کی ہے۔ بیسویں صدی میں بطورِ خاص حضورؐ کو ملتِ اسلامیہ کا نجات دہندہ سمجھا جانے لگا۔ حالی اور اقبال نے بطورِ خاص حضور اکرم کو رہبرِ کائنات قرار دے کر ان سے ملتِ اسلامیہ پر نگاہِ کرم ڈالنے کی التجا کی ہے۔ اس طرح اکیسویں صدی میں حضور اکرمؐ کی ذات پوری کائنات کے لیے امن و سلامتی کا استعارہ بن کر اُبھری ہے اور عصرِ حاضر کا ہر شاعر جانتا ہے کہ اگر ہمیں دنیا میں پائیدار امن و امان اور سلامتی پیدا کرنا ہے تو ہمیں اسوۂ رسولؐ کو اپنانا چاہیے کہ اسی میں نسلِ آدم کی بقا ہے۔ حسن عسکری کاظمی بھی شعرا کے اس فکری قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو رسولِ اکرمؐ کو سرورِ کائنات سمجھتے ہیں اور ان کا مضبوط عقیدہ ہے کہ۔

کسی کی چشمِ تصور پہنچ نہ پائے جہاں
عزیز کتنی خدا کو ہے آبروئے رسولؐ

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی نعتوں کا مجموعہ ''سرورِ کائنات'' الحمد پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے میں دو حمدیں اور اٹھانوے نعتیں ہیں۔ ابتدا

میں سید وحید الحسن ہاشمی (حسن عسکری کاظمی کا فنِ نعت نگاری) اور ڈاکٹر آغا سہیل (نعت گوئی اور آفاقی نظریات) کے مضامین رونق افروز ہیں جبکہ کتاب کی پشت پر ڈاکٹر خورشید رضوی کی گراں قدر رائے درج ہے۔ اس کتاب کی تشکیل و تعمیر کے حوالے سے ''حرفِ عقیدت'' کے عنوان سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی رقمطراز ہیں:

''—

اللہ تعالٰی کی ربوبیت اور حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رحمۃ للعالمینی ہمارا حصار کئے ہوئے ہے، عالمین کا وجود اللہ تعالٰی کی ربوبیت اور حبیب پاکؐ کی رحمت کا مرہونِ منت ہے، ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی مٹی میں اور پانی پانی میں تھا کہ نورِ محمدی کائنات میں ہر جگہ موجود تھا اسی نور کی معرفت نے حضرت آدم کو فرشتوں پر بہ اعتبار علم فضیلت بخشی اور تاجِ خلافت کے سزاوار ٹھہرائے گئے۔ آپ کا نور اس وقت بھی تھا جب وقت نہ تھا، صبحِ ازل کا آغاز اسی نورِ اولیں کے تصدق کا حاصل ہے، ایسی عظیم المرتبت ہستی جو موجبِ تخلیقِ کائنات ہو بھلا اس کی مدح کا حق کیونکر ادا ہو سکتا ہے۔

مجھ سے کیا ہو گی محمدؐ کی ثنا خوانی مگر
اس حوالے سے مجھے اپنی بقا درکار ہے

اس نعتیہ مجموعے کا نام سرورِ کائناتؐ اس لئے رکھا کہ حضرت محمدؐ اللہ تعالٰی کی تمام مخلوقات میں افضل و برتر ہیں، سروری کا شرف صرف آپؐ کو زیب دیتا ہے، یقیناً خالقِ کائنات کی ہستی کے بعد مخلوق میں بزرگ ترین آپؐ کی ذات والا صفات ہے، آپؐ خاتم الانبیاء ہیں۔ حضور پُرنور اور آپؐ کی آلِ پاکؑ پر درود و سلام بھیجنا ہر مسلمان پر فرض ہے، یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ کا اسمِ گرامی زبان پر یا تحریر میں آتا ہے تو

ہم سر جھکا کر عقیدت بھرے لہجے میں درود بھیجتے ہوئے داخل حسنات

ہوتے ہیں۔

"___

(حسن عسکری کاظمی، سرورِ کائناتؐ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۲۲)

حسن عسکری کاظمی کی نعتوں کا سب سے بڑا وصف ان کا اخلاص ہے۔ وہ انتہائی خلوص کے ساتھ محمد مصطفٰےؐ کی سیرت وکارناموں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ خامۂ مژگاں سے اسمِ محمدؐ تحریر کرتے ہیں۔

خامۂ مژگاں سے لکھا اسمِ پیغمبرؐ حسن
روشنائی کے لیے خونِ جگر اچھا لگا

حسن عسکری کا یہ خلوص اس وقت قابلِ دید ہوتا ہے جب وہ باوضو ہوکر ذکرِ رسولؐ کرتے ہیں اوران کا پورا وجود عشق سرکارؐ سے مسرور ہوکر کہنے لگتا ہے۔

آیا خیال جب بھی رسالت مآبؐ کا
شاخِ نظر پہ غنچہ کھلا ہے گلاب کا

ان کی نگاہیں رسولؐ کے ذکر کے وقت جھک جاتی ہیں اوردل مسرور ہوجاتا ہے

صدا صلِ علیٰ کی گونج اُٹھتی ہے فضاؤں میں
جھکا لیتا ہوں سر جب نام آتا ہے محمدؐ کا

حسن عسکری کاظمی نے اپنی نعتوں میں حضور اکرمؐ کے اُن اوصافِ حمیدہ کو بھی بطورِ خاص اُجاگر کیا ہے جنہیں مسلمانوں نے اپنی زندگیوں سے فراموش کردیا ہے۔ اس موقع پر حسن عسکری کاظمی کا لب ولہجہ تند وترش ہوجاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

مال و زر آپؐ نے تقسیم غریبوں میں کیا اب یہی کام ذرا آج کے زردار کریں

....

انساں کا احترام ہے معراج زندگی پہلا سبق یہی تو ہے ان کے نصاب میں

....

خندق میں جس کے پیٹ پہ پتھر بندھے رہے تیشہ بدوش وقت کے سلطاںؐ کو یاد کر

....

جاں نثاری میں نہیں پیدا کوئی جن کی نظیر ہیں کہاں دنیا میں اب ایسے غلامانِ رسولؐ

حسن عسکری کاظمی رسول اکرمؐ سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔ وہ ہر اس چیز سے محبت کرتے ہیں جو رسولؐ سے منسوب ہے۔ آلِ محمدؐ ہو یا اصحابِ محمدؐ، روضۂ رسولؐ ہو یا ارضِ مدینہ حسن عسکری کے لیے باعث تکریم ہیں کہ یہ رسولؐ سے منسوب ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ہر وہ چیز لائقِ صد احترام اور باعثِ خیر و برکت ہے جسے رسول اکرمؐ سے نسبت حاصل ہو جائے۔

اُتری ہے دل میں گنبدِ خضرا کی روشنی جیسے شعاعِ مہر ہو چشمِ حباب میں

....

خوش نصیبی ہے مدینے میں ہے جس کا مسکن ایسا لگتا ہے کہ ہے باغِ جناں شہرِ نبیؐ

....

اسی کے نور سے روشن ہے سورج اسی کا نور تاروں کی قبا ہے

....

ساحلوں پر گڑے ہیں علم آپ کے بحر و بر آپ کے ہر جہاں آپ کا

....

عشقِ نبیؐ کا ذائقہ شہرِ قرن سے پوچھ مثلِ اویسؓ گوہرِ دنداں کو یاد کر

....

میری زباں پہ آلِ پیمبرؐ کا ذکر ہے ہوگا جو دور ان سے رہے گا عذاب میں

....

رحمتِ ہر دو جہاں میں آپ کا ہم سر کہاں آپ کا جیسا گھرانہ، کوئی ایسا گھر کہاں

....

حسن عسکری کاظمی حضور اکرمؐ کے معجزات کے قائل ہیں اور اہلِ دنیا پر ان

معجزات کے اثرات واضح کرتے ہیں۔ ان کا مؤقف ہے کہ رسولؐ کے اُمتیوں کو ان معجزات سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے کرداروں کو اسوۂ رسولؐ کے مطابق ڈھالنے کی کاوش کرنا چاہیے۔

اُنگلی اٹھی تو چاند کے ٹکڑے ہوئے تھے دو بجا — منظر کسی نے کب یہاں دیکھا تھا ایسی رات کا

....

ابھرا سورج بھی گواہی کے لیے وقتِ غروب — گردشِ کون و مکاں ہے زیرِ فرمانِ رسولؐ

....

بلایا عرش پر اور دو کماں کا فاصلہ رکھا — میانِ عاشق و محبوب یکتائی کا پردا ہے

....

بشر پر فرض ہے اس عالمِ امکاں کو سر کرنا — یہی اب تک ہمیں پیغام آتا ہے محمدؐ کا

....

رفعتِ عرش فقط خاک نشینوں پہ کھلی — آسمانوں کی خبر جب وہ زمیں پر لائے

حسن عسکری کاظمی سرورِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفےٰؐ کو عالمین کے لیے رحمت اور آخرت میں شفیع المذنبین قرار دیتے ہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا میں عزت و عظمت حاصل کر سکتا ہے اور ان پر ایمانِ کامل لا کر آخرت میں بھی سرخرو ہو سکتا ہے۔

گنہگاروں کو ہے ان کی شفاعت کا یقیں ہردم — زباں پر اس لیے بھی نام آتا ہے محمدؐ کا

....

بہت یقیں ہے شفاعت کریں گے آپ مری — مجھے نواسوں کے صدقے امید مل جائے

....

کرے گی اس کی رحمت ہم پہ سایا — گنہگاروں کو اس کا آسرا ہے

....

مغفرت ہوگی مری ان کی شفاعت سے حسنؔ — اپنے ہونٹوں پہ مجھے حرفِ دعا رکھنا ہے

....

مجھ کو یقیں ہے شافعِ محشر ہیں آپؐ ہی — دل میں رہا نہ ڈر کبھی روزِ حساب کا

حسن عسکری کاظمی کی نعتوں میں کھلا ہی نہیں بلکہ عاجزی اور سرشاری موجزن ہے۔ وہ نعت کہتے ہوئے اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ کوئی بشر ممدوحِ خدا کی مدح سرائی کا حق ادا ہی نہیں کر سکتا ہے۔ ان کی نعتیہ نظم ''ملا نہ حرف کوئی لائقِ ثنائے رسولؐ'' کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

خیالِ نعت نگاری میں سرنگوں ہے قلم
مثالِ قطرۂ شبنم ہیں اشک آنکھوں میں

میں یادِ سیدِ والاؐ میں یہ بھی بھول گیا
کہ ہے گناہوں سے تر دامنِ مراد مرا

بجا یہ رات بھی گزرے گی باوضو میری
مجھے یہ چہرہ بھی اب آنسوؤں سے دھونا ہے

کہ میری خاک کو نسبت ہے خاکِ بطحا سے
ہوا کے دوش پہ جب آپؐ کی گلی جاؤں

مریضِ عشق ہوں میں درد کی دوا پاؤں
وہ روز و شب وہ بلالؓ اذاں فضاؤں میں

کہ میری چشمِ تصور میں ہیں سبھی منظر
خدا کے گھر میں ہیں صف بستہ سر جھکائے ہوئے

صحابہؓ فرش پہ عجز و نیاز کے پیکر
اور آپؐ خطبے کی خاطر ہیں بر سرِ منبر

ابھی خطاب کا آغاز تھا کہ آئے حسینؓ
صغیر سن تھے جو دوڑے تو لڑکھڑائے حسینؓ

اُدھورا چھوڑ کے خطبہ حضورؐ نے آخر
لپک کے گود میں بڑھ کر اٹھا لیا جس دم

کہا حسینؓ ہے مجھ سے حسینؓ سے میں ہوں
یہی حدیث ہے پیشِ نظر مرے لیکن

یہ آرزو ہے کہ نعتِ نبیؐ کہوں میں بھی
لکھوں میں پلکوں سے مدحت کا حرف کاغذ پہ

یہ ایک خواب کی تعبیر آشنا ہو جائے
کہ مجھ سے آپؐ کی مدحت کا حق ادا ہو جائے

....

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بندہ بشر رسولِ اکرمؐ کے عرفان کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا تاہم ہر ہنر مند تخلیق کار کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے قلم کو مدحت سرکارِ دو عالمؐ کے لیے وقف کر دے۔

حرفِ بے چہرہ کسی مدحتِ سرکار کریں
اور کیا کارِ ہنر ہم سے خطا کار کریں

ہم سے کب ہو گی بھلا مدحتِ ممدوحِ خدا
ہم پہ واجب ہے یہی عجز کا اظہار کریں

پروفیسر حسن عسکری کی صنف نعت سے اسی دلچسپی کے حوالے سے سید وحیدالحسن ہاشمی رقمطراز ہیں :

"

پروفیسر حسن عسکری کاظمی دراصل غزل کے شاعر ہیں ان کی غزلوں اور نظموں کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے سلام، منقبت اور مرثیے بھی کہے ہیں۔ اب انہوں نے سرورِ کائنات کے عنوان سے اپنی نعتوں کا ایک حسین مجموعہ پیش کیا ہے۔ اس مجموعے میں انہوں نے اپنے فن کو اپنی ذات کے پندار میں محصور نہیں کیا بلکہ شعر کو اپنے باطنی احساسات کا حاصل قرار دیا ہے۔ شعریت اور مودّت کی شاہراہ پر چلتے ہوئے وہ عشقِ رسولؐ کی وادیِ بے خار میں داخل ہو جاتے ہیں اس روحانی سفر میں انہوں نے ایک عاشقِ صادق کی طرح حضور کی شانِ اقدس میں اس قدر خوبصورت اشعار کہے ہیں کہ ان کے اندر فکر اور بصیرت کے ساتھ ساتھ جذبۂ محبت سے پھوٹنے والی شعاعیں بھی روحانی تجربات کا عکسِ جمیل معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کو موضوع اور اسلوب پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ انہوں نے مفرس تراکیب بھی استعمال کی ہیں لیکن ان کے شعروں میں کہیں ابہام نہیں ہے۔ شاعر کا کلام پڑھ کر اس کی اپنی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عسکری کاظمی کے کلام میں عجز و انکسار ہے جہاں انہوں نے اپنی شخصیت کا اظہار کیا ہے وہاں ان کا لہجہ دعائیہ ہو گیا ہے وہ اپنے لئے کم ساری دنیا کے مسلمانوں کی وحدت کے لئے زیادہ حضورؐ کی امداد کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں معنی بھی ہیں امیجری بھی، اصوات بھی ہیں جمالیات بھی اور ان صفات کو انہوں نے اس سادگی کے ساتھ

بیان کیا ہے کہ ان کی پختگی نظر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

"_____

(سید وحید الحسن ہاشمی (تاثرات)،سرورِ کائناتؐ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۴)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے حالی اور اقبال کی طرح اپنی نعتوں کو "استغاثہ" بنانے کی شعوری کاوش کی ہے۔ وہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت سے انتہائی افسردہ وملول ہیں۔ مسلمانوں میں عصبیت کا زہر رچ بس گیا ہے۔ صوبائی، نسلی، علاقائی، لسانی اور رنگ ونسب کی عصبیتوں نے مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کے باہمی نفاق نے مسلمانوں کو پوری دنیا میں ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلمان اور دہشت گرد ہم معانی ہو گئے ہیں۔ ذلت کا طوق مسلمانوں کی گردنوں میں ڈال دیا گیا ہے اور انہیں زندگی کے ہر شعبہ میں ذلیل وحقیر قرار دیا جا رہا ہے۔ حسن عسکری کاظمی حضور اکرمؐ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ نگاہِ کرم فرمائیں تاکہ اُمت مسلمہ ایک مرتبہ پھر بامِ عروج تک پہنچ جائے۔ آپ حسن عسکری کاظمی کی مختلف نعتوں کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ وہ کس دردمندانہ انداز میں حضورؐ سے مدد کی درخواست کر رہے ہیں۔

بے یقینی میں گھرے ہیں مرے آقا کب سے جبر کی زرد فصیلوں سے رہائی مل جائے

....

ہر ایک سمت سے آتی ہے العطش کی صدا کوئی اثر نہ مگر اب کسی کی آہ میں ہے

....

خیمۂ جاں میں تشنگی، پھر سے بپا ہے کربلا کیجیے نگاہِ التفات، سارا جہاں ہوا عدو

....

ملتِ بیضا کا غم تازہ رہا ان کے حضور اشکِ خوں بہنا مجھے اے چشمِ تر اچھا لگا

....

آپؐ کو اُمت کے غم نے کر دیا کتنا نڈھال گریۂ پیہم میں مصروفِ دعا دیکھا کیے

میں آ گیا پناہِ رسالت مآبؐ میں
ورنہ پڑا تھا کب سے جہانِ خراب میں

....

فقر و غنا میں فخرِ سلیماںؑ کو یاد کر
درد آشنا ہے درد کے درماں کو یاد کر

....

آپؐ ہی کا اسوۂ احسن ہے معیارِ حیات
آدمی زادے بہت ہیں آپؐ سا رہبر کہاں

....

گھری ہے میری بستی زر پرستوں میں مرے آقاؐ
مری بستی میں اترے کوئی بوذرؓ شب کے پردے میں

....

جو زخم زمانے کی عطا ہیں وہ بھریں گے
ایماں ہے مرا چارہ گری کام ہے انؐ کا

....

ہم نے تقلید نہ کی اسوۂ احسن کی حسنؔ
کہیے کس منہ سے بھلا آج کہ ہم ہیں انؐ کے

....

بھیگی پلکوں میں لئے پھرتے ہیں کتنے رت جگے
بے سروساماں تھے ہم رختِ سفر اسؐ نے دیا

....

آنسوؤں سے تر رہی ریشِ مبارک آپ کی
اُمتِ عاصی کی بخشش کی دعا کرتے ہوئے

....

نبضِ ہستی ڈوبے دیکھوں تو آتا ہے خیال
ہر نفس اب ان کے دامن کی ہوا درکار ہے

....

آپؐ کی اُمت ہوئی حرماں نصیبی کا ہدف
عہدِ بے تعبیر میں اب مونس و یاور ہیں آپؐ

....

آپ نے ان اشعار کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہو گا کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی ابتر حالت کو حسن عسکری کس دردمندی سے محسوس کر رہے ہیں اور وہ بار بار کس طرح رسولؐ خدا سے التجا کر رہے ہیں کہ اُمتِ محمدیؐ کونین میں عزت اور وقار کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے۔ اب آپ حسن عسکری کی ایک طویل نظم بعنوان ''فریاد بحضورِ آقائے نامدارؐ'' ملاحظہ فرمایئے اور حسن عسکری کی دردمندی اور دل گداختگی کی داد

دیجئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب حسن عسکری کی آواز میں اپنی آواز ملادیں۔

آقا کوئی نہیں ہے مددگار کیا کریں — فریاد ہے کہ ہم ہوئے ناچار کیا کریں
دیجے شفا کہ فخرِ مسیحا حضورؐ ہیں — طاری ہیں ہم پہ موت کے آثار کیا کریں
ہم گھر چکے ہیں نرغۂ اعدا میں ان دنوں — لیجے خبر کہ ہم پہ ہے یلغار کیا کریں
کس کو بتائیں خاک بسر دربدر ہوئے — اب خندہ زن ہیں ہم پہ یہ کفار کیا کریں
ڈر ہے ہماری زندہ اکائی مٹا نہ دے — دشمن ہوا ہے باعثِ آزار کیا کریں
یہ بھی غضب ہے قاتل و مقتول ہم ہوئے — رسوا ہوئے ہیں ہم سرِ بازار کیا کریں
ہم کلمہ گو ہیں آپؐ کے، بے موت مر چلے — جینے سے یوں بھی ہو گئے بیزار کیا کریں
بھٹکے ہوئے ہیں راہ سے اور تشنہ لب بھی ہیں — سر پر نہیں ہے سایۂ دیوار کیا کریں
بے دست و پا ہوئے ہیں بچا لیجے حضورؐ — بڑھنے لگا ہے نرغۂ اغیار کیا کریں
پھر اس زمیں پہ کربلا برپا ہے یا نبیؐ — باقی کہاں وہ صبر کا معیار کیا کریں
ہم مصلحت پسند ہیں آقا غلط نہیں — کوئی نہیں ہے صاحبِ کردار کیا کریں
کم ہو چلا ہے صبحِ قیامت کا اعتبار — ضعفِ یقیں میں ہم ہیں گرفتار کیا کریں
طوفاں بدوشِ موجِ حوادث ہے ان دنوں — کر دے نہ غرق ناؤ کو منجدھار کیا کریں
فریاد آپؐ سے ہے کہ فریاد رس ہیں آپؐ — کچھ تیز تر ہے وقت کی رفتار کیا کریں
صحنِ چمن میں جتنے شجر ہیں وہ بے ثمر — پیدا کہاں ہے شاخِ ثمردار کیا کریں
ہیں محوِ خواب قوم کے "غم خوار" ہر طرف — دولت میں کھیلتے ہیں خطا کار کیا کریں
چہرے پہ سب کے آنکھ ہے سب دیکھتے بھی ہیں — کوئی نہیں ہے طالبِ دیدار کیا کریں
خیبر کا معرکہ ہے مدد کیجئے حضورؐ — بوذرؓ ہیں اب نہ حیدرِ کرارؓ کیا کریں
خوشنودیِ زمانہ کی واعظ کو فکر ہے — دنیا میں حق ہے تختۂ اظہار کیا کریں
فرقوں میں منقسم ہوئی اُمت حضورؐ کی — دستِ قضا میں تیز ہے تلوار کیا کریں
کیونکر کرے علاجِ غمِ زندگی حسنؔ — اب ہے طبیبِ وقت بھی بیمار کیا کریں

دستِ دعا اُٹھے ہیں کرم ہم پہ چاہیے
آقا بتائیں ہم سے گنہگار کیا کریں

حسن عسکری کاظمی کی نعت نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر آغا سہیل کی گراں قدر رائے ملاحظہ فرمائیے:

"___

پروفیسر سید حسن عسکری نے برسوں تعمیر فکر سے اپنی متخیلہ کی آبیاری کی ہے اور شعر گوئی کے ہفت خوان طے کرنے کے بعد نعت گوئی سے رجوع ہوئے ہیں۔ انہوں نے زندگی کے وظائف میں من جملہ اور حسنات کے اسے بھی شامل فرمالیا ہے، محض عقیدہ بجائے خود کچھ نہیں ہوتا جب تک صحت مند شعور کی روایت کی تعمیر نہ کی جائے

جملہ اصناف سخن میں حسن کاظمی نے ہیئت اور مواد میں جو مشق بہم پہنچائی ہے وہ اپنی جگہ مستند ہے مگر بصیرت میں زندگی آموز ادب کی آبیاری سے وہ برسہا برس وابستہ رہے ہیں۔ اس صورتحال کو پیش نظر رکھیےاور ان کے نعتیہ کلام سے مستفیض ہو جایئے تو اس انتخاب نعتیہ کلام کی حیثیت دوآتشہ ہو جاتی ہے۔ یقین ہے کہ ان کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ ان کے نعتیہ کلام سے قارئین بیش از بیش فائدہ اٹھائیں گے اور کیا مبتدی شعراء اور کیا حسن کاظمی صاحب کے معاصرین ہر ہر شعر پر دادو تحسین کا انہیں مستحق قرار دیں گے۔

___"

(ڈاکٹر آغا سہیل (تاثرات)، سرورِ کائناتؐ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۳۰)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا نعتیہ اسلوب، خلوص، مودت اور عجز و انکسار سے تشکیل پاتا ہے۔ انہوں نے معروف تلمیحات، تشبیہات اور استعارات کو نئے انداز

میں برتنے کی مشکور سعی کی ہے۔ ان کی نعتوں میں سادگی اور سلاست ہے جو قارئین کے دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ اس سلسلے میں معروف نقاد ڈاکٹر خورشید رضوی رقم طراز ہیں:

"——

ادب ہمیشہ سے جناب حسن عسکری کاظمی کا اوڑھنا بچھونا رہا ہے۔ عمر شعروادب کے پڑھنے اور پڑھانے میں گزری۔ سخن شناسی و سخنوری خمیر میں گندھی ہوئی ہے۔ "دشتِ بے صدا" اور "خیمۂ خیال" کے عنوان سے ان کے دو شعری مجموعے قارئین ادب سے داد وصول کر چکے ہیں۔ مرصع سازی کے اس باریک کام کی مہارت بہم پہنچانے کے بعد، اب انہوں نے اپنی ساری ریاضتوں کا آب ورنگ آرائشِ فردوس بریں یعنی نعتِ ختم المرسلینؐ میں صرف کرنے کی ٹھان لی ہے:

آپؐ کی مدحت نگاری کا ہنر اچھا لگا
موسمِ نعتِ نبیؐ، شام و سحر، اچھا لگا

کاظمی صاحب کے اس مجموعۂ نعت "سرورِ کائنات" میں جذبۂ حسنِ عقیدت کے اساسی عناصر کے ساتھ ساتھ فنی لوازمہ اور فکری تحریک کا اہتمام بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اُن کی تلمیحات مجموعی اسلامی روایت کے تاروپود سے اُبھرتی ہیں۔ کہیں کمانوں میں سمٹا ہوا فاصلہ "قابَ قوسین" کی طرف ذہن کو منتقل کرتا ہے، کہیں بیڑی کھولنے کی رمز "ویضع عنھم اصرھم والاغلال" کا تلازم معنوی پیدا کرتی ہے، کہیں ہستیِ بے سایہ کا سایہ، مدیحِ شہِ لولاک کا حوالہ فراہم کرتا ہے اور کہیں "ربذۂ جاں" سے پیرہنِ بوذرؓ کی مہک اُٹھتی ہے اور اس پر مستزاد وہ سادگی و برجستگی جو نگاہ سے گزرتے ہی دل و جاں تک نفوذ کر جاتی ہے۔

(ڈاکٹر خورشید رضوی (تاثرات)، سرورِ کائناتؐ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص فلیپ)

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اکیسویں صدی میں صنف نعت کو بامقصد بنانے کا بہترین طریق یہ ہے کہ ہم اس صنف کو بین المذاہب اور بین المسالک بھائی چارے، امن اور عالم اسلام کی سلامتی کے لیے استعمال کریں اور اپنی نعتوں کے ذریعے وہ پیغام نشر کریں جو حضورؐ کی زندگی اور سیرت کا اوّلین مقصد ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اپنی نعتوں کے ذریعے "سرورِ کائنات" کے جلیل القدر پیغام کو پھیلانے کی جو مشکور سعی کی ہے اس کی جتنی بھی مدح سرائی کی جائے وہ کم ہے۔ اپنے اس طرزِ نعت کی بدولت وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گئے ہیں۔ ان کی نعتیں ان کے لیے توشۂ آخرت اور بخشش کا ذریعہ ہیں اور وہ اپنی نعتیہ شاعری کی بدولت اس فانی دنیا میں بقائے دوام حاصل کر چکے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں ؎

مجھ سے کیا ہو گی محمدؐ کی ثنا خوانی، مگر
اس حوالے سے مجھے اپنی بقا درکار ہے

◆◆◆

پانچواں دریچہ

حسن عسکری کاظمی کی مرثیہ نگاری

پروفیسر حسن عسکری کاظمی عصرِ حاضر کے نامور مرثیہ نگار ہیں۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر پانچ مرثیے تخلیق کیے ہیں اور ہر مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ صنفِ مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی اہم، وقیع اور قابلِ قدر صنفِ سخن ہے۔ اردو مرثیے کا آغاز تو اردو شاعری کے ساتھ ہی ہو گیا تھا لیکن جدید مرثیے کی داغ بیل بیسویں صدی میں ڈالی گئی اور ۱۹۷۰ء کے بعد جدید مختصر مرثیے کا رواج عام ہوا۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے سید وحید الحسن ہاشمی اور قیصر بارہوی کے ساتھ مل کر اس صنف کے فروغ کے لیے اپنی ممکنہ صلاحیتیں صرف کیں اور اس صنف کو جدید روّیوں کا علمبردار بنا دیا۔ پروفیسر حسن عسکری کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے خانوادۂ رسولؐ کے ساتھ ساتھ اصحابِ رسولؐ کے مرثیے بھی تخلیق کیے۔ خاص طور پر حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے

میں لکھا گیا ان کا مرثیہ اُردو مرثیے کی تاریخ میں سنگِ میل ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے یہ مرثیے اپنے استدلالی رنگ اور جوش بیان کے باعث قارئین کے دلوں کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں نہ تو گھوڑے کی مدح ہے اور نہ تلوار کی ستائش۔ وہ معاشرے کی بگڑتی قدروں پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں اور احساس دلاتے ہیں کہ کربلا کے میدان میں امام عالیؑ مقام کی بے مثال قربانی سے سبق حاصل کر کے ہم دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ان کے مرثیے اپنے موضوع اور اسلوب ہر دو اعتبار سے انتہائی اہم اور یادگار ہیں۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے پانچ مرثیوں کا اولین مجموعہ ''کنارِ دجلۂ اُلفت'' کے نام سے الحمد پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے کے آغاز میں ''مرثیہ اور جذبۂ محبت کی فروغ پذیری'' کے عنوان سے حسن عسکری کاظمی نے اس کتاب کی تشکیل و تعمیر اور صنفِ مرثیہ کے حوالے سے بعض فکر انگیز باتیں کی ہیں۔ آپ بھی اس مجموعہ کی تشکیل کے جواز کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''۔۔۔۔

> میری جانب سے ''کنارِ دجلۂ اُلفت'' پانچ مرثیوں پر مشتمل مجموعہ قارئین کی نذر ہے، اس میں یہ مرثیے سقائے حرم، وقارِ سجدہ، عرفانِ شیر خوار، مرثیہ حضرت ابوذرؓ غفاری اور توقیرِ حریت کے عنوان سے شامل ہیں، یہ جدید اور مختصر مرثیے عہد موجود میں ہماری دوسری مصروفیات کے پیشِ نظر کم سے کم وقت میں پڑھے جا سکتے ہیں لیکن اپنے اثرات کے اعتبار سے دیرپا ثابت ہوں گے۔ جہاں تک رثائی ادب کی افادیت کا تعلق ہے وہ اس کے مرکزی عنوان کنارِ دجلۂ اُلفت سے الگ نہیں، عالم انسانیت میں قدر مشترک جذبۂ ایثار ہے، باہمی محبت اور احترام کی بنیاد مضبوط ہونی چاہیے، محبت کی آزمائش وفا سے اور وفا

کے زندہ کردار کربلا کی صبح عاشور کی طرح ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں، ہر مرثیے میں حقائق رقم کئے ہیں، حرف حق کہنا میرے گھر کی روایت ٹھہری ہے اس لئے ہر قاری سے درخواست ہے کہ وہ پڑھ کر اپنے تاثرات لکھ کر بھیجنے کی زحمت کرے، آج ہمیں مرثیے میں خاص مقصد کو سامنے رکھنا ہے، رونا رلانا مقصد نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ فلسفۂ گریہ کیا ہے، انسانوں کے درمیان محبت ہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے ہم حقوق العباد ادا کرتے ہیں ان مرثیوں میں اسی جذبۂ محبت کی فروغ پذیری مقصود ہے۔

''____

(حسن عسکری کاظمی، کنارِ دجلۂ اُلفت، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۶)

اس کتاب میں معروف مرثیہ نگار اور صنفِ مرثیہ پر گہری نگاہ رکھنے والے ناقد سیّد وحید الحسن ہاشمی کے خیالات ''جدید مرثیہ اور حسن عسکری'' کے عنوان سے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

''____

۱۹۷۰ء سے مختصر مرثیے کی تحریک شروع ہوئی اس تحریک کا مقصد روایات اور واقعاتِ کربلا کو استعاروں میں بیان کر کے اصل مقصدِ امام حسینؑ کا اظہار کرنا تھا اسی کے ساتھ ساتھ مرثیے کے بند میں کمی کر کے پچاس ساٹھ بند میں عنوان مرثیہ کی تکمیل ہونے لگی۔ آج دنیا میں تقریباً ڈیڑھ سو مرثیہ نگار مختصر مرثیہ ہی کہہ رہے ہیں۔

پروفیسر حسن عسکری جدید مرثیہ نگاروں کی صف میں ایک اہم مقام پر گامزن ہیں ان کے پانچ مرثیے ''کنارِ دجلۂ اُلفت'' نامی کتاب میں شامل ہیں چونکہ ان کا اشہب قلم غزل، نعت اور منقبت کے میدان میں

رواں دواں تھا۔ اس لئے مرثیوں کی طرف توجہ کم کم رہی لیکن ان مرثیوں کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں اوران سے انسانی اقدار کا درس ملتا ہے۔

حسن عسکری کاظمی نے مرثیے کو ایک نئے رُخ اور نئی فکر سے پیش کیا ہے۔ وہ چالیس سال سے مختلف کالجوں میں اُردو زبان کا درس دیتے رہے یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیے ادبیت اور زبان پر قدرت کا امٹ نقش پیش کرتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کے کلام کی شعری جمالیات نے فکروفلسفہ کے ادق مسائل کو شعر میں ڈھال دیا ہے۔ ان کے جذبے میں خلوص اور ارتفاع ہے اور انہیں زبان واظہار پر ایسی قدرت حاصل ہے کہ مشکل سے مشکل مسائل کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ نظم کردیتے ہیں۔

"

(سید وحید الحسن ہاشمی (پیش لفظ)، کنارِ دجلۂ اُلفت، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰)

''کنارِ دجلۂ اُلفت''میں درج ذیل پانچ مرثیے شامل ہیں:

پہلا مرثیہ

سقائے حرم

(حضرت عباسؑ علمدار کی شہادت)

دوسرا مرثیہ

وقارِ سجدہ

(جادۂ صبر پر سرگرم سفر سید الساجدینؑ کے مصائب)

تیسرا مرثیہ

عرفانِ شیر خوار

(حضرت علی اصغر ننھے مجاہد کی شہادت)

چوتھا مرثیہ

حضرت ابوذرؓ غفاری

(صحابیِ رسولؐ کی غربت میں ثبات قدمی اور شہادت)

پانچواں مرثیہ

توقیرِ حریت

(حضرت حُرؓ۔ میدانِ کربلا کا پہلا شہید)

اب ذیل میں ان مرثیوں کے مختصراً کوائف پیش خدمت ہیں:

پہلا مرثیہ

(۱) نام مرثیہ	سقائے حرم
(۲) سنِ تخلیق	۱۹۹۳ء
(۳) کل بند	۷۶
(۴) مطلع	ع عہدِ شبابِ شہرِ نگاراں نظر میں ہے
(۵) موضوع	عصرِ حاضر میں ہماری پریشاں حالی۔ آلِ محمدؐ کی اسلامی خدمات اور کربلا کے میدان میں حضرت عباس علمدارؑ کی بے مثال شہادت

دوسرا مرثیہ

(۱) نام مرثیہ	وقارِ سجدہ
(۲) سنِ تخلیق	۱۹۷۹ء
(۳) کل بند	۳۹
(۴) مطلع	ع عہدِ خزاں ہو یا کوئی موسم بہار کا
(۵) موضوع	محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی مدح سرائی اور واقعۂ کربلا کے بعد امام زین العابدینؑ کو درپیش مصائب و مشکلات کا بیان

تیسرا مرثیہ

(۱) نام مرثیہ — عرفانِ شیر خوار

(۲) سن تخلیق — ۱۹۸۲ء

(۳) کل بند — ۵۴

(۴) مطلع — ع جہاں میں رحمتِ یزداں عتاب سے پہلے

(۵) موضوع — حضرت علی اصغرؑ کی سیرت کے چند نئے رُخ اور کربلا کے میدان میں ان کی بے مثال قربانیاں

چوتھا مرثیہ

(۱) نام مرثیہ — حضرت ابوذر غفاریؓ

(۲) سن تخلیق — ۱۹۸۱ء

(۳) کل بند — ۵۱

(۴) مطلع — ع اپنا کلام نذرِ امامِ زماںؑ کروں

(۵) موضوع — حضرت ابوذر غفاریؓ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن اور ان کی شہادت کے المناک واقعات

پانچواں مرثیہ

(۱) نام مرثیہ — توقیرِ حریت

(۲) سن تخلیق — ۱۹۹۵ء

(۳) کل بند — ۷۴

(۴) مطلع — ع اک منقلب مزاج کا شعلہ لہو میں ہے

(۵) موضوع — انسانی زندگی میں آزادی کی اہمیت اور حضرت حرؑ کی حریت پسندی اور کربلا میں بے مثال قربانی

حسن عسکری کاظمی کے مرثیوں کی درج بالا پیش کردہ فہرست سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حسن عسکری کاظمی اس صنف سے بے پناہ محبت وارادت رکھتے ہیں۔

اب ذیل ان پانچوں مرثیوں کے علیحدہ علیحدہ تجزیے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ سقائے حرم

''سقائے حرم'' نامی مرثیہ حضرت عباس علمبردار کی سیرت و کارناموں سے عبارت ہے۔ تمہید میں حسن عسکری کاظمی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ دنیا غم و نشاط سے مملو ہے لیکن انسان کشاکشِ حیات میں اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ خوشیاں اس کے مقدر سے دور ہو گئی ہیں وہ اس بات پر اظہار اطمینان کرتے ہیں کہ حالات و واقعات نے انہیں غم کے دبستان میں دھکیل دیا ہے۔ وہ اس بات پر بے حد مسرور ہیں کہ اب ان کی زندگی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مدح سرائی میں گزرے گی اور وہ صنفِ مرثیہ میں حقائق حیات رقم کرتے رہیں گے۔ وہ عصرِ حاضر کے دوسرے تخلیق کاروں کی طرح نہ تو مصلحت کی چادر اپنے سر پر تاننے کے لیے آمادہ ہیں اور نہ کدورتوں کی چھاؤں میں اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ تو اس بات پر بے حد مسرور ہیں۔

کچھ غم نہیں جو مدحِ علیؑ میں زباں کٹے ۔۔۔ موقف پہ اپنے عہدِ رواں میں ہمیں ڈٹے
دشمن ہمارے گردِ کدورت میں سب اٹے ۔۔۔ کوئی بتائے راہِ صداقت سے ہم ہٹے
چہروں پہ غازۂ غمِ شبیرؑ اب بھی ہے
زینبؑ کے احتجاج کی تاثیر اب بھی ہے

حسن عسکری کاظمی اس بات پر بے حد ملول ہیں ہیں آج بھی دنیا اقتدار کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے اور صحنِ ہوس میں شاخِ وزارت عطر بیز ہے۔ رہبرانِ قوم ذاتی مفادات کے شکنجے میں اسیر ہیں اور اورنگ اقتدار پر زردار قابض ہو چکے ہیں۔ عصرِ حاضر کے تمام افراد زبانی طور پر دین سے وابستگی کے دعوے دار تو ہیں لیکن ان کے اعمال ان کے چہروں پر

غازۂ شرمندگی لیپ رہے ہیں۔ دنیاوی جاہ و جلال کے متوالے منافقانہ چلن کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ کل کی طرح آج بھی بوالہوسوں کو صرف اور صرف حکومت و اقتدار سے عشق ہے۔ یہود و نصاریٰ سے دوستی ان کا چلن ہے اور باطل سے ساز باز کرنا ان کی زندگی کا حاصل قرار دیا جا سکتا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اس ابتر صورتِ حال میں ہمیں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی بارگاہ میں فریاد کرنا چاہیے اور اپنے طرزِ حیات کو ان پاکیزہ نفوس کی سیرت و کردار کے مطابق ڈھال لینا چاہیے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ اگر ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ حیات اپنا لیں تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ جو نفوسِ طاہرہ انسانی ہدایت کے لیے خلق کیے گئے تھے انہیں کرب و بلا کے میدان میں بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا۔ آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرت عباس علمبردار کی شجاعت کے بے مثال واقعات پیش کیے ہیں۔ آپ بھی ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

غازی وہ جس کے رعب سے لشکر میں کھلبلی ۔۔۔ وہ عبدِ خاص جس کا معلم علیؑ ولی
جس کا جلال دیکھ کے یاد آ گئے علی ۔۔۔ جس باوفا کے نام سے رسمِ وفا چلی

یہ غم نہیں کہ فوجِ ستمگر ہے راہ میں
اس وقت پھر رہی تھی سکینہؑ نگاہ میں

آخر میں شاعر نے حضرت عباسؑ کی شہادت کے ایسے المناک مناظر بیان کیے ہیں جو دردمند دلوں کو گرماتے ہیں اور صاحبانِ بصیرت کی آنکھوں کو نم کر دیتے ہیں۔ حسن عسکری کا یہ پیغام لوحِ تاریخ پر لکھے جانے کے قابل ہے۔

انساں کی آبرو ہے یہ معیارِ کربلا
پانی پہ حکمراں ہے علمدارِ کربلا

اب آخر میں اس مرثیے کے درج ذیل پانچ بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور

• پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی مرثیہ نگاری کی داد دیجیے۔

عہدِ شباب، شہرِ نگاراں نظر میں ہے
دوشِ ہوا پہ تختِ سلیماں نظر میں ہے
جانِ عزیز، مصر کا زنداں نظر میں ہے
پلکوں پہ آنسوؤں کا چراغاں نظر میں ہے
اس عمرِ مختصر کے فسانے عجیب ہیں
محتاج ہم شفا کے ہیں لیکن طبیب ہیں

غیروں سے دوستی کا زمانہ نہیں رہا
اپنوں سے بے رُخی کا زمانہ نہیں رہا
اظہارِ بے بسی کا زمانہ نہیں رہا
سچ ہے کہ سادگی کا زمانہ نہیں رہا
آوازۂ طرب میں صدائیں فقیر کی
لیتا ہے آج کون دعائیں فقیر کی

انساں کی زندگی میں اگر رزقِ غم نہ ہو
صبحِ طرب کا مژدہ ہو شامِ الم نہ ہو
نغمہ گری ہو لب پہ مگر آنکھ نم نہ ہو
گویا بیاضِ فکر کھلی ہو، قلم نہ ہو
ٹوٹے نشاطِ کرب سے رشتہ حیات کا
خیموں سے جیسے دور تھا پانی فرات کا

خوابِ سخن وری ہو کہ تعبیرِ زندگی
ظلمت سے منسلک ہے زمانے میں روشنی
شاخِ جنوں سے پھوٹ کے نکلی ہے آگہی
دامن بچائے کیسے کشاکش سے آدمی
سرخوش تھے ہم جو صحنِ گلستاں میں آ گئے
اب مطمئن کہ غم کے دبستاں میں آ گئے

یارب، ہمارے دل میں غمِ آرزو رہے
کشتِ دعا میں پھول کھلیں رنگ و بو رہے
فکرِ سخن میں ہر بنِ مُو باوضو رہے
حرفِ رثا میں دوڑتا تازہ لہو رہے
عشقِ علیؑ میں ہاتھ ہمارے قلم تو ہوں
اب صنفِ مرثیے میں حقائق رقم تو ہوں

۲۔ وقارِ سجدہ

سید الساجدین امام زین العابدینؑ کی مدح میں لکھا جانے والا یہ مرثیہ پروفیسر حسن عسکری کی شاعرانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس مرثیے کے آغاز میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ ان کے سینے کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مودت سے مالامال کر دے اور ان کے ذہن رسا کو وہ رزقِ شعور عطا کر دے کہ مرثیہ کہنا ان کے لیے انتہائی سہل ہو جائے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ محمدؐ کی آل کا ہر فرد منفرد اور یگانہ ہے اور اسی باعث اللہ نے عزت کا ہر نشان ان کے لیے مخصوص کر دیا ہے حتیٰ کہ نماز میں ان پر درود بھیجنا بھی واجب قرار دے دیا ہے۔ وہ آلِ محمدؐ کی مدح سرائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

ان کی رگوں میں خونِ محمدؐ کی گردشیں ٹھوکر پہ ان کی رہتی ہیں دنیا کی خواہشیں
یہ ہیں سراپا رحمتِ یزداں کی بارشیں قرآں کے ہر ورق پہ ہیں ان کی ستائشیں
سرمہ بنا جو برقِ تجلی سے طور کا
ہے استعارہ آلِ محمدؐ کے نور کا

شاعر احساس دلاتا ہے کہ محمدؐ کی آلؑ نے ہر مقام پر اسلام کے تحفظ اور بقا کے لیے اپنی بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں اور خاص طور پر کربلا کے میدان میں امام حسینؑ نے مقتل میں جس طرح سجدہ ریز ہو کر دینِ اسلام کا بھرم رکھا ہے اس کی مثال تاریخ انسانی میں مشکل ہی سے ملے گی۔ امام عالی مقامؑ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت سید سجادؑ نے اپنے والد ماجد کے پیغام کو پوری کائنات تک پہنچا دیا۔ شاعر نے حضرت سید سجادؑ کو قافلۂ غم کا ساربان، شہیدوں کا نوحہ خواں اور بہتر شہیدوں کے غم کا پاسباں قرار دیا ہے۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

جو ظلمتوں کے شہر میں روشن ضمیر ہے
جس کے لبوں پہ حق کی ثنائے کثیر ہے
عارض پہ جس کے اشکِ رواں کی لکیر ہے
جو سرزمین شام کا پہلا اسیر ہے
زین العباؑ سے زاہدِ شب زندہ دار ہے
ھذا سفر، حضر میں تہجد گزار ہے

شاعر نے حضرت سید سجادؑ کی غم انگیز کیفیات کو بڑے سلیقے سے اُجاگر کیا ہے۔ خاص طور پر شام کے بازار میں امام عالی مقامؑ کی جرأت و ہمت اور صبر و استقامت کو شاعر نے بڑے دلپذیر انداز میں بیان کیا ہے۔ شاعر نے نفسیاتی حربوں سے کام لے کر اپنے مرثیے کے مصائب کا تانا بانا بُنا ہے۔ ان کے مرثیے کا یہ شعر قابلِ توجہ ہے کہ اس میں پورے مرثیے کا نچوڑ آ گیا ہے۔

عابدؑ کا امتحاں تو سرِ شام ہو گیا
اس حوصلے سے دیں کا بڑا کام ہو گیا

اب آخر میں اس مرثیے کے درج ذیل پانچ بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی مرثیہ نگاری میں حزنیہ کیفیات کی پیش کش کی داد دیجیے۔

نیزے پہ سر بلند جو یوں شہؑ کا سر رہا
عابدؑ اسیرِ رنج و محن، نوحہ گر رہا
دُرّوں کی ضربتوں سے بدن خوں میں تر رہا
لیکن جفا کے سامنے سینہ سپر رہا
حق آشکار ہو کے رہا اہلِ شام پر
آیا نہ حرف آلِ محمدؐ کے نام پر

یہ جانتے تھے سید سجادؑ خستہ حال
بچوں میں ضبط ایسا ہے روئیں وہ کیا مجال
بھوکے بھی ہوں تو لب پہ نہ آئے کوئی سوال
اس مرحلے میں دینِ محمدؐ کا تھا خیال
یہ امتحانِ سخت بھی کیسا عجیب تھا
شمرِ لعین سر پہ تھا، کوفہ قریب تھا

ایوانِ صبر و ضبط پہ ڈالی تھی یوں کمند رکھتا تھا سر کو سجدے میں اکثر وہ سربلند
زنداں کی چھت قریب تھی تازہ ہوا تھی بند لیکن تھی ناتواں کو غذائے رضا پسند
زحمت اٹھائی گرچہ نہایت امامؑ نے
مانگی نہ مجرموں سے رعایت امامؑ نے

بے حرمتی آیۂ تطہیر کیا کہوں بازار شام میں ہوئی تشہیر کیا کہوں
اُمت نے کی جو آلؑ کی توقیر کیا کہوں قرآں کو ڈال دی گئی زنجیر کیا کہوں
ہر سمت دیکھنے کے لئے اژدہام تھا
طوقِ حیا سے سر کو جھکائے امامؑ تھا

دیکھا تھا کربلا میں بہتّر کا جس نے غم داغ فراق و داغ اسیری ہوئے بہم
زینؑ العبا کی اشک فشانی ہوئی نہ کم سر شکرِ کردگار میں کرتا رہا جو خم
دُنیا میں ایسا ایک بھی عابد نہیں کوئی
عابدؑ مثال ایک بھی زاہد نہیں کوئی

۳۔ عرفانِ شیر خوار

مرثیہ ''عرفانِ شیر خوار'' حضرت امام حسینؑ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت علی اصغر کے احوال میں رقم کیا گیا ہے۔ اس مرثیے کی تمہید میں حسن عسکری کاظمی نے بچپن کو رحمتِ یزداں، چشمۂ حیواں، رونجات کا ساماں، شعاعِ نور، مژدۂ جاں فزا، ذوق بصارت، حرف بشارت، تجلیوں کی عبارت، زندگی کی حرارت، برگِ گل، حرفِ معانی، آبِ نیساں، مطلعِ روشن، ابد آشنا، صحن چمن کی بہار اور رحمتِ پروردگار قرار دیا ہے۔ آپ بھی ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

جہاں میں طفل خود اپنی مثال ہو جیسے کہ بے نقاب خدا کا جمال ہو جیسے
چمن میں جھومتا کومل نہال ہو جیسے مزاجِ فطرتِ ہستی بحال ہو جیسے

فضائے قلب و نظر میں وہ رنگ بھرتا ہے
وہ بے زباں ہے مگر گفتگو بھی کرتا ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ یوں تو ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور سب سے پہلے خدا کی قدرت کی گواہی دیتا ہے لیکن اس دنیا میں بعض بچے اپنی مثال آپ ثابت ہوئے ہیں۔ خاص طور پر موسیٰ عمرانؑ، مسیحِ زماںؑ، شاہدِ یوسفؑ، یتیم عربؐ، مباہلے میں آغوشِ مصطفےؐ کا مکیں، خانۂ کعبہ میں دستِ رسولؐ پر گفتگو کرنے والا اور کربلا کے میدان میں بے شیر جنگ کرنے والا اپنی مثال آپ ہیں۔

کرب و بلا کے میدان میں حضرت علی اصغرؑ کی عمر صرف چھ ماہ تھی مگر ان کے حوصلے بلند تھے اور وہ جذبۂ شہادت سے معمور تھے۔ چمنِ عترتِ اطہار کے گلِ نودمیدہ نے اپنے لہو سے ریگزارِ کربلا پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر کر کے اہلِ عالم کو یہ پیغام دیا کہ حق کی رضا کی خاطر قربانی پیش کرنے میں سن و سال کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ آپ بھی ایک حزنیہ بند ملاحظہ فرمائیے:

عروج، دستِ پدر پر ملا تھا اصغرؑ کو — اجل نے چپکے سے مژدہ دیا تھا اصغرؑ کو
بجھے گی پیاس یقیں ہو گیا تھا اصغرؑ کو — کہ ماں نے آپ روانہ کیا تھا اصغرؑ کو

ادھر سے حرملہ نکلا کمان تولے ہوئے
ربابؑ خیمے کے اندر تھی بال کھولے ہوئے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ کربلا میں یزیدی فوج کے بدنہادوں نے اس ننھے شیر خوار پر بھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے اور تاریخِ انسانی میں یہ پہلا ننھا شہید ہے جس کے خون سے اسلام کو حیاتِ نو ملی۔ شاعر آخر میں دعا کرتا ہے کہ۔

خدا کرے کہ زمانے کو اب قرار ملے
ہر ایک فرد کو عرفانِ شیر خوار ملے

اب آخر میں اس مرثیے کے درج ذیل پانچ بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی مرثیہ نگاری کی داد دیجیے۔

بنائے عرش ہلائی تھی بدنہادوں نے — گھر کی اصل نہ جانی تھی سنگ زادوں نے
کیا تھا ظلم بھی کچھ کم نہ کم سوادوں نے — پلایا پانی نہ بچے کو نامرادوں نے
پسر کے منہ پہ تھپیڑے جو لُو کے پڑتے تھے
بلا کی دھوپ میں نیزے جگر میں گڑتے تھے

زباں لبوں پہ پھرائی فضا بھی رونے لگی — وہ مسکرایا تو حجت تمام ہونے لگی
سپاہِ شام بھی اشکوں سے منہ کو دھونے لگی — گریباں چاک اجل اپنے ہوش کھونے لگی
چلا جو تیر تو آیا وہ زلزلہ رن میں
حیات لرزہ براندام ہو گئی بَن میں

گلے کو چوم کے شبیرؑ نے بس اتنا کہا — یہ تیرا حوصلہ اصغرؑ ستم کو ہنس کے سہا
نظر ملا کے عدو سے خراج لے کے رہا — پدر کے ہاتھوں پہ گردن سے تیری خون بہا
اگرچہ ظلم تو دیکھے ہزار دنیا میں
ہوا نہ قتل کوئی شیر خوار دنیا میں

ترے لبوں کا تبسم رُلائے گا سب کو — کنارِ دجلۂ اُلفت بلائے گا سب کو
ترا اشارۂ ابرو بتائے گا سب کو — ستمگروں کا فسانہ سنائے گا سب کو
خدا کو ہو گی ضرورت تری گواہی کی
تو ایک زندہ علامت ہے بے گناہی کی

بقا ملی ہے مرے نام کو ترے خوں سے — ملا دوام مرے کام کو ترے خوں سے
حیاتِ نو ملی اسلام کو ترے خوں سے — سجا دیا ہے در و بام کو ترے خوں سے
خدا کی راہ میں بے تیغ کیا جہاد کیا
ہوا میں سرخرو، دل میرا تو نے شاد کیا

۴۔ مرثیہ حضرتِ ابوذر غفاریؓ

معروف صحابیِ رسولؐ، عاشقِ صادق، کلمۃ الحق کے نگہبان اور سچ کے علمبردار حضرت ابوذر غفاریؓ کی سیرت و کردار کے احوال میں لکھا گیا یہ دلپذیر مرثیہ حسن عسکری کاظمی کی جودتِ طبع کا مظہر ہے۔ شاعر نے تمہید میں امام زماں حضرت امام مہدیؑ کو مخاطب کر کے اپنے اور اپنے عہد کے آلام و مصائب پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ ہم ایک جانب تو امامؑ کے دیدار کے متمنی ہیں اور دوسری جانب ہمارے اعمال انتہائی کم تر ہیں۔ ہم جس دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ شفا کی محتاج، مائل بہ جنگ اور چاہِ مذلت میں گری ہوئی ہے۔ وہ دنیا کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

منہ زور کو غرض ہے خود اپنی مراد سے　　دنیا کو رزق ملتا ہے تخمِ فساد سے
فتنہ گری کے فن کا ہے رشتہ عناد سے　　پہچان کینہ ور کی ہے رنگِ تضاد سے
دنیا کے طور اور ہیں گفتار اور ہے
اس خانماں خراب کا کردار اور ہے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہ دنیا اپنی عشوہ طرازیوں سے سب کو اپنی زلفِ گرہ گیر کا اسیر بنا لیتی ہے اور پھر انہیں معاشرے میں ذلیل و رسوا کرتی ہے۔ خاص طور پر شام کے حکمرانوں نے جس طرح دینِ مصطفویؐ چھوڑ کے دنیا کے حرص و آز میں اپنے آپ کو برباد کر لیا اس کی مثال بھی ملنا مشکل ہے تاہم اسی ملک شام میں ایک ایسا مردِ قلندر بھی موجود تھا جو اہلِ دنیا پر دنیا کی حقیقت آشکار کرتا رہتا تھا۔ یہ مردِ جری حضرت ابوذر غفاریؓ تھے جنہوں نے شام کی سلطنت میں صبح کے آثار پیدا کرنے کی کاوشیں کیں.

انہوں نے ہوس کاروں کو پیغام دیا کہ

عہدِ رواں میں فکر کی پستی عذاب ہے　　اوروں کے کام آنا تو عین ثواب ہے
جب آنکھ کھل گئی تو یہ منظر بھی خواب ہے　　یہ مستعار عمر تو مثلِ حباب ہے

دنیا ہے چند روزہ یہ سب جانتے نہیں
تم اہلِ شام، حق کو بھی پہچانتے نہیں

حضرت ابوذر غفاریؓ کی بصیرت آموز اور حق شناس باتوں نے اہلِ شام کو کبیدہ خاطر کر دیا اور وہ مختلف حیلے بہانوں سے حضرت ابوذر غفاریؓ کی زباں بندی کے لیے شاطرانہ منصوبے بنانے لگے۔ آخر کار امیرِ شام نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو شام بدر کر دیا اور رسول کا یہ جلیل القدر صحابی دربدر ہو گیا۔ انہیں پشتِ شتر سے باندھ کر صحرا میں بھیج دیا گیا۔ جب حضرت ابوذر غفاریؓ صحرائے ربذہ روانہ ہوئے تو صرف آلِ نبیؐ نے انہیں رخصت کیا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک معصوم بیٹی ان کے ساتھ ہم رکاب تھی۔ اس بچی کے دل میں اپنے والد کی خدمت کا جذبہ موجزن تھا۔ اس بچی نے بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ معاشرے کے آلام و مصائب برداشت کیے مگر رضائے الٰہی کے سامنے خموش رہی۔

شاعر نے صحرائے ربذہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے قیام کی کیا خوب منظر کشی کی ہے:

سیراب اس جہاں سے وہ تشنہ دہن ہوا
ربذہ میں ریگِ گرم پہ وہ خیمہ زن ہوا
عشقِ خدا میں دشت بھی اس کو چمن ہوا
مانا مقامِ غیر تھا پھر بھی وطن ہوا
خوش آ گئی تھی اس کو اطاعت کی زندگی
صحرا کی خامشی میں عبادت کی زندگی

صحابیِ رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ کو دشت میں جو مصائب و آلام برداشت کرنا پڑے۔ وہ تاریخ اسلامی کے منہ پر ایک زوردار طمانچے سے کم نہیں ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اسی کسمپرسی کی حالت میں دنیا سے روانہ ہو گئے۔ اب اس صحرائے بے اماں میں وہ بچی تنہا رہ گئی۔ اس المناک منظر کو شاعر نے انتہائی دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

جائے کہاں خبر نہیں جنگل کی راہ کی
گھبرا کے اس نے جانب یثرب نگاہ کی
بالوں میں خاک ڈال کے حالت تباہ کی
کچھ ہو سکا نہ اس سے تو اک سرد آہ کی

صدمے سے اس غریب کا دل پاش پاش ہے
وہ ناتواں ہے خیمے میں بوذرؓ کی لاش ہے

آخر کار ایک قافلے والوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے کفن دفن کا انتظام کیا اور اس بچی کو پیار و محبت کے ساتھ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس موقع پر شاعر کی چشمِ بصیرت نے واقعات کربلا پر نظر دوڑائی تو اسے حضرت سکینہؓ کی بے کسی و بے بسی نے خون کے آنسو رُلا دیے۔ شاعر صاحبانِ بصیرت سے ملتمس ہے کہ وہ حضرت ابوذر غفاریؓ پر ظلم و ستم ڈھانے والوں کا احتساب کریں۔ شاعر تلقین کرتا ہے کہ ہر مومن کو اپنے دل میں چراغ بوذریؓ روشن کر لینا چاہیے کیونکہ۔

مومن میں وصف بوذریؓ آئے تو بات ہے
وہ حرف حق زبان پہ لائے تو بات ہے

اب آخر میں اس مرثیے کے درج ذیل پانچ بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی مرثیہ نگاری کی داد دیجیے۔

لکھا ہے جب مدینے سے ربذہ ہوئے رواں ضبطِ فغاں سے ساری فضا تھا دھواں دھواں
جاری ہوا تھا حاکمِ دوراں کا یہ بیاں بوذرؓ کے ہمرکاب جو ہوگا تو ہے زیاں
دیکھا تو صرف ایک گھرانہ نبیؐ کا تھا
بوذرؓ کا ساتھ دینے فقط دم علیؑ کا تھا

کس کی مجال آئے جو حیدرؑ کے سامنے لائے کوئی دلیل جو صفدرؑ کے سامنے
سب کی زبان گنگ تھی شبرؑ کے سامنے دم مارے کون سبطِ پیمبرؐ کے سامنے
رخصت کے وقت ضبط کا عالم نہ پوچھیے
کیسے چھپایا دیدۂ پُرنم نہ پوچھیے

بوذرؓ کی ایک بیٹی تھی معصوم سی کلی
صحرا میں ہمرکاب تھی نازوں کی وہ پلی
وہ خدمتِ پدر کے لئے ساتھ ہی چلی
دل میں بھری ہوئی تھی مگر اُلفتِ علی
مڑ مڑ کے دیکھنا وہ زیارت کے شوق میں
گردن پھنسی ہوئی تھی غریبی کے طوق میں

اک دشتِ بے امان کا منظر نظر میں تھا
بیٹی تھی ساتھ ضعف سا قلب و جگر میں تھا
مروان تھا مدینے میں، بوذرؓ سفر میں تھا
اک زلزلہ سا روح کے دیوار و در میں تھا
بوذرؓ مزاج ایک بھی عاشق یہاں نہیں
ثابت ہوا ثبات کے منہ میں زباں نہیں

کیا یادگارِ وقت ہیں دنیا کے مکر و فن
اک رہ گیا تھا رہنے کو محرومیوں کا بن
تھا دشتِ بے طلب میں جو بوذرؓ ساختہ تن
دنیا سے جب اٹھا تو نہ تھا پاس بھی کفن
صحرا میں آ کے چھوڑا نہ اس نے اصول کو
سچ کر دکھایا اس نے حدیثِ رسولؐ کو

۵۔ توقیرِ حریت

یہ مرثیہ کربلا کے میدان میں چراغِ حریت روشن کرنے والے بے مثال مجاہد حضرتِ حُرؓ کے احوال میں قلمبند کیا گیا ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے تمہید میں واضح کیا ہے کہ انسانی حیات میں ''حریت'' کو ایک معزز مقام حاصل ہے اور آبرومند نگاہوں میں ہمیشہ حریت کے چراغ روشن رہتے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ وہ حضرتِ حُرؓ سے بے پناہ محبت اور اُلفت کرتے ہیں اور ان کی دیرینہ حسرت ہے کہ وہ رثائی ادب میں حضرت حُرؓ پر بے مثال مرثیہ قلم بند کریں تاکہ ان کی بیاضِ سخن حضرتِ حُرؓ کے نام منسوب ہو جائے، وہ رقم طراز ہیں:

افسردہ لب ہوں کیفِ طلب چاہتا ہوں میں　　معیارِ زندگی کا سبب چاہتا ہوں میں
رنگِ ریا مزاج میں کب چاہتا ہوں　　لائے جو حریت وہ ادب چاہتا ہوں میں

ٹپکے تمام رنگِ دیانت کلام سے
منسوب ہو بیاضِ سخن حُرؒ کے نام سے

شاعر کا موقف یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں ہر سمت کاروانِ اذیت رواں دواں ہے۔ ہمارے سروں پر نخوت و نفرت کا سائباں محیط ہے۔ تمام نفوس انسانی صحرائے بے امان میں بھوکے پیاسے جاں بلب ہیں جبکہ اعدائے دین مسندِ عزت پر جلوہ گر ہیں اور اس کائنات کی نبضِ حیات ان کے تصرف میں ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان انتہائی ذلت آمیز زندگی گزار رہے ہیں۔ شیخِ حرم کی دعائیں بے اثر ہو چکی ہیں۔ مسلمان اپنی ہی زمین پر بے نوا ہو چکے ہیں۔ کشمیر، بوسنیا، فلسطین اور کربلا میں اہلِ مغرب نے اپنی سازشوں کے جال پھیلا دیے ہیں اور بھولے بھالے مسلمان اس میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس صورت حال میں ایک مردِ قلندر، ایک جرأت مند اور ایک اسلامی حقیقت سے آشنا حضرت حُرؒ کی تلاش ہے جو حق و باطل کی اس آویزش میں حق کا طرف دار ہو کر دنیا کو راہِ ہدایت دکھا سکے۔ بقول شاعر:

دل کا سفینہ بحرِ انا میں گھرا ہوا　　بے رہروی کی موجِ بلا میں گھرا ہوا
حُرؒ عہدِ نو کا فوجِ جفا میں گھرا ہوا　　تنہا ستارا جیسے گھٹا میں گھرا ہوا

اس مرحلے پہ پھر وہی میداں کا رنگ ہو
ممکن ہے ابنِ سعد کے لشکر سے جنگ ہو

شاعر کے نزدیک حضرتِ حُرؒ پروانۂ چراغِ امامت، آئینۂ جمالِ شہادت، حق آشنا، شاہدِ عصمت، صبحِ انقلاب کا نقشِ دوام، حسینؑ شناسی سے آگاہ اور دلِ کائنات پر روشن ستارے کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ کربلا کے میدان میں اپنے مثبت طرزِ عمل کے باعث

حضرت حُرؓ کا کردار آج بھی مثالی ہے۔ بقول شاعر :

درسِ وفا جو زندہ دبستانِ حُرؓ میں ہے　　　وہ رنگِ دلکشی کہ جو پیمانِ حُرؓ میں ہے
اب تک بہارِ غم جو گلستانِ حُرؓ میں ہے　　　وہ شمعِ حریت جو شبستانِ حُرؓ میں ہے
مستقبلِ بشر کے لئے آفتاب ہے
حُرؓ صرف ایک نام نہیں انقلاب ہے

آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرتِ حُرؓ کی امام حسینؑ کی فوج میں شمولیت اور میدانِ جنگ میں ان کی بہادری سے شہادت کو موضوع بنایا ہے۔ شاعر نے انتہائی ملال انگیز انداز میں حضرت حرؓ اور امام حسینؑ کی گفتگو پیش کی ہے۔ حسن عسکری کاظمی حضرت حُرؓ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے آخر میں کہتے ہیں ۔

اُٹھے گا جب بھی درد دلِ پاش پاش میں
نکلیں گے ہم قبیلۂ حُرؓ کی تلاش میں

اب آخر میں اس مرثیے کے درج ذیل پانچ بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی مرثیہ نگاری کی داد دیجیے۔

حُرؓ کو ملا جو وارثِ تطہیر کا سلام　　　منہ پر طمانچے مار کے اتنا کیا کلام
اللہ کیا ہے رنج و مصیبت کا یہ مقام　　　مجھ کو سلام بھیجتی ہیں خواہرِ امام
جی چاہتا ہے حالتِ دل یوں بیاں کروں
اپنے گلے پہ آپ ہی خنجر رواں کروں

اس کیفیت میں پھر قدمِ شاہ پر گرا　　　کی عرض اب تو اذنِ وغا کیجئے عطا
دم گھٹ رہا ہے آپ کے عاصی غلام کا　　　مر جاؤں گا جو لحظۂ تاخیر اب ہوا
تسکین کچھ تو دیجئے حُرؓ کے ضمیر کو
میں کیا جواب دوں گا جنابِ امیرؑ کو

آخر کہا امامؑ نے مہمان الوداع اے حق شناس فکر کے انسان الوداع
تو ہو رہا ہے دین پہ قربان الوداع اے میرے ذی حشم مرے ذی شان الوداع
پیاسا تمام گھر ہے بہت بے قرار ہوں
پانی بھی میں پلا نہ سکا شرمسار ہوں

اذنِ وغا پہ حُرؑ کو میسّر ہوا قرار تسلیم کر کے آیا فرس پر وہ ذی وقار
میداں کی سمت شیر نے موڑا جو راہوار قسمت پکار اٹھی حُرؑ غازی ترے نثار
بیٹے کا غم بھلا کے فدائے حسینؑ ہے
اے حُرؑ ترے قدم پہ سرِ مشرقین ہے

چمکی حسام گرم ہوا دشتِ کارزار باغِ اجل میں آئی نئے رنگ سے بہار
بھرپور تھے جو ناصرِ دینِ خدا کے وار دیکھا یہ ابنِ سعد نے بے سر ہیں سب سوار
تبدیلیاں تھیں ظلم تماشوں کی شکل میں
سارا غرورِ فوج تھا لاشوں کی شکل میں

بیسویں صدی میں جدید اُردو مرثیے کو فروغ دینے والوں میں حسن عسکری کاظمی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے مرثیے کے فروغ کے لیے تین سطحوں پر کام کیا ہے۔ پہلی سطح پر انہوں نے پانچ جدید مرثیے لکھ کر خود کو جدید مرثیہ نگاروں کی صفِ اوّل میں شامل کرایا ہے۔ دوسری سطح پر انہوں نے جدید مرثیہ اور مرثیہ نگاروں پر بے شمار مضامین لکھ کر مرثیے کے تنقیدی اور تحقیقی سرمائے میں بے پناہ اضافہ کیا ہے اور تیسری سطح پر انہوں نے مرثیے کے فروغ کے لیے مختلف علمی و ادبی تنظیموں کے ذریعہ مجالسِ مرثیہ کا انعقاد کرا کے اس صنف کو عوام الناس میں مقبول کرانے کی مشکور سعی کی اور یہ سلسلہ اسی آب و تاب سے آج بھی جاری و ساری ہے۔ اس سلسلے میں معروف نقاد سیّد عاشور کاظمی کی یہ رائے ملاحظہ فرمایئے:

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے علمی، ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ ہر صنف ادب میں طبع آزمائی کی۔ تنقید نگاری، کالم نگاری، شاعری میں نام پیدا کیا۔ غزلیں کہیں، نغمے اور ملی ترانے کہے، خود مسالمے اور سیمینارز کرائے، ریڈیو پر غزل سرائی کے علاوہ مرثیے پڑھے حتیٰ کہ کراچی کی مجالس میں مرثیہ خوانی کے لیے لاہور سے بلائے جاتے رہے ہیں۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی اُن مرثیہ گو شعرا میں سے ہیں جنہوں نے اپنی انفرادیت سے خود کو منوایا ہے۔ انہوں نے مرثیہ کے روایتی تسلسل کو باقی رکھا ہے۔ اُس میں توڑ پھوڑ نہیں کی مگر مرثیے کے فریم میں نئے فکرونظر اور عصری تقاضوں کی تصاویر آویزاں ہیں۔

”——

(سید عاشور کاظمی، اُردو مرثیے کا سفر، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۹۳۷)

اپنے مرثیوں میں حسن عسکری کاظمی نے جدید مرثیے کے مطالبات وضروریات پر روشنی ڈالی ہے اور جدید مرثیے کی تخلیق کے حوالے سے اپنے نظریات پیش کیے ہیں:

افسردہ لب ہوں کیفِ طلب چاہتا ہوں میں — معیارِ زندگی کا سبب چاہتا ہوں
رنگِ ریا مزاج میں کب چاہتا ہوں — لائے جو حریت وہ ادب چاہتا ہوں میں
ٹپکے تمام رنگِ دیانت کلام سے
منسوب ہو بیاضِ سخن حُرؑ کے نام سے

اعلیٰ کلام سے ہے تقاضائے مرثیہ — مثبت خیال ہو چمن آرائے مرثیہ
ہر ذہن ہو معطرِ گلہائے مرثیہ — ایماں عروج پائے بہ ایمائے مرثیہ
ہر لفظ روشنی کی نئی کائنات ہو
کچھ بات ہو تو حُرؑ کے مقدر کی بات ہو

دل دادۂ سخن کی ہے پہچان مرثیہ
ہر عہد میں شعور کا فرمان مرثیہ
تحریک حریت ہے، تو اعلان مرثیہ
یوں کہیے انقلاب کی میزان مرثیہ
جس سے صداقتِ بشری مستنیر ہے
وہ مرثیہ جہانِ وفا کا ضمیر ہے
تخلیقِ مرثیہ ہے طبیعت کی آبرو
تہذیب مرثیہ ہے شرافت کی جستجو
اس آبِ غم سے غیرتِ انساں ہے باوضو
انسان مرثیے کی بدولت ہے سرخرو
ایوان ہے عدالتِ افکار کے لئے
یہ نظمِ زندگی ہے سخن زار کے لئے

(مرثیہ توقیرِ حریت) ....

یارب مجھے بیان کی وسعت وہ کر عطا
رکنے نہ پائے میرے خیالوں کا سلسلہ
تخلیقِ شعر میں نہ ہو مشکل کا سامنا
آساں ہو مجھ پہ مرثیہ کہنے کا مرحلہ
خونِ جگر سے جب کوئی مصرعہ رقم کروں
نادِ علی میں حرف کے سینے پہ دم کروں
وہ مرثیہ کہ جس میں ہو ایجاز و اختصار
حسنِ بیاں وہ جس سے حقائق ہوں آشکار
ایسے نکات جو کہ سماعت پہ ہوں نہ بار
سن کر فضائے ذہن سے چھٹنے لگے غبار
وہ ذکر جس میں آج بھی رنگِ ثبات ہے
قصہ وہ غم کا مجھ سے بیاں ہو تو بات ہے

(مرثیہ وقار سجدہ) ....

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حسن عسکری کاظمی نے اپنے ہی پیش کردہ نظریات کو اپنے جدید مرثیوں میں اہمیت دی ہے یا نہیں......؟؟

حسن عسکری کاظمی کے مرثیوں کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ روایتی

مرثیوں سے کسی حد تک مختلف ہیں۔ ان کے تمام مرثیوں میں سماجی شعور بدرجۂ اتم جھلکتا ہے۔ وہ معاشرتی مسائل کو مرثیوں کا موضوع بناتے ہیں اور ان مسائل کے حل کے لیے کربلا کے غم کو مرہم قرار دیتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

غیروں سے دوستی کا زمانہ نہیں رہا　　اپنوں سے بے رُخی کا زمانہ نہیں رہا
اظہار بے بسی کا زمانہ نہیں رہا　　سچ ہے کہ سادگی کا زمانہ نہیں رہا
آوازۂ طرب میں صدائیں فقیر کی
لیتا ہے آج کون دعائیں فقیر کی

چادر ہے مصلحت کی سروں پر تنی ہوئی　　ہم سے سخن وروں کی ہے جاں پر بنی ہوئی
سینے میں اب تو سانس سناں کی انی ہوئی　　چھاؤں کدورتوں کی دوبارہ گھنی ہوئی
فکرِ رسا کا پھول بھی وقفِ خزاں ہوا
کاندھوں پہ سر بھی سر نہیں، بارِ گراں ہوا

ہر فرد نفرتوں کے شکنجے میں ہے جہاں　　کہنے کو ایک تو ہے مگر قوم اب کہاں
رائج وہی قبائلی دستور ہے یہاں　　کوفے کی سرزمین پہ اُترا ہے کارواں
بدعہدیوں سے اب نہیں فرصت غضب ہوا
دنیا سے اُٹھ چکی ہے مروّت غضب ہوا

(مرثیہ: سقائے حرم)

دیکھا تو اپنا حال بھی کچھ مختلف نہیں　　ہم بھی زوالِ دین پہ رسما ہیں دل حزیں
بھیگی ہوئی پسینے میں رہتی ہے یوں جبیں　　کہنے کو حق پرست ہیں دُنیا سے ہیں قریں
ڈر ہے سماعتوں میں نہ آیا فتور ہو
پٹی بندھی ہو آنکھوں پہ ان کا ظہور ہو

ہر سمت واہوئے ہیں یہاں خودسری کے باب　　تعمیر نفرتوں نے کیے تیرگی کے باب
اہلِ خرد پہ بند ہوئے روشنی کے باب　　کھلتے کہاں سے ذہن پہ پھر آگہی کے باب

دنیا حصارِ جہل میں محصور ہو گئی
حق یہ کہ حق سے اور بھی کچھ دور ہو گئی
کیجیے جو غور آج کی دُنیا عجیب ہے محتاج ہے شفا کی مگر خود طبیب ہے
مائل بہ جنگ، امن کی پھر بھی نقیب ہے اس کشمکش میں موت سے کتنی قریب ہے
دنیا قریبِ چاہِ مذلت کھڑی ہوئی
نفرت کی جیسے کیل ہے دل میں گڑی ہوئی

(مرثیہ: حضرت ابوذر غفاریؓ)

آپ کو حسن عسکری کاظمی کے مختلف مرثیوں کے چند بندوں کا مطالعہ فرمانے کے بعد اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ عصرِ حاضر کے حالات سے بے حد کبیدہ خاطر ہیں تاہم انہیں یقین ہے کہ اگر آج بھی دنیا محمدؐ و آلِ محمدؑ کی صدقِ دل سے تقلید کرلے تو وہ معاشرے میں سرخرو ہو سکتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے معاشرے کے ہر طبقے پر طنز کے تیر بھی برسائے ہیں تاہم اپنے لب و لہجے کو کہیں بھی تند و ترش نہیں ہونے دیا۔ اسی طرح ان کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ انہوں نے شعوری سطح پر اصلاحِ معاشرہ کی کاوش بھی کی ہے لیکن نہ تو اپنے مرثیوں کو پند و نصیحت سے گراں کیا ہے اور نہ خود ناصح و واعظ کے روپ میں سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں بگڑی قوم کو آئینہ دکھانے کی کامیاب کاوش کی ہے۔

حسن عسکری کاظمی کے تمام مراثی موضوعات کے اعتبار سے کلاسیکی اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت عباسؑ سے لے کر حضرت حُرؑ تک کے تمام مراثی اردو مرثیے کے ذخیرے میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی نے کمال یہ کیا ہے کہ ان پرانے موضوعات کو نئے انداز میں بیان کرنے کی کاوش کی ہے۔ اس طرح ان کے مرثیے جدّت اور کلاسیکیت کا حسین امتزاج پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں معروف نقاد اور محقق

ڈاکٹر ہلال نقوی رقمطراز ہیں:

"

حسن عسکری کاظمی نے روایتی تسلسل کو مرثیے میں باقی رکھا لیکن نئے
خیالات اور فکر و نظر کے نئے ڈھنگ سے بھی کام لیا۔

"

(ہلال نقوی ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، کراچی: محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء، ص ۳۳۷)

حسن عسکری کاظمی کے مرثیوں میں درد و غم کی ایک فضا موجزن رہتی ہے اور خاص طور پر مرثیوں کے بکائیہ بند تو ایک خاص طرح کا سماں پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے تمام مرثیوں میں اہلبیتؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم کا ذکر بڑے دردناک انداز میں موجود ہے تاہم ان کا مرثیہ "عرفانِ شیر خوار" اپنے اندر حزن و ملال کا ایک سمندر لیے ہوئے ہے۔ اب ذیل میں حسن عسکری کاظمی کے مختلف مرثیوں کے چند بند ملاحظہ فرمائیے اور اُس میں حزن و ملال کی کیفیات دیکھیے۔

لائے علم حسینؑ جو خیموں کے درمیاں   چھایا وہ غم کہ ہو گئیں بے ہوش بیبیاں
سویا ہوا فرات پہ عباسؑ سا جواں   پھیلا ہوا وہ پیاس کے صحرا کا آسماں
جینا جو اب محال ہے ابنِ بتولؑ کا
یہ داغ ہے محافظِ آلِ رسولؐ کا

وہ خیمے اور ماتمِ عباسؑ کی صدا   سب کے لبوں پہ ہائے علمدار باوفا
صدیوں کے بعد آج بھی کہتی ہے کربلا   عباسؑ کی وفا سے ہے پرچم حسینؑ کا
سچ ہے فضائے حشر میں زہراؑ جب آئیں گی
ہاتھوں پہ اپنے بازوئے عباسؑ لائیں گی

(مرثیہ سقائے حرم)

آنے لگے جو کوفے کے دیوار و در نظر عابدؑ برہنہ پا کو نہ اپنی رہی خبر
کرنے لگا تلاوتِ قرآن شہؑ کا سر زینبؑ نے کی نگاہ تو پھٹنے لگا جگر
یاد آ گیا کہ شہر میں توقیر تھی کبھی
زینبؑ کے سر پہ چادرِ تطہیر تھی کبھی

نیزے پہ سربلند جو یوں شہؑ کا سر رہا عابدؑ اسیرِ رنج و محن، نوحہ گر رہا
دُرّوں کی ضربتوں سے بدن خوں میں تر رہا لیکن جفا کے سامنے سینہ سپر رہا
حق آشکار ہو کے رہا اہلِ شام پر
آیا نہ حرف آلِ محمدؐ کے نام پر

یہ جانتے تھے سیدِ سجادؑ خستہ حال بچوں میں ضبط ایسا ہے روئیں وہ کیا مجال
بھوکے بھی ہوں تو لب پہ نہ آئے کوئی سوال اس مرحلے میں دینِ محمدؐ کا تھا خیال
یہ امتحانِ سخت بھی کیسا عجیب تھا
شمرِ لعین سر پہ تھا، کوفہ قریب تھا

(مرثیہ: وقارِ سجدہ)

حسن عسکری کاظمی کے مرثیوں کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے تاہم کبھی کبھی وہ مرصع زبان بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ صنائع لفظی و معنوی سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور تشبیہات و استعارات کے استعمال پر انہیں بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ آپ ان کے مرثیوں کے درج ذیل بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور ان میں موجود اسلوب کے مختلف ذائقوں کا لطف اٹھایئے:

دنیا ہے اقتدار کی چوکھٹ پہ سجدہ ریز ٹھ ہے کہ رغبتوں نے سجائے یہاں جہیز
اس عہدِ کم نظر میں قدم ہیں کچھ اور تیز صحنِ ہوس میں شاخِ وزارت ہے عطر بیز
دربارِ شام نقش ہے ذہنِ جہول پر
قائم رہا نہ کوئی بھی اصلِ اصول پر

وہ خود پرست، دین کا دشمن وہ کم نظر — وہ شب گزیدہ، بے سروساماں وہ بے سحر
اسلاف کی صفات کا مظہر وہ خیرہ سر — دامن تمام اس کا گناہوں سے تر بتر
نشے میں آیا دل کی گرہ کھولتا ہوا
تنگ بندیوں میں ظلمتِ شب گھولتا ہوا

وہ برگِ گل کہ ہے جگنو کہ قطرۂ شبنم — ربابِ فطرتِ سادہ کا جانفزا سرگم
لب اس کے نغمہ سرا ہیں تو آنکھ ہے پُرنم — کہ جیسے نصب ہے عشرت کدے میں خیمۂ غم
نشاطِ کرب سے جو بے خودی سی طاری ہے
اسی کے ایک تبسم کا وار کاری ہے

یہی وہ غنچۂ نورس نہیں ہے جس کا بدل — دلوں میں جس کا تبسم بھی ڈال دے ہلچل
صبا قریب سے گزرے سنبھال کر آنچل — یہی وہ آئینہ جس میں ظہورِ حسنِ ازل
خدا کو دیکھنے والے ادھر نگاہ کریں
پلٹ کے دیکھ لیں بچپن، تو واہ واہ کریں

کمال صبر پہ خوں روئی آنکھ دریا کی — سمٹ کے رہ گئیں سب وسعتیں بھی صحرا کی
کمائی لٹ گئی کرب و بلا میں زہراؑ کی — ہوئی نہ حدِ ستم ختم پھر بھی اعدا کی
ذرا سی دیر میں پامال سب چمن ہو گا
سناں کی نوک پہ اصغرؑ سا گلبدن ہو گا

اے خرؔ جہاں بھی فرشِ عزا سے بچیں گے گھر — برپا جہاں بھی ہو گا غمِ شاہِ بحر و بر
ماتم جہاں کریں گے عزادار نوحہ گر — اے خرؔ جہاں بھی روئے گا کوئی حسینؑ پر

ہر عہد کی زباں سے یہ اعزاز پائے گا
آلِ نبیؐ کے ساتھ ترا نام آئے گا

....

بازو کٹا کے سوئے تھے عباسِ صف شکن   خوں میں نہا چکا تھا جگر گوشۂ حسن
سویا ہوا تھا خاک پہ اکبرؑ سا گل بدن   سبطِ نبیؐ کی لاش تھی صحرا میں بے کفن
پوتی علیؑ کی آج بہت تشنہ کام تھی
صحرائے کربلا میں یتیمی کی شام تھی

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے مرثیوں کے حوالے سے ناصر زیدی کی یہ را
بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

"

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا شعری سفر خاصا طویل ہے۔ ''دشتِ بے صدا''، ''خیمۂ خیال''، ''سرورِ کائنات'' اور ''مقصودِ کائنات'' کی خاطر خواہ پذیرائی کے بعد، پانچویں کتاب، پانچ طویل مختصر مرثیوں پر مشتمل ''کنارِ دجلۂ اُلفت'' کے عنوان سے اہلِ نظر کے سامنے ہے۔ گویا غزل، نعت، منقبت اور سلام کے بعد وہ مرثیہ گوئی کی طرف آئے ہیں اور پوری ذہنی وفکری اور شاعرانہ فنی پختگی کے بعد آئے ہیں۔

مرثیہ کہنا فی الحقیقت بڑا مشکل کام ہے، اس کے لئے تواریخ سیرت وسوانح پر عبور کے ساتھ دلِ دردمند کی ضرورت پڑتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے کلام میں عقیدے سے مکمل طور پر وابستگی تو ورثے میں ودیعت ہوئی ہے۔ اہلِ بیتؑ، شہدائے کربلا اور آئمۂ اطہارؑ سے عقیدت گھٹی میں ملی ہوئی ہے۔ وزن، اوزان کا معاملہ طبعِ رسا کے ساتھ، صاحبانِ علم وفن کی صحبتوں کے سبب بھی حرف گیری سے مبرا ہے۔

''سقائے حرم''، ''وقارِ سجدہ''، ''عرفانِ شیر خوار''، ''حضرت ابوذر غفاریؓ اور ''توقیرِ حریت'' کے عنوان سے پانچوں مرثیوں میں حضرت عباس علمدارؑ، حضرت امام زین العابدینؑ (بیمارِ کربلا)، حضرت علی اصغر (کربلا کے ننھے شہید)، دنیا کے پہلے ترقی پسند حضرت ابوذر غفاریؓ، حریتِ فکر وعمل کے پیکر حضرت حُرؑ کی عظمتوں کی داستانِ دل پذیر، پورے شاعرانہ جمال وکمال کے ان مرثیوں میں قاری کی توجہ کھینچتی ہے۔ میری ناچیز رائے میں یہ پانچوں مرثیے اُردو زبان وادب کا قیمتی اثاثہ بنے رہیں گے۔

''——

(ناصر زیدی، کنارِ دجلۂ اُلفت، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص فلیپ)

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اُردو کے اصنافِ سخن میں مرثیہ اپنی کیفیت اور کمیت ہر دو اعتبار سے قابلِ توجہ اور لائقِ صد تحسین ہے۔ جن شعرا نے اس مرکب صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے انہیں بخوبی علم ہے کہ دوسرے اصناف کی نسبت یہ ایک دقیق صنف ہے۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا یہ اختصاص ہے کہ انہوں نے نہایت سنجیدگی اور بردباری کے ساتھ اس صنفِ سخن کی آبیاری کی ہے اور اپنے افکار ونظریات کے ذریعہ اس صنف کو مالا مال کیا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے تمام مرثیے ان کی بلند فکری، عالی ظرفی اور روشن خیالی کا ثبوت ہیں۔ جب تک اُردو مرثیہ زندہ رہے گا حسن عسکری کا نام رثائی ادب میں جگمگاتا رہے گا اور وہ صاحبانِ بصیرت کو یہ پیغام دیتے رہیں گے۔

جس سے صداقتِ بشری مستنیر ہے
وہ مرثیہ جہانِ وفا کا ضمیر ہے

◆◆◆

چھٹا دریچہ

حسن عسکری کاظمی کے مناقب وسلام

♦♦

پروفیسر حسن عسکری کاظمی حضورِ اکرمؐ کے خانوادے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور انہیں ''مقصودِ کائنات'' سمجھتے ہیں۔ اُردو شاعری کی روایت میں اہلِ بیتؑ سے والہانہ محبت کا اظہار سلام، مرثیے، نوحہ اور منقبت کی شکل میں ہوا اور شاید ہی کوئی ایسا صاحب دیوان شاعر گزرا ہو جس نے منقبت اور سلام کو اپنے دیوان میں شامل نہ کیا ہو۔ قلی قطب شاہ سے لے کر حسن عسکری کاظمی تک تمام شعرائے حضورِ اکرمؐ کے خانوادے کے لیے بہترین شعری سرمایہ چھوڑا ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے محمدؐ وآلِ محمدؐ سے اپنی والہانہ محبت کو بڑے جوش و جذبے سے بیان کیا ہے اور خاص طور پر پنجتن پاکؑ کے حوالے سے ان کا والہانہ پن دیدنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری محض لفظوں کو جوڑنے کا نام نہیں۔ اچھا اور بڑا شاعر ایک جانب تو شاعری کے ذر اپنے جذبات و احساسات بیان کرتا ہے اور دوسری جانب اپنے جذبات کی تہذیب

تطہیر کرتا ہے۔ غزلوں کے مقابلے میں منقبت اور سلام کے ممدوحین چونکہ طاہر و پاکیزہ ہوتے ہیں لہٰذا شاعر اپنے جذبات کی تطہیر کا اہتمام بھی ان ذواتِ مقدسہ کے ذکر سے کر لیتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی شاعری کا کثیر حصہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مدحت پر مشتمل ہے اور وہ اسے نجاتِ اخروی بھی قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ ان کی منقبتوں کا مطالعہ فرمایئے تو آپ کو ان میں قصیدے کا طنطنہ ملے گا اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جو مسلسل رواں دواں ہے۔ اسی طرح ان کے سلاموں میں مثالی عقیدت کی ایک ایسی چمک ہے جو قارئین کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ ان کے سلاموں میں حزن و ملال کی ایک ایسی کیفیت بھی موجزن ہے جو دردمند دلوں کو رنجیدہ کر دیتی ہے اور انسان کی آنکھوں سے لہو رواں ہو جاتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے مناقب اور سلام ان کے لیے یقیناً نجاتِ اخروی کا سامان ہوں گے لیکن ان کے قارئین بھی ان سے مثاب ہو رہے ہیں۔

شاعری میں دینی عناصر کیا کردار ادا کرتے ہیں؟؟ اس کے بارے میں ناقدین میں اختلافِ رائے موجود ہے۔ بعض ناقدین مصر ہیں کہ مذہبی عناصر سے شاعری میں جذباتیت کو فروغ ملتا ہے اور مبالغے کے کثیر استعمال سے شاعری کا فکری مرتبہ کمزور ہو جاتا ہے۔ میرا موقف یہ ہے کہ مذہب اور شاعری میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور مذہب کی پیش کش سے شاعری میں قوت اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔ مثبت مبالغے سے شاعری کی سطح بلند ہو جاتی ہے اور جب اس مبالغے میں مذہب کی حقانیت، سچائی اور اخلاقی قدریں جلوہ گر ہوتی ہیں تو اس میں شدتِ جذبات اور علوئے فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ دنیا کی عظیم اور پُر رفعت شاعری کا مطالعہ فرمالیجیے آپ دیکھیں گے کہ اس کے سوتے مذہب ہی سے پھوٹتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی نے ہر مزاج اور مذاق کی شاعری کی ہے تاہم دینی سرمائے پر مشتمل ان کی شاعری ترفع بخش ہے اور اس کی واضح مثال

ان کا شعری مجموعہ ''مقصودِ کائنات'' ہے۔

''مقصودِ کائنات'' ۲۰۰۵ء میں الحمد پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا یہ مجموعہ مناقب وسلام پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے میں ایک حمد اور ایک نعت شامل ہے جبکہ حضرت علیؑ کی مدح میں بائیس، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شان میں دو حضرت امام حسنؑ کی مدح میں چار، امام حسینؑ کی شان میں اتالیس، جناب زینبؑ کی مدح میں دو، حضرت عباس علمبردارؑ کی شان میں سات، حضرت امام زین العابدینؑ کی شان میں چار، حضرت امام جعفر صادقؑ کی مدح میں ایک، حضرت امام علی رضا کی مدح میں تین، حضرت امام حسن عسکریؑ کی شان میں ایک اور حضرت امام مہدیؑ کی مدح میں دس مناقب وسلام موجود ہیں۔ آخر میں حضرت حُرؓ جری کی مدحت میں ایک مرصع نظم بھی اس مجموعے کی رونق کو دوبالا کر رہی ہے۔ اس مجموعے کا مقدمہ محترمہ عقیلہ کاظمی (مقصودِ کائنات) نے تحریر فرمایا ہے جبکہ فلیپ پر سید وحید الحسن ہاشمی اور پروفیسر مشکور حسین یاد کی گراں قدر آرا جلوہ گر ہیں۔ اس مجموعے کی تشکیل وتعمیر کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی ''پیش لفظ'' میں رقم طراز ہیں:

''

مجھے اندازہ ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کی آلِ پاکؑ سے محبت اور مودّت کا اظہار بھی کیا جائے، مولانا الطاف حسین حالیؔ نے ایک نعتیہ شعر میں یہ عقدہ حل کیا کہ

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیریؐ محبت، تریؐ عترتؑ کی ولا ہے

مجھے حضورؐ کی ذاتِ والا صفات اور آپؐ کے گھرانے میں ایسے قدسی صفات افراد نظر آئے جو آ: یک دگر ہیں، یہاں تک کہ امام آخرالزمان

حضرت مہدی، دوراں علیہ السلام "وآخرنا محمدؐ" جیسی معتبر حدیث کی عملی تفسیر بن کر ہمارے انفس و آفاق پر چھائے ہوئے ہیں، بنیادی طور پر چادرِ تطہیر میں پنجتن پاک کا وجودِ مسعود "مقصودِ کائنات" کی صورت میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ یہ وہ عظیم المرتبت ہستیاں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور صاحبانِ ایمان کے لئے ان ہستیوں پر درود بھیجنا واجب گردانا گیا ہے، حضرت بیدمؔ وارثی نے ایک ایسا لازوال شعر ان کی مدحت میں کہا ہے جس نے ہمیشہ مجھے ان ہستیوں سے اپنی عقیدت کے اظہار پر آمادہ رکھا، اس مجموعے کا نام بھی اسی شعر سے مستعار لیا گیا ہے۔

بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیر النساءؑ، حسینؑ و حسنؑ، مصطفیٰؐ علیؑ

"——

(حسن عسکری کاظمی، مقصودِ کائنات، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۰۵ء، ص ۱۲)

حضور اکرمؐ اور ان کے خانوادے سے محبت اور اُلفت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے تاہم یہ وہ عظیم المرتبت ہستیاں ہیں کہ انہوں نے اپنے اعمال و کردار کے ذریعہ ہر مذہب و مسلک کے افراد کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ دنیا کی ہر زبان اور ادبیاتِ عالم میں اہلبیتؑ سے والہانہ محبت و اُلفت کے نمونے مل جاتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی نے بھی حضور اکرمؐ سے لے کر حضرتِ امام مہدیؑ تک تمام معصومین کی والہانہ مدح سرائی کی ہے اور خاص طور پر ان کا قلم اس وقت شدتِ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے جب وہ ناصحین و واعظین کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا واضح موقف یہ ہے کہ جو شخص سیرت اہلبیتؑ کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتا اس کے لبوں پر اسمائے اہلبیتؑ کا آ جانا بے معنی

ہے۔ وہ بلند آہنگی کے ساتھ ناصح، شہریار واعظ، شیخ حرم، رند، زاہد، ملا، مولوی، عابد اور اسی قبیل کے خود ساختہ اور بد خصلت افراد پر طنز کے تیر برساتے ہیں۔

واعظ پیامِ حق کو عمل سے فروغ دے　　یہ اسوۂ علی ہے کوئی دل لگی نہیں

....

اگر ہے دل میں ترے تیرگی تو اے زاہد　　نبیؐ کے در پہ چلا جا تو روشنی کے لیے

....

رہے ہم شہریاروں سے گریزاں　　جھکا جب سے درِ حیدرؑ پہ سر ہے

....

اے شیخِ کم نظر تجھے اتنی خبر تو ہے　　رکھتا ہے بغض دل میں دو عالم کے پیر سے

....

گر نہیں دل میں ترے زاہد ولائے پنجتن　　تو پشیمانی اٹھائے گا خدا کے روبرو

....

پروفیسر حسن عسکری کاظمی خانوادۂ رسالتؐ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ یہ عزت مآب ہستیاں دنیا و آخرت میں ان کی کامیابی اور کامرانی کا سبب ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جلیل القدر ہستیوں کی بدولت انسان کو دنیاوی عظمت حاصل ہوتی ہے اور یہی نیک خصلت شخصیات اخروی کامیابی کا سبب بھی بنیں گی۔ اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو اہلبیتؑ کا مداح ہو جاتا ہے اسے کسی دوسرے کی توصیف کے لیے نہ تو الفاظ ملتے ہیں اور نہ فراغت۔ بقول حسن عسکری ؎

میں ہوں علی کا چاہنے والا زہے نصیب
عشق علی سے مجھ کو فراغت ملی نہیں

حسن عسکری کاظمی اہلبیتؑ عظام سے بے لوث محبت کرتے ہیں۔ انھیں نہ تو دنیاوی مال و دولت کی ہوس ہے اور نہ حور و غلمان کی تمنا۔ وہ تو ان ہستیوں سے بے پناہ دلی عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی سیرت کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اہلبیت

سے عشق و محبت کا وہی حقدار ہے جس کی رگوں میں شرف و مطہر لہو گردش کر رہا ہے۔

عشقِ علیؑ دلیلِ شرافت ہے دوستو
جس کو علیؑ سے عشق نہیں آدمی نہیں

اس مجموعے میں سینکڑوں ایسے اشعار بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں جو حسن عسکری کاظمی کی اہلبیتؑ سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اس کے سوا رہی نہ کوئی آرزو ہمیں
فرشِ عزا ہو، ذکر ہو اور آنکھ نم رہے

....

خالق کا پنجتنؑ پہ کرم بے حساب ہے
ہر فرد اہلبیتِ نبیؐ لاجواب ہے

....

حرفِ حق کہنے کا جس نے حوصلہ بخشا مجھے
وہ ہے سبطِ مصطفٰیؐ، عابد کا یا زینبؑ کا نام

....

بڑھ نہیں سکتے سوئے جنت کبھی اس کے قدم
جس کے ہاتھوں میں حسنؑ حیدر کا پروانہ نہیں

....

اب کسی طوفان کا ڈر ہے نہ موجوں کا خطر
بادبانِ کشتیِ اُمت ہیں بنتِ فاطمہؑ

....

ملی خدا سے وہ عزت اسی گھرانے کو
کہ آئے در پہ فرشتے بھی سر جھکانے کو

....

ساقیِ روزِ ازل کے چودہ پیمانوں کی خیر
دوسرا ایسا کوئی دنیا میں مے خانہ نہیں

....

اسی سے اپنا مستقبل ہے روشن
ہمارے حال کا اس کو پتا ہے

....

یا علیؑ کہنے سے ملتی ہے گناہوں سے نجات
یا علیؑ کہنے سے فردوس میں گھر ملتا ہے

....

آپ درج بالا چنیدہ اشعار میں سے حسن عسکری کاظمی کی بے لوث عقیدت کے نمونے تلاش کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں عقیلہ کاظمی کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے:

"——

ان کا زیرِ نظر مجموعہ "مقصودِ کائنات" کے نام سے شائع ہو رہا ہے، ہر چند کہ وہ غزل بھی کہتے ہیں اور نظم بھی، لیکن ان کا یہ مجموعہ خالصتاً ایسی شاعری پر مبنی ہے جسے وہ دینی کلام سے موسوم کرتے ہیں اور جس میں ان کی تحریر کردہ ایسی شاعری شامل ہے جو ہر اعتبار سے ان کے ایمانی اور روحانی جذبات کی عکاسی کرتی ہے، اور جس کا سب سے نمایاں جوہر ان کی عقیدت مندی ہے جس کا اظہار انہوں نے کہیں سلام اور کہیں منقبت میں کیا ہے۔

تشنگی کا ہے تجربہ جس کو
جانتا ہے وہ کربلا کیا ہے

....

رقم ہے رائیت عباسؑ کے پھریرے پر
فرات درد کا دریا بھی تشنگی میں رہے

ایسے شعروں سے جن کی روشنی اس بات کی گواہ ہے کہ وہ خدا کی ربوبیت اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی شفاعت اور محبت کے حقدار بن چکے ہیں۔

انشاءاللہ ان کا یہ مجموعہ کلام "مقصودِ کائنات" کربلا کی خاک شفاء، مدینہ و نجف سے عہد وفا کی نسبت سے یقیناً ان کے لئے سرمایۂ نجات ثابت ہوگا اس لیے کہ مندرجہ بالا اشعار کی طرح ان کا دامن عقیدت بہت سے بے مثال شعروں سے جگمگا رہا ہے۔

"——

(عقیلہ کاظمی، (مقصودِ کائنات)، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص۱۴)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے مناقب و سلام میں عصری حسیت نمایاں ہے۔ وہ

معاشرتی آلام و مصائب کو پیش کرتے ہیں اور ان کے حل کے لیے تشفی بخش تجاویز بھی وضع کرتے ہیں۔ ان کا واضح اور دوٹوک موقف یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی ابتر صورتِ حال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا طرزِ زندگی ترک کر دیا ہے۔ ہم زبان سے تو ان کی مدح سرائی کرتے ہیں لیکن عملی طور پر ان کے افکار و نظریات اپنانے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ ہماری اسی دو رُخی پالیسی نے ہمیں معاشرے میں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ وہ تلقین کرتے ہیں کہ اگر ہم آج بھی سیرتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر عمل پیرا ہونے کا عہد کر لیں تو ہمارا سفینۂ حیات گرداب سے نکل کر ساحلِ مراد تک پہنچ سکتا ہے۔ آپ ان کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ فرمالیجیے اور اس میں موجود دردمندی اور احساسِ ذمہ داری کا اندازہ لگائیے۔

غمِ حسینؑ کی نعمت نے رنگ دل کو دیے
ہر ایک زخم کا درماں ہے جس کا ذکرِ جمیل

....

پیش آ رہی ہے آج ضرورت حسینؑ کی
اسلام پھر ہے نرغۂ اعدا میں ان دنوں

....

قریۂ جاں کو کربلا کیجیے
اس قرینے سے اب جیا کیجیے

....

جو مسکرائے قضا سے نظر ملا کر بھی
وہی حسینؑ سے دعویٰ کرے محبت کا

....

اس ایک درس میں کیا کچھ ہے زندگی کے لیے
ہر ایک غم کا مداوا ہے ذکرِ کرب و بلا

....

ہم حکومت کو پرکھتے ہیں ترے معیار سے
پیکرِ امن و شرافت اے حسنؑ ابنِ علیؑ

....

میں نے دشمن کو بھی پہنچایا نہ آزار کبھی
کربلا والوں کی اُلفت کی قسم ہے دل

....

جہاں میں ہم نہ کبھی شب کی تیرگی میں رہے
کرم یہ ہم پہ حسنِ صبحِ کربلا کا ہوا

غازۂ حُسنِ عمل سے تازگی رُخ پر رہے　　فکرِ ترسیلِ علومِ آلِ اطہر چاہیے

....

صبر و ایثار کے معیار جہاں کو بخشے　　امن عالم کی ضمانت ہے نظامِ شبیرؑ

....

آپ نے حسن عسکری کاظمی کے درج بالا اشعار پڑھے۔ آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ موصوف محمدؐ و آلِ محمدؐ کو تمام نفوس کا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ پاکیزہ نفوس اللہ اور انسانوں کے درمیان عظیم وسیلہ بھی ہیں۔ آج کے اس مکروہ مادی دور میں روحانی منازل سے ہم کنار ہونے کے لیے ان عفت مآبؑ ہستیوں کی تقلید بے حد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں حسن عسکری کاظمی کی شعری خدمات کے حوالے سے پروفیسر مشکور حسین یاد رقمطراز ہیں:

"

محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے اس مجموعۂ مناقب کا نام "مقصودِ کائنات" بہت فکر انگیز ہے۔ کائنات کے مقصد کو جس طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ کی منقبت واضح کرتی ہے اس طرح دنیا کا کوئی موضوع واضح نہیں کرتا۔ ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس طرح کائنات اپنی تمام تر مادّیت کے باوجود ہمارے ذہن کو اس کے خالق کی طرف منتقل کرتی ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے اپنی جملہ بشریّت کو انسانیت کی الوہیت کا ذریعہ بنا کر پوری بنی نوع آدمؑ پر یہ واضح کیا ہے کہ انسان بطور انسان اپنے قوائے فکر و عمل کو استعمال کرتے ہوئے ہر معراجِ تعقل تک رسائی حاصل کر سکتا۔

محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بارے میں آپ منقبت مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کے ذہن میں ایک عجیب روشنی جاری و ساری ہو جاتی ہے جو آپ کے اذہان کو مسلسل تازگی سے فیض یاب کرتی رہتی ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا

ذکر آپ کے لئے شادابیِ روح و بدن کا سامان مہیا کرتا ہے۔ حسن
عسکری کاظمی کے مناقب میں یہ تازگی، یہ طراوت، یہ شادابی آپ کو لمحہ
بہ لمحہ ملتی ہے اور آپ ایک بالکل نئے انداز میں شاداب ہوتے چلے
جاتے ہیں۔

______"

(پروفیسر مشکور حسین یاد، مقصودِ کائنات، (فلیپ) لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص فلیپ)

اب چلتے چلتے چند مزید معروضات پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی سلام نگاری
کے حوالے سے اور سُن لیجیے۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے صنفِ سلام سے ناتہ جوڑتے ہوئے اپنے پیشِ نظر
یہ بنیادی اور کلیدی مقصد رکھا ہے کہ وہ اپنے سلاموں کے ذریعہ حق و سچ کی ترویج کریں
گے اور حرفِ حق کہنے کا سلام سے بہتر وسیلہ کوئی نہیں ہے۔

مجھ پہ ظاہر کربلا کا مدعا ہونے لگا
حرفِ حق کہنے کا مجھ میں حوصلہ ہونے لگا

صنفِ سلام سے ان کے تمسک کا دوسرا سبب یہ تھا کہ کسی محفل میں دوسری اصناف کی
نسبت سلام پڑھنا دنیا و آخرت کے لیے باعثِ اعزاز و تکریم ہے اور اس کی پیش کش
سے شاعر کو ثواب ملتا ہے۔

دنیا و آخرت کا ہے اعزاز سر بسر
پڑھنا سلام بزم میں عینِ ثواب ہے

....

اسی کا ذکرِ جمیل کرنا اسی کے رُخ کی کتاب پڑھنا
سخنوروں کا یہی چلن ہے سلام بہرِ ثواب پڑھنا

تیسرا سبب یہ ہے کہ سلام کے شاعر کو ایک بیت کے بدلے جنت میں ایک پُر تکلف گھر عطا ہو جاتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا ایقان ہے کہ جب کوئی شاعر ایک سلام کہتا ہے تو ایک حرف کے بدلے ایک موتی اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

ہم سلام انؑ پہ جو کہتے ہیں تو ہوتا ہے یقیں
ہر گلِ حرف کے بدلے میں گہر ملتا ہے

چوتھا سبب یہ ہے کہ محفل میں سلام پیش کرنے کے بعد جہاں ایک جانب روحانی سکون ملتا ہے وہاں سامعین کی داد و تحسین بھی شاعر کو ترفع عطا کرتی ہے۔

حیراں ہے آئینہ بھی ہمارے سلام پر
گونجی صدا دُرود کی حُسنِ کلام پر

پانچواں سبب یہ ہے کہ حسن عسکری کاظمی بخوبی جانتے ہیں کہ سلام نگار اپنے سلاموں میں جن عفت مآبؑ ہستیوں کا ذکر کرتا ہے وہ لافانی ہیں اور وہ اپنے شاعروں اور ان کی شاعری کو فنا نہیں ہونے دیتیں۔ گویا اس طرح حسن عسکری کاظمی اپنے سلاموں کو لافانی بنانے کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔

شاعرِ آلِ پیمبرؑ زندۂ جاوید ہے
شعر کی صورت ہے گویا خوش نوا کا معجزہ

اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حسن عسکری کاظمی اس حقیقت سے باخبر ہو چکے ہیں کہ ایک معتبر قلم کار آلِ محمدؐ کے در کا گدا ہوتا ہے اور جب وہ اسے لفظوں کی خیرات عطا کر دیتے ہیں تو اسے ظلمتوں میں بھی نورِ ہدایت مل جاتا ہے۔

میں قلم کار ہوں تیرے در کا گدا، میری فکرِ رسا بھی ہے تیری عطا
ظلمتوں میں مجھے راستہ مل گیا، ایک نورِ ہدایت تری ذات ہے

حسن عسکری کاظمی کو دوسرے سلام نگاروں پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ اپنی

زندگی، شاعری اور عزت کو محمدؐ و آلِ محمدؐ سے منسوب کر دیتے ہیں اور ان کا واضح موقف یہ ہے کہ آج انہیں جو عزت، وقار اور رتبہ حاصل ہے اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ آلِ محمدؐ کے سلام گزار ہیں۔

میں ہوں زندہ زمانے میں تیرے لیے، میری آنکھوں میں یادوں کے ہیں رتجگے
شاعری کے صلے میں یہ عزت ملی، تجھ سے وابستگی میرا اعزاز ہے

حسن عسکری کاظمی کی صنفِ سلام سے قلبی وابستگی کے باعث ان کے سلاموں میں کئی رنگ ظاہر ہوتے ہیں۔ دانش مندوں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جس رویے کو تخلیق کار خود محسوس کر کے پیش کرتا ہے اس کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اپنے سلاموں میں حسینیؑ افکار کو اتنے سلیقے اور طریقے سے اُجاگر کیا ہے کہ اس کی جتنی بھی مدح سرائی کی جائے کم ہے تاہم یہ بات محلِ نظر رہے کہ افکارِ حسینی کو صحیح سیاق و سباق میں پیش کرنا تخلیق کار کے لیے انتہائی دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ بقول حسن عسکری کاظمی۔

حسنؔ یہ اپنے لہو میں قلم ڈبونا ہے
غمِ حسینؑ میں افکار کا بہم کرنا

انسان کی زندگی غم و نشاط سے عبارت ہے تاہم غم والم انسانی زندگی پر دیرپا اثرات مرتسم کرتے ہیں۔ انسان کی پوری زندگی مسائل میں بسر ہو جاتی ہے۔ وہ ایک مسئلے سے نکلتا ہے تو دوسرا مسئلہ اسے گھیر لیتا ہے۔ عقل مند وہ ہوتا ہے جو دوسروں کے غم و آلام پر نگاہ رکھتا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے مسائل و مصائب حقیر اور کمتر محسوس ہونے لگتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ اس دنیا کے غموں سے نجات کا سب سے بہترین طریق یہ ہے کہ کرب و بلا کے میدان میں امام عالی مقامؑ پر ہونے والے مظالم پر نگاہ دوڑائی جائے اس طرح اپنا ہر غم سطحی اور کمزور محسوس ہونے لگتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ اگر آپ اپنے غموں کا مداوا چاہتے ہیں تو کربلا سے

تعلق خاطر جوڑ لیجیے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کو غموں سے نجات مل جائے گی۔

ہر ایک غم کا مداوا ہے ذکرِ کرب و بلا
جہانِ درد میں تازہ الم حسینؑ کا ہے

حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ جب وہ واقعاتِ کربلا پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ان کا دل لہو ہو جاتا ہے اور ان کا ہر شعری لفظ لہو کی چادر اوڑھ کر طلوع ہوتا ہے۔ اگر شاعری واقعی دل کی آواز ہے تو کربلا کا غم شاعری کو لہو رنگ بنا دیتا ہے۔

اوڑھ کے نکلا ہر اک لفظ لہو کی چادر
شعر کو جب بھی ملی صورتِ اظہار کبھی

حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے غموں کا احاطہ کرنا عام انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ دل کے اُفق پر جب ہلالِ محرم نمودار ہو جاتا ہے تو ہر صاحبِ دل آہ و بکا کرنے لگتا ہے۔ آنکھیں نمناک اور گریہ گلوگیر ہو جاتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وقت ہر غم کو مندمل کر دیتا ہے لیکن غمِ حسینؑ ہر سال تر و تازہ صورت میں نمودار ہو جاتا ہے اور یہ عمل زندگی بھر جاری و ساری رہتا ہے۔

شوقِ گریہ ہے تو آنکھوں میں سمندر چاہیے
زندگی وقفِ غمِ سبطِ پیمبرؐ چاہیے

انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ خود تو بارِ الم اٹھا لیتا ہے مگر اپنی آئندہ نسلوں کو اس سے دور رکھنا چاہتا ہے لیکن حسن عسکری کاظمی متمنی ہیں کہ غمِ حسینؑ ان کی آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہو جائے تو بہتر ہے۔

غم تو نسلوں میں منتقل ہو گا
حق پہ قائم رہیں دعا کیجیے

حقیقت یہ ہے کہ حسن عسکری کاظمی اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ دنیا کے غموں سے

نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ دل میں غمِ حسینؑ کی خوشبو موجزن ہو جائے۔

دل میں غمِ حسینؑ کی خوشبو ہے موجزن
یہ معجزہ ہو دل میں نہ دنیا کا غم رہے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنے سلاموں میں غم والم کی کیفیات پیدا کرنے کے لیے مختلف الم انگیز واقعات کا سہارا لیا ہے۔ انہوں نے کربلا کی زمین کو غم کدہ قرار دیا ہے اور یہاں کی فضا کو مغموم۔ ان کا خیال ہے کہ یہاں آنے والا ہر فرد خاک بسر ہو جاتا ہے اور اس کا دل فرطِ غم سے لبریز ہو جاتا ہے۔

کربلا تیرے گلی کوچوں کی مغموم فضا
جو بھی ملتا ہے یہاں خاک بسر ملتا ہے

حسن عسکری کاظمی نے اپنے سلاموں میں رقت پیدا کرنے کے لیے اصحابِ حسینؑ اور خانوادۂ رسالتؐ کے مظلوموں کا ذکر دردناک انداز میں کیا ہے۔ یہاں ان کے سلاموں پر مرزا دبیر کی چھوٹ پڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ خاص طور پر حضرت علی اکبرؑ، حضرت علی اصغرؑ، حضرت زینبؑ، حضرت سکینہؑ، حضرت عباسؑ علمبردار، حضرت حبیب ابن مظاہرؑ اور حضرت حُرؑ کے حوالے سے ان کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمایئے اور اس میں موجود درد و غم کی کیفیات کا محسوس کیجیے:

سکینہؑ مر گئی زندانِ شام میں ہے ہے
کہاں روا تھا اسیروں پہ یوں ستم کرنا

....

ہائے کوفہ میں رسن بستہ علیؑ کی بیٹی
اس سے بڑھ کر بھی کہیں گردشِ ایام نہیں

....

آہ یہ دستِ شقاوت، اے گروہِ نابکار
ہائے کیا اکبرؑ نہیں تصویرِ احمدؐ ہو بہو

....

سر کھلے آئیں نبیؐ زادیاں اونٹوں پہ سوار
شہرِ بے درد نے ایسا بھی تماشا دیکھا

....

سرِ شہیدوں کے بنے پردہ، سرِ نوکِ سناں
بے کجاوہ اونٹ پر زینبؑ کے سر کے سامنے

....

رقم ہے رایتِ عباسؑ کے پھریرے پر
فراتِ درد کا دریا بھی تشنگی میں رہے

....

شکستِ قوتِ باطل پہ مسکرا کے رہا
بلا کے حوصلے اصغرؑ کی کمسنی میں رہے

....

روئے جی بھر کے حبیب ابنِ مظاہرؓ گھر میں
پہنچا قاصد کی زبانی جو سلامِ شبیرؑ

....

کوئی نہ بندۂ آزاد ہو گا حرؑ کی طرح
کہ دو گھڑی ہی سہی شہ کی نوکری میں رہے

....

حسن عسکری کاظمی نے محض شخصیات کے مصائب کی پیش کش پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے کربلا اور کوفے میں اہلبیت عظامؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم کا ذکر بھی غم انگیز

پیرائے میں کیا ہے۔ اس سلسلے میں سلام کے تین اشعار ملاحظہ کیجیے اور درد و غم کی کیفیات محسوس کیجیے :

بستر بے کفن لاشے سرِ مقتل شہیدوں کے
کہیں دامن، کہیں جیب و گریباں ریگِ صحرا پر

....

مہِ خورشید قیامت ہے سرِ نوک سناں
دیدہ ور دیکھ ذرا کوفے کا بازار بھی

....

آنکھوں سے خوں گرائیں نہ ہم اور کیا کریں
اے وائے قیدِ شام میں اہلِ حرم رہے

....

حسن عسکری کاظمی کے سلاموں میں حزنیہ رنگ دراصل مرزا دبیر کے سلاموں کے اثرات کے باعث جلوہ گر ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سلام پڑھ کر قاری کی آنکھیں فرطِ غم سے چھلک جاتی ہیں اور وہ زیرِ لب کہتا ہے ؎

پھر خیمہ زن غموں کا یہاں کارواں ہوا
دل کے اُفق پہ ماہِ محرم عیاں ہوا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی واقعۂ کربلا کی اہمیت و افادیت سے کماحقہٗ آگاہ ہیں۔ انہیں علم ہے کہ اس واقعہ نے انسان کا تعلق خدا سے بھی قائم کیا ہے اور مثبت انسانی معاشرے کی تشکیل کے اسباب بھی فراہم کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو فرد کربلا کی معنویت سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ انسان دوست بن کر معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اپنا فعال کردار ادا کرنے لگتا ہے۔

کربلا والوں سے اُلفت کی قسم ہے اے دل
میں نے دشمن کو بھی پہنچایا نہ آزار کبھی

آج معاشرہ جس بے کلی اور بے بسی کا شکار ہو چکا ہے اور صورتِ حال جس قدر سنگین ہو چکی ہے اس میں ہر دردمند دل رکھنے والے کی خواہش ہے کہ وہ کربلا سے تمسک اختیار کرے۔ انسانی کشتی جب بھنور میں پھنس جاتی ہے تو امام عالی مقام اسے ساحلِ مراد تک پہنچا سکتے ہیں۔

آج پھر صورتِ حال سنگین ہے، دل ہمارا خوشی میں بھی غمگین ہے
پھر بھنور میں یہاں کشتیِ دین ہے، اک حصارِ حفاظت تری ذات ہے

حسن عسکری کاظمی کا دوٹوک موقف یہ ہے کہ اگر عہدِ جدید کا انسان معاشرتی ترقی کا طلب گار ہے تو اسے حسینیت کا طرزِ عمل اپنانا ہوگا اور اگر اس نے حسینی افکار اپنانے سے پہلوتہی کی تو وہ عمر بھر صحرائے گمنامی میں دھکے کھاتا پھرے گا۔

حسینیت کا حوالہ اگر نہ دے پائیں
ہمارے عہد کا انسان گمرہی میں رہے

عصرِ حاضر کے جور و ستم اور ظلم و تعدی سے بچنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ دامنِ سبطِ پیغمبرؐ تھام لیا جائے۔

کیا غم اگر نشانۂ جور و ستم رہے
وابستہ ذکرِ سبطِ پیمبرؐ سے ہم رہے

حسن عسکری کاظمی عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی ابتر حالت پر خون کے آنسو روتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ ظلم و ستم کے اس ماحول میں اسلام زغۂ اعدا میں گھر چکا ہے۔ اب پھر ایک حسینؑ کی ضرورت ہے جو سب کو صراطِ مستقیم دکھا سکے۔

اسلام پھر ہے نرغۂ اعدا میں ان دنوں
پیش آ رہی ہے آج ضرورت حسینؑ کی

کربلا کا واقعہ اگرچہ ایک دن میں وقوع پذیر ہو گیا لیکن اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ انتہائی ہمہ گیر ہے اور صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ آج بھی پر اثر ہے اور انسان کی کردار سازی میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے خیال میں کربلا کا پہلا سبق یہ ہے کہ انسان کو باطل قوتوں کے سامنے کسی بھی حالت میں اپنا سر خم نہیں کرنا چاہیے۔

یہ کربلا کا اشارہ ہے اہلِ حق کے لیے
جہاں میں روبرو باطل کے سر نہ خم کرنا

کرب وبلا کے میدان میں امامِ عالی مقام نے اپنی جان کا نذرانہ تو پیش کر دیا لیکن ظلم و تمرّد کے سامنے اپنا سر خم نہ کیا۔ انہوں نے ریگزارِ کربلا پر اپنے خون سے لا الہ الا اللہ محمد رسولؐ اللہ رقم کر کے اہلِ دنیا کو یہ سبق دیا ہے کہ حرمت حرفِ حق کے لیے جان بھی چلی جائے تو ہرگز ہرگز پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

تو نے انسانیت کو دیا یہ سبق، جان جائے رہے حرمتِ حرفِ حق
تو کتابِ شجاعت کا روشن ورق، مرد کی استقامت تری ذات ہے

حسن عسکری کاظمی ان افراد پر طنز کے تیر برساتے ہیں جو زبان سے تو کربلا اور امام کا نام لیتے ہیں مگر اپنے کردار کو سیرت حسینؑ کے سانچے میں ڈھالنے سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی باتوں میں سے مٹھاس اور شیرینی ختم ہو گئی ہے۔

اپنی آواز کی تاثیر بھی دیکھے اک دن
کاش واعظ بھی بنے صاحبِ کردار کبھی

حسن عسکری کاظمی نے اپنے سلاموں کے ذریعہ اہلِ دنیا کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر وہ اپنے

معاشرے کو اعلیٰ اخلاقی قدروں کا حامل بنانا چاہتے ہیں تو انہیں سیرت و کردارِ حسینؑ اپنانا چاہیے۔ حق اور سچ کی سربلندی کے لیے حسینیؑ جادے پر چلنا بے حد ضروری ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا واضح موقف یہ ہے کہ اگر انسان بنظرِ غائر دیکھے تو واقعۂ کربلا کے پس منظر میں زندگی بسر کرنے کے تمام قرینے موجود ہیں۔

وقار، صبر، بہار یقیں، شعورِ عمل
حسینؑ آپ نے کیا کیا دیا زمانے کو

کرب و بلا کے میدان میں امام حسینؑ نے انسانیت کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ یہی سبب ہے کہ آج پوری دنیا میں "حسینؑ حسینؑ" کی صدائیں گونج رہی ہیں اور ہر مذہب و مسلک کا فرد حسینؑ کو اپنا رہبر و رہنما تسلیم کر رہا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کربلا کی آفاقیت سے بخوبی آگاہ ہیں اور انہیں علم ہے کہ اب کربلا ایک استعارہ بن کر پوری دنیا کے ادب کو متاثر کر رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنے سلاموں میں امام عالی مقام کی آفاقی قربانی کے ان پہلوؤں پر زیادہ روشنی ڈالی ہے جو آج بھی صاحبانِ دل اور اہلِ حق کو متاثر کر رہے ہیں۔

وہی ہے درد کا سمٹا ہوا جہانِ عظیم
تڑپ رہا ہے دلِ کائنات جس کے لیے

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ امام عالی مقامؑ نے خفتہ اقوام کو اپنے طرزِ عمل سے بیدار کیا اور انہیں احساس دلایا کہ صحراؤں کو اپنے لہو سے سینچ کر ہی گلزار بنایا جا سکتا ہے۔ یہ عمل دشوار ضرور ہے ناممکن نہیں ہے۔

لہو سے سینچ کے صحرا کو زندگی بخشی
اور اس پہ طرفہ کہ پھر رشکِ صد ارم کرنا

حقیقت یہ ہے انسانیت کے تحفظ اور آدمیت کی بقا کے لیے امام حسینؑ نے ریگِ صحرا پر جو

کارنمایاں کر دیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

فلک صدیوں بھی آنکھ اپنی کھلی رکھے تو کیا حاصل
ہوا ایسا نہ پھر کارِ نمایاں ریگ صحرا پر

آپ حسن عسکری کاظمی کے سلاموں کے درج ذیل اشعار کا مطالعہ فرمائیے اور ان میں آفاقی قدروں کے مختلف زاویے دیکھیے۔

جہاں حسینؑ وہاں لا الہ الا اللہ
کہاں یزید کہاں لا الہ الا اللہ

....

تشنگی کا ہے تجربہ جس کو
جانتا ہے وہ کربلا کیا ہے

....

سوالِ بیعت میں کم نگاہی کا سانحہ تھا گزر چکا ہے
کتابِ صحرا کے سرورق پر لہو سے لکھا نصاب پڑھنا

حسن عسکری کاظمی نے اپنے سلاموں کے ذریعہ اہلِ دانش و بینش پر یہ حقیقت آشکار کر دی ہے کہ حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ حقانیت، سچائی، پاکیزگی اور دردمندی کا نام ہے اور عظمتِ حسینؑ کا آفتاب کبھی غروب نہیں ہوگا۔

اُفقِ وقت پہ ڈوبے ہیں بہت سے سورج
صبحِ تذکارِ حسینؑ کی مگر شام نہیں

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے مناقب اور سلاموں کا اسلوب ہمہ رنگ ہے۔ ایک جانب تو اس میں موضوعات کی نسبت سے سادگی اور سلاست ہے اور دوسری جانب اس میں ایک خاص طرح کا جوش اور طنطنہ ہے۔ ان کی سادگی میں بھی ایک پرکاری ہے

مثلاً دو سلاموں کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

سانحہ دہر میں ہوا کیا ہے — نالہ و ماتم و بکا کیا ہے
سر ہے نیزے پہ سبطِ احمدؐ کا — اے زمانے تو دیکھتا کیا ہے

....

اس قرینے سے اب جیا کیجے — قریۂ جاں کو کربلا کیجے
عشق سبطِ نبیؐ نہ ہو دل میں — توبہ توبہ، خدا خدا کیجے

....

اس اسلوب کے پہلو بہ پہلو حسن عسکری کا یہ مرصع اسلوب دیکھیے:

ہوا شیرازۂ ہستی پریشاں ریگِ صحرا پر — خزاں کی زد پہ دیکھا اک گلستاں ریگِ صحرا پر
فلک صدیوں بھی آنکھ اپنی کھلی رکھے تو کیا حاصل — ہوا ایسا نہ پھر کار نمایاں ریگِ صحرا پر
شہیدوں کے لہو کی گل فشانی کا یہ عالم تھا — برستا تھا مثالِ ابرِ نیساں ریگِ صحرا پر

....

فاطمہؑ خیرالنسا ہیں آیۂ تطہیر ہیں — جس میں کل قرآن پنہاں ہے یہ وہ تفسیر ہیں
فخرِ مریمؑ، مرکزِ پرکارِ عصمت فاطمہؑ — سب صفاتِ فاطمہؑ قرآن میں تحریر ہیں

....

حسن عسکری کاظمی نے اپنی مناقب اور سلاموں میں علمِ بیان اور علم بدیع کا استعمال بڑے سلیقے اور ہنر مندی سے کیا ہے۔ انہوں نے خوبصورت تراکیب و مرکبات کے استعمال سے بھی اپنے سلاموں اور منقبتوں کو خوبصورت اور دلکش بنانے کی بھرپور سعی کی ہے۔ ان کا صرف ایک شعر ملاحظہ فرمایئے:

ان کا ہونا صبحِ روشن میں بدلنا رات کا
فاطمہؑ حسنِ ازل کے خواب کی تعبیر ہیں

اس ایک شعر میں صبحِ روشن اور حُسنِ ازل تراکیب ہیں۔ رات اور صبح کے الفاظ صنعت تضاد کی طرف اشارا کرتے ہیں جبکہ رات، خواب اور تعبیر صنعت مراعاۃ النظیر کی

نشاندہی کر رہے ہیں۔ لفظ فاطمہؑ کے برمحل استعمال سے تلمیح کے خوبصورت اور برمحل استعمال کی شکل ہمارے سامنے آتی ہے۔ ''مقصودِ کائنات'' میں شعری محاسن کا ایک کثیر ذخیرہ موجود ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کا بھرپور اسلوبیاتی مطالعہ کیا جائے تا کہ اس کی نئی معنویت دریافت کی جا سکے۔

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موٴقف اختیار کیا تھا کہ دینی شاعری اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ کا باعث ہوتی ہے لہٰذا اس میں زیادہ قوت اور توانائی موجود ہوتی ہے اور یہ عام شاعری کی نسبت زیادہ موٴثر، دیرپا اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے اپنے مناقب اور سلاموں میں سیرتِ اہلبیتؑ کے مختلف رُخوں پر روشنی ڈالی ہے اور یہ احساس اُجاگر کیا ہے کہ ہم ان کی سیرتِ طیبہ کو اپنا کر دنیا اور آخرت میں حضرت حُرؑ کی طرح سرخرو ہو سکتے ہیں۔

مثالِ حُرؑ ملی قیدِ ہوس سے آزادی
کہ میرے سر پہ بھی دستِ کرم حسینؑ کا ہے

◆◆◆

ساتواں دریچہ

حسن عسکری کاظمی کی تنقیدی جہتیں

••

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے شاعری کے ساتھ ساتھ صنفِ نثر کو بھی اپنے ارفع خیالات ونظریات سے مالا مال کیا۔ انہوں نے نظری مضامین لکھ کر معاشرے کی سمت نمائی کی اور علمی مضامین کے ذریعے ادیبوں اور شاعروں کی قدر افزائی فرمائی۔ انہوں نے اپنے مضامین کو کسی خاص موضوع کا پابند نہیں بنایا بلکہ سیاسیات، سماجیات، نفسیات معاشیات، مذہبیات اور ادبیات کے ہمہ رنگ موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ انہوں نے دوسرے مضمون نگاروں کی طرح محض معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل پر طنز کے تیر ہی نہیں برسائے بلکہ ان مسائل کے تشفی بخش حل بھی پیش کیے۔ ان کا یہی وصف انہیں دوسرے مضمون نگاروں سے ممتاز بنانے کا موجب ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے ایک کالم نگار کی حیثیت سے بھی بہت شہرت پائی۔ انہوں نے اپنے کالموں کو شہرت اور حصولِ زر کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ان کی عمر بھر کوشش رہی کہ وہ ''حرف

حق'' لکھیں اور اپنے حق گو قلم کو کذب و ریا سے آلودہ نہ کریں۔ ان کی یہ کوششیں کس حد تک ثمر بار ہوئیں اس کا فیصلہ تو قارئین فرمائیں گے تاہم یہ بات بلا تردد کہی جا سکتی ہے کہ حسن عسکری کاظمی کا شمار ان نثر نگاروں میں ہوتا ہے جو آج اپنی تحریروں سے شرمندہ نہیں ہیں۔ ان کا نثری اسلوب رواں اور دلوں پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ وہ اپنے ''حرفِ ہنر'' سے قارئین کے دلوں کو تسخیر کر لیتے ہیں۔ ان کے مضامین و مقالات اور کالموں کے عمیق مطالعہ کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہیں اور ان کی نثری کاوشیں آج بھی آسمانِ ادب پر جگمگا رہی ہیں۔

عصرِ حاضر میں تخلیق کاروں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ان کی تخلیقی کاوشوں میں ''ریاضت'' کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ نوجوان تخلیق کاروں میں کتابیں شائع کرنے کا رجحان فروغ پاتا جا رہا ہے۔ اس کا منفی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ان کی تخلیقات میں معیار کی طرف توجہ کم سے کم ہوتی جا رہی ہے جبکہ مقدار کا جنون ہوشربا ہوتا جا رہا ہے۔ ایک زمانے میں تخلیق کار کی کوئی تخلیق کسی ادبی جریدے میں شائع ہوتی تھی تو اس کی روشنی میں نئے مباحث شروع ہو جاتے تھے اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ کتابوں کی اشاعت کے باوجود ایک عرصہ تک کوئی بڑی بحث ادبی اُفق پر طلوع نہیں ہوتی۔ اس المناک صورتِ حال کے بے شمار اسباب ہیں لیکن اس کا بنیادی سبب ''تخلیقی ریاضت'' کا فقدان ہے۔ اگر نوجوان تخلیق کار اپنی تخلیقات کو پہلے رسائل و جرائد میں شائع کروائیں اور اس پر ہونے والے تنقیدی مباحث کو پیشِ نگاہ رکھیں تو اس کی تخلیقات ''توے کی پکی روٹی'' کا مزا دیں گی۔ اگر آپ بنظرِ غائر دیکھیں تو ہمارے بیشتر ادبی ناقدین وہ ہیں جو اپنے زمانۂ طالب علمی ہی سے علم و ادب کے فروغ کے لیے اپنی ممکنہ صلاحیتیں بروئے کار لاتے رہے ہیں۔ ان معتبر ناقدین میں سے ایک اہم نام پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا بھی ہے جنہوں نے عمر بھر شعر و ادب کی ترویج و فروغ کے لیے اپنی تمام ممکنہ صلاحیتیں صرف

کر دیں اور اپنا خونِ جگر صرف کر کے الفاظ کی حُرمت کا خیال رکھا۔

ہر ایک شعر کو دل میں اتارنا تھا مجھے
نہ دیتا حرف کو خونِ جگر تو کیا کرتا

حسن عسکری کاظمی کا تخلیقی سفر بہت طویل ہے۔ انہوں نے طالب علمی کے زمانے ہی سے قلم سے ناتہ جوڑ لیا تھا۔ گورنمنٹ زمیندار کالج گجرات میں حضرت منظور حسین شور علیگ جیسے شاعر اور دانشور کی زیرِ سرپرستی انہوں نے لکھنا شروع کیا اور جلد ہی معتبر حلقوں میں اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے جہلم اور گجرات کے مختلف کالجوں کے ادبی رسائل کی ادارت کی اور مختلف علمی و ادبی تنظیموں کے ذریعہ طلبہ و طالبات، اساتذہ اور شائقینِ ادب میں تنقیدی شعور پیدا کرنے کی کاوش کی۔ حسن عسکری کاظمی کے سینکڑوں مضامین علمی و ادبی جرائد میں شائع ہو کر اربابِ دانش سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ وہ مختلف اخبارات میں ''حرفِ حق'' کے عنوان سے کالم بھی لکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی اسی آب و تاب سے جاری و ساری ہے۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کے طویل نثری سفر کا شیریں ثمر ''حرفِ ہنر'' کے نام سے قارئین کے سامنے آیا ہے۔ یہ نثری مجموعہ الحمد پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ اس مجموعہ کے فلیپ پر ڈاکٹر آغا سہیل اور پروفیسر مشکور حسین یاد کی گراں قدر آرا شامل ہیں۔ اس کتاب کے آغاز میں حسن عسکری کاظمی کے مختصراً کوائف دیے گئے ہیں اور ''حرفِ مختصر'' کے عنوان سے موصوف کا دیباچہ شامل ہے۔ وہ اس کتاب کی تخلیق کے بارے میں خود رقم طراز ہیں :

''

''حرفِ ہنر'' میں ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہوئے علمی و ادبی شخصیات، تنقید اور تبصرے، ادبی مسائل اور تقریبات کے حوالے سے

جو سوالات اٹھائے گئے ہیں ان پر گفتگو کی جا سکتی ہے، ہم عصر اہلِ قلم ان مباحث پر اظہارِ خیال کر سکتے ہیں، ان مختصر تحریروں میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ حقائق بیان کرتے ہوئے کوئی چبھتی ہوئی بات نہ کی جائے اس کے باوجود نقد و نظر کا معیار تنقیدی اصولوں کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔

"____

(حسن عسکری کاظمی، حرفِ ہنر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی کتاب "حرفِ ہنر" کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل احمد خان کی گراں قدر رائے ملاحظہ فرمائیے۔

"____

حسن عسکری کاظمی ایک عرصے سے شاعر کے طور پر معروف ہیں مگر اُن کے مختصر مضامین اور کالموں کا جو مجموعہ "حرفِ ہنر" کے نام سے شائع ہوا بطور نثر نگار بھی اُن کی پہچان کراتا ہے۔ حسن عسکری نے بعض سیاست دانوں اور ادیبوں کی وفات پر جو کالم لکھے ہیں وہ دل گداز بھی ہیں اور کالم نگار کے "تصورِ انسان" کی وضاحت بھی۔ اقدار ایک منظم شعور ہے جس کی روشنی میں وہ شخصیت کی پرکھ کرتے ہیں۔ اُن کے بعض مختصر مضامین چند ادبی تصورات کی تشریح ہیں اور ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی ایک محتاط ذہن کے حامل ہیں۔ یہ احتیاط اُن کے لہجے کو کہیں مبتذل نہیں ہونے دیتی۔

"____

(ماہنامہ شام و سحر لاہور، جون ۲۰۰۷ء)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی تخلیق "حرفِ ہنر" بنیادی طور پر ان کے علمی و ادبی اور تاثراتی مضامین، کالموں اور ادبی تقاریب کے شذروں پر مشتمل ہے۔ موصوف نے

اس کتاب کو درج ذیل عنوانات کے تحت چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(الف) علمی و ادبی شخصیات

۱۔ وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں

۲۔ نوابزادہ نصر اللہ خان

۳۔ اس نے خوشبو کی طرح رختِ سفر باندھ لیا

۴۔ صادق گنجی آج بھی زندہ ہے

۵۔ عکسِ گلِ تر

۶۔ شہر میں اک چراغ تھا، نہ رہا

۷۔ آپ کا ضمیر۔ ضمیر جعفری کی یاد میں

۸۔ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

۹۔ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک۔ عظیم سکالر

۱۰۔ حنیف رامے۔ ایک عظیم فنکار

۱۱۔ ریاض بٹالوی

۱۲۔ عظمتِ فن کا استعارہ

۱۳۔ محسن نقوی میری نظر میں

۱۴۔ سرور مجاز اور عارف عبدالمتین کے لئے حرفِ تعزیت

۱۵۔ دل میں روشن اس کی یادوں کا دیا رکھتا ہوں میں

۱۶۔ حفیظ تائب۔ پیکرِ شرافت

۱۷۔ میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاؤں گا

۱۸۔ ہاشمی صاحب چند یادیں چند باتیں

(ب) ادبی جائزے اور مسائل

۱۔ بھارتی ادیبوں کے نام آئینۂ ضمیر

۲۔ اہلِ قلم کے مطالبات اور حکومت کی ذمہ داری

۳۔ پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں کا مستقبل

۴۔ مرثیہ اور جذبۂ محبت کی فروغ پذیری

۵۔ جوہری بند کیے جاتے ہیں بازارِ سخن

۶۔ قومی غیرت کا تقاضا

۷۔ حاصل بھی کیا ہے خواہشِ نام و نمود سے

۸۔ جشنِ بہار اور مشاعرے کی روایت

۹۔ دبی جاتی ہیں آوازیں پرانی

۱۰۔ اقبال سے فیض کی ذہنی ہم آہنگی

۱۱۔ خوشبو کے تعارف میں

(ج) عملی تنقید اور تبصرے

۱۔ سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں

۲۔ بارگاہِ امامت کا مدح خواں۔ مرزا غالبؔ

۳۔ سفیرِ ادب۔ حسنؔ رضوی

۴۔ محسنؔ نقوی سے پل بھر کی دوستی

۵۔ تنویرؔ سپرا۔ عہدِ مستقبل کی ورثہ

۶۔ احمد فرازؔ۔ کومل غزلوں اور نشیلے گیتوں کا شاعر

۷۔ تیشۂ کرب

۸۔ منزل کی طراوت کو بھی مشکور کر دیا

۹۔ سیف زلفی۔ روشنی فکر کا استعارہ

۱۰۔ موم کا سائباں

۱۱۔ فکر کو روشنی دیتا ہے بیاباں کا سکوت

۱۲۔ اُداس نسلوں کا شاعر

۱۳۔ روح پر طاری رہے صدق وصفا کا موسم

۱۴۔ یاسینؔ پر ایک طائرانہ نظر

۱۵۔ اپنا قاتل ہوں اور اس پہ نازاں ہوں

۱۶۔ معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

۱۷۔ خاک کے پردے

۱۸۔ ''روشنی چراغوں کی'' میری نظر میں

۱۹۔ خورشید رضوی۔ شاعرِ امکان

۲۰۔ انمول ہے دنیا میں فقط جنسِ محبت

۲۱۔ گلِ آہن۔ ایک جائزہ

۲۲۔ شہرِ علم کے دروازے پر۔ افتخار عارف کی عقیدت کا مظہر

۲۳۔ محبت۔ افسانوی ادب کا موضوع

(۶) ادبی تقریبات

۱۔ اکادمی ادبیات۔ تقسیم انعامات یا وعدۂ فردا

۲۔ علمی وفکری مجالس کا اہتمام اور اس کی اہمیت

۳۔ یادگار ردبیر سیمینار

۴۔ وارث شاہ انٹرنیشنل کانفرنس

۵۔ تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہئے

۶۔ خانۂ فرہنگِ ایران کی ایک تقریب

۷۔ اکادمی ادبیات کی تقریب تقسیمِ اعزازات

۸۔ رت جگا

۹۔ آسودہ اور اذیت ناک شام کے نام

۱۰۔ ادیبوں اور دانشوروں کی علمی کانفرنس

۱۱۔ دبیر فہمی۔ ایک ادبی سیمینار کی روداد

۱۲۔ معیاری نعتیہ مشاعرہ۔ تجزیہ اور روئیداد

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے ''حرفِ ہنر'' کے پہلے حصہ میں ''**علمی و ادبی شخصیات**'' کے عنوان سے جن علمی و ادبی شخصیات کو موضوع بنایا ہے وہ اپنے میدان میں ہمہ جہت، معتبر اور قابلِ توجہ ہیں۔ ماسٹر قائم حسین رضوی سے لے کر سیّد وحید الحسن ہاشمی تک ہر شخصیت کی اپنی پہچان ہے۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں، شاہ احمد نورانی اور حنیف رامے نے علم کے ساتھ ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اعتبار بخشا۔ حسن رضوی، ریاض بٹالوی اور سرور مجاز نے صحافت کے چشمے کو اپنے خونِ جگر سے سیراب کیا۔ ضمیر جعفری، اشفاق احمد، سید وحید الحسن ہاشمی، محسن نقوی، عارف عبدالمتین، احمد ندیم قاسمی اور حفیظ تائب نے اپنے افکارِ عالیات سے اُردو شعر و ادب میں گراں قدر اضافے کیے۔ ماسٹر قائم علی رضوی اور چودھری فضل حسین نے تدریس کے شعبے کو عظمت سے ہمکنار کیا۔ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک نے دینِ اسلام کو ایک نئے تناظر میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی۔ صادق گنجی شہید نے پاکستان اور ایران کے تہذیبی اور ثقافتی رویّوں کو اُجاگر کرنے کی سعی کی اور جامِ شہادت نوش کیا۔ اس حصے میں

دو خواتین فنکاروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ معروف مصورہ ناہید کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی فنونِ لطیفہ کے حوالے سے خدمات بیان کی گئی ہیں اور معروف شاعرہ پروین شاکر کی شعری خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اس حصے میں اٹھارہ علمی و ادبی شخصیات کے بارے میں اپنی گراں قدر تخلیقات پیش کی ہیں۔ ان شخصیات میں کچھ تو وہ لوگ ہیں جن سے حسن عسکری کاظمی براہِ راست رابطے میں رہے اور ان کے منفی و مثبت روپ ان کے سامنے اُجاگر رہے۔ اس سلسلے میں ماسٹر قائم علی رضوی، سید وحید الحسن ہاشمی، ناہید، چودھری فضل حسین، حسن رضوی وغیرہ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ کچھ شخصیات ایسی ہیں جن سے حسن عسکری کاظمی کی کم کم ملاقاتیں رہیں لیکن وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس سلسلے میں صادق گنجی، پروین شاکر، ضمیر جعفری، اشفاق احمد، احمد ندیم قاسمی، حنیف رامے، محسن نقوی اور اشفاق احمد وغیرہ کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ امر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ حسن عسکری کاظمی نے تمام شخصیات کے بارے میں لکھتے ہوئے عقیدت و محبت کا اتنا گہرا اظہار کیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہر شخصیت کو ایک طویل عرصے سے جانتے ہیں۔ انہوں نے اس حصے میں شخصیات کے حوالے سے گراں قدر معلومات بھی فراہم کی ہیں اور اپنے ذاتی تاثرات کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کا اسلوب رواں اور شگفتہ ہے۔ صرف دو مثالیں ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ حسن عسکری کاظمی نے کس طرح اپنے ممدوحین کی شخصیت سازی کی ہے۔ سید وحید الحسن ہاشمی کے بارے میں وہ رقمطراز ہیں:

"

> وحید الحسن ہاشمی کی نسل کے لوگ اپنی آئندہ نسلوں کو باہر بھیجنے کے بارے میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوئے۔ وہ گھر کی آدھی چھوڑ کر باہر کی پوری کھانے

کے تصور سے بے نیاز اپنے گھر میں بھوکوں مرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔
یوں بھی شعرائے کرام کی روایت ہے کہ انہیں بھوکوں مرنا آتا ہے وہ کسی کی خوشامد یا کاسہ لیسی کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں اس لئے وحید الحسن ہاشمی نے کبھی کسی بڑے آدمی کی صحبت اختیار نہیں کی۔ کسی سیاسی شخصیت سے تعلق نہیں رکھا۔ انہوں نے اہلِ علم و فضل سے دوستی ضرور رکھی اور اسے مقدور بھر نبھایا۔ وہ جون پور سے رحمٰن پورہ لاہور تک ایک طویل سفر طے کرتے ہوئے عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکے ہیں جو آ کر نہیں جاتا۔ عہدِ پیری نے ان کے اعصاب شل کر دیے ہیں۔ وہ پاؤں کہیں رکھتے ہیں اور کہیں جا پڑتا ہے چنانچہ گزشتہ چند مہینے ایسے بھی گزرے کہ وہ پورے قد سے کھڑے ہونے کے لائق نہ رہے۔ اس کے باوصف ان کے تخلیقی مشاغل جاری و ساری رہے۔ وہ اپنے پلنگ پر بچھی چادر کی شکنیں درست کرتے اور گاؤ تکیے کا سہارا لے کر مرثیہ، سلام، تحقیقی مضمون غرض اپنی پسند کی ہر صنف پر قلم فرسائی کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان کا زخمی پاؤں بھی ان کے ہاتھ کی انگلیوں میں شمع کی لو کی طرح تھرتھراتے قلم کی روانی پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ عشقِ حسینؑ کی شمع ان کے سینے میں ضوفشاں ہے جو ان کی حیات کو حیات جاوداں بنانے کیلئے کافی ہے۔
"______

(حسن عسکری کاظمی، حرفِ معتبر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۹۱)

پروین شاکر کے بارے میں ان کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے اور جذبات کی شدت محسوس کیجئے۔

"______

پروین شاکر کا تخلیقی سفر سرسبز و شاداب وادیوں سے ہو کر ارتقا کے

مراحل طے کر رہا تھا کہ اچانک تیز آندھی نے اس کے راستے میں بہت سے درخت گرا دیے اس کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر زخموں کا لباس پہنے ''گوشۂ چشم'' سے یہ منظر دیکھتی رہ گئی وہ کسی تمثیل کا کردار نہیں تھی مگر خود کلامی کے انداز میں دو لخت ہو کر خود سے پوچھتی رہی کہ مجھے غسلِ خون کس نے دیا۔ وہ تیز آندھی کے مقابل اپنا چراغ زندگی بجھتا دیکھ کر خوشبو کی طرح بکھر جانا چاہتی تھی اسے جس منزل پر پہنچنا تھا وہ غبار راہ میں گم ہو چکی تھی۔

منزل تھی غبار راہ میں گم
اور رختِ سفر جلا ہوا تھا

اس کا چہرہ زخموں کی نقاب اوڑھ کر اور بھی خوبصورت ہو چکا تھا مگر اسے اجنبی لوگوں نے پہچاننے میں اپنی شکست تسلیم کر لی۔ ہاں اس کے پرس میں نام، گھر کا پتہ اور فون نمبر موجود تھا اس کے بیٹے مراد کی نامرادی کا نقطۂ آغاز وہ خبر تھی جسے بچ جانے سے وہ انکار کرتا رہا لیکن اسے دلاسہ دینے والے اس خبر کی سچائی کو جان کر اسے خوشبو کی شاعرہ کے آخری دیدار کیلئے تیار کرنے لگے۔ پروینؔ شاکر خوشبو کی طرح خود بھی سفر کر گئی اور پھول کی طرح اس کا بدن جگہ جگہ سے کٹا پھٹا مٹی میں چھپا دینے کیلئے تابوت میں رکھا جا چکا تھا۔

عکسِ گلِ تر جلا ہوا تھا
خوابوں کا نگر جلا ہوا تھا

''

(حسن عسکری کاظمی، حرفِ ہنر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۵)

''**حرفِ ہنر**'' کے دوسرے حصے میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے

''ادبی جائزے اور مسائل'' کے عنوان سے اہم علمی وادبی مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے بھارتی ادیبوں کو آئینۂ ضمیر دکھاتے ہوئے احساس دلایا ہے کہ وہ اپنی تخلیقات میں حق و صداقت کو پیش کریں اور کشمیر کے مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم پر صدائے احتجاج بلند کریں۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ ''اگر کشمیر کی سرزمین پر مظلوم حریّت پسندوں کا خون اسی طرح بہتا رہا، عصمتیں برباد ہوتی رہیں تو کل کا مورخ ہماری بے ضمیری کا نوحہ تو ضرور لکھے گا مگر آنے والی نسلیں آج کے تخلیق ہونے والے ادب کی سچائی کا پرچم کیسے اٹھائیں گی۔'' پروفیسر حسن عسکری نے پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ادب اور ادیبوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کاوشیں کرے۔ ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ''پاکستانی دانشوروں، قلمکاروں اور فنکاروں کی قدر افزائی کے لیے حکومتی سطح پر حقیقی معنوں میں کوئی بااختیار ادارہ نہیں۔ اسی طرح شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کی فلاح و بہبود کے لیے ابھی تک جو کچھ ہوا وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔'' حسن عسکری کاظمی حکومت سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ تخلیق کاروں کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے تاکہ وہ دلجمعی کے ساتھ اپنی تخلیقات کی طرف توجہ دے سکیں۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی اپنے مضمون ''پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں کا مستقبل'' میں واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ حکومتی عدم توجہی، نام نہاد اور خودغرض تخلیق کاروں کی ہٹ دھرمی کے باعث پاکستان کے معتبر ادیبوں اور سچے شاعروں کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں: ''جب تک ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کا استحصال ہوتا رہے گا اور معاوضے کی بجائے اشاعتی اخراجات وصول کرنے کی ناقابلِ رشک روایت پر ضرب کاری نہیں لگائی جائے گی اس وقت تک ان کی تعریف و توصیف کے پل باندھنا ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔'' حسن عسکری کاظمی نے ''مرثیہ اور جذبۂ محبت کی فروغ پذیری'' کے عنوان سے لکھے گئے

مضمون میں مرثیے کی ادبی اہمیت و افادیت اور رثائی ادب کے انسانی اقدار پر مرتسم ہونے والے اثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے جدید اور قدیم مرثیے کا موازنہ بھی کیا ہے اور اس کی تکنیک پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ انہوں نے مرثیے کا بنیادی مقصد واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''انسانوں کے درمیان محبت ہی وہ پاکیزہ جذبہ ہے، جس کی وجہ سے ہم حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ آج کے مرثیے میں جذبۂ محبت کی فروغ پذیری ضروری ہے۔'' اپنے مضمون بعنوان ''جوہری بند کیے جاتے ہیں بازارِ سخن'' میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے عصرِ حاضر میں اُردو زبان کی ناقدری پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اب ہم نے اپنی قومی زبان کو محض رابطے کی زبان بنا کر محدود سے محدود تر کر دیا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ ہم نے اپنے تعلیمی نظام میں معروضیت کی بنیاد پر زبان و ادب کو پرکھنے کا جو انداز وضع کیا ہے وہ نقصان دہ ہے۔ حسن عسکری کاظمی اپنے مضمون ''قومی غیرت کا تقاضا'' میں یہ نکتہ اُجاگر کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی زبان کی ترقی و فروغ کے لیے بروقت ممکنہ کاوشیں نہ کیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جدید نسل اُردو سے بیگانہ ہو گئی ہے۔ اس کے برعکس ہم نے انگریزی زبان کے فروغ کے لیے ہزار جتن کیے لیکن آج بھی ہم اس میں کماحقہٗ دسترس حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ حسن عسکری کا موقف یہ ہے کہ ہماری قومی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی قومی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے نصاب سازی کریں اور طلبہ و اساتذہ میں اس زبان سے رغبت پیدا کرنے کے ذرائع وضع کریں۔ حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''حاصل بھی کیا ہے خواہشِ نام و نمود سے'' اپنے انداز میں بے پناہ معنویت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے مشاعرہ باز شعرا کو ہدفِ تنقید بنایا ہے اور مشاعرہ کرنے والی تنظیموں اور اداروں پر طنز کے تیر برسائے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ چھوٹے بڑے شہروں میں مشاعرے ضرور ہونے چاہئیں لیکن انہیں وسیلۂ روزگار نہیں بنانا چاہیے۔ وہ خاص طور پر

اوسط درجے کے مشاعرہ باز شعرا کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ''ان فرمائشی، سفارشی اور خوشامدی شعرا نے مشاعرے کی خوبصورت روایت میں اضافے کے بجائے اسے نقصان پہنچایا۔ ان کی بھاگ دوڑ، منت اور بے جواز رسہ کشی نے شعری ماحول کو پراگندہ کردیا ہے۔'' حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''جشنِ بہار اور مشاعرے کی روایت'' دراصل ہمارے معاشرے سے مشاعرے کی روایت کے کمزور پڑ جانے پر اظہارِ ملال کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ ایک زمانے میں مشاعرے ہماری فکری تربیت گاہ تھے لیکن بعض عاقبت نااندیش شعرا کی وجہ سے اس تہذیبی ادارے کو زوال سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر عصرِ حاضر کے شعراء آج بھی اپنے طرزِ عمل کو تبدیل کرلیں تو مشاعروں کی روایت زندہ وتابندہ ہوسکتی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ''ادبی تقریبات اور مشاعروں کی روایت کو زندہ رکھنے کی خاطر ادیبوں اور شاعروں کو ان تقریبات اور مشاعروں کو ذریعۂ معاش نہیں بنالینا چاہیے۔'' حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''دبی جاتی ہیں آوازیں پرانی'' دراصل عصرِ حاضر کے ان پاپ سنگروں کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے جو موسیقی کے جملہ فنون سے لاتعلق ہوکر محض آواز اور رقص مجنونانہ کی نمائش سے لوگوں کے دلوں کو متاثر کرنے میں مصروف ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ ہمیں جدید موسیقی سے ضرور لطف اندوز ہونا چاہیے لیکن اپنی کلاسیکی موسیقی اور اس کے رموز اور فنون سے بھی آگاہی کے لیے اہتمام کرنا چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر جدید پاپ سنگر موسیقی اور شاعری کے لوازمات کو صحیح طریقے سے استعمال کریں تو آنے والے دور میں ان کی پذیرائی کے امکانات بھی موجود ہیں۔'' اقبال سے فیض کی ذہنی ہم آہنگی'' نامی مضمون میں حسن عسکری کاظمی نے بیسویں صدی کے دو انقلابی شاعروں اقبال اور فیض کی ذہنی وفکری مماثلتوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور ان نکات پر روشنی ڈالی ہے جو ان دونوں شعرا کے مطالعہ کے نتیجے میں ہمارے لیے مفید اور معاون

ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ پاکستانی دانشوروں سے شکوہ سنج ہیں کہ ''فی الوقت پاکستان میں ہمارے دانشوروں کے پاس وقت ہے نہ ذوقِ تجسس کہ وہ مستقبل قریب میں اس گلوبل ولیج میں امریکہ کی بالادستی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ احوال پر روشنی ڈالیں اور ہمیں نہ صرف ان خطرات سے آگاہ کریں بلکہ ہمیں ماضی کے عظیم فلسفی اور شاعر علامہ اقبال کے افکار و نظریات سے حاصل ہونے والی رہنمائی فیض احمد فیض جیسے باخبر، دانا و بینا اور وسیع المطالعہ باشعور شاعر کے نسخہ ہائے وفا رقم کرنے اور خونِ دل میں اُنگلیاں ڈبو کر استعماریت کے خلاف مزاحمتی ادب تخلیق کرنے کے مقصد کو پانے کی توفیق ارزانی کا اہتمام کریں۔'' حسن عسکری کاظمی فیض احمد فیض کی شخصیت اور شاعری کے مداح ہیں اور احساس دلاتے ہیں کہ ہمیں ان کے افکار و نظریات سے بیش از بیش فائدہ اٹھانا چاہیے۔ حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''خوشبو کے تعارف میں'' اپنی نوعیت کے حوالے منفرد، دلچسپ، معلوماتی اور خیال افروز ہے۔ اگرچہ یہ مضمون معروف خوشبو شناس سید وجیہ حسن کاظمی کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے لیکن اس میں حسن عسکری کاظمی نے خوشبو کے حوالے سے بعض فکر انگیز نکات بیان کیے ہیں۔ انہوں نے کرۂ ارض پر خوشبو کے دلچسپ سفر کی روداد بیان کی ہے اور شاعری اور خوشبو کی مماثلتیں تلاش کی ہیں۔ انہوں نے وجیہ کاظمی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''خوشبو اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خوشبو کے بغیر ہماری دنیا کا حُسن ماند پڑ جائے گا اور شاعری کے بغیر ہمارے اندر کا موسم اور غنچۂ دل کی شگفتگی خطروں میں گھر جائے گی۔''

''**حرفِ ہنر**'' کے تیسرے حصے میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے ''**عملی تنقید اور تبصرے**'' کے عنوان کے تحت جدید اور قدیم عہد کے معروف تخلیق کاروں اور ان کی تصانیف پر سیر حاصل تبصرے کیے ہیں۔ موصوف نے ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کتاب ''سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں'' سے لے کر تاقبہ رحیم

الدین کے افسانوی مجموعہ ''محبت'' تک تیئس تخلیق کاروں کو اپنی قلمرو میں شامل کیا ہے۔

راقم الحروف کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر شبیہ الحسن عنے سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں مرتب کرتے ہوئے نعت، منقبت اور سلام کے حوالے سے ان کو متعارف کروایا ہے۔ ان کی تخلیقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ مختصر حوالہ صرف ایک جھلکی دکھانے کے مترادف ہے۔ ان کا مقام و مرتبہ اس سے کہیں بلند، اعلیٰ اور ارفع ہے۔'' ''بارگاہِ امامت کا مدح خواں مرزا غالب'' میں حسن عسکری کاظمی نے واضح کیا ہے کہ مرزا غالب مولائے کائنات حضرت علیؑ سے عقیدت و محبت میں کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے، انہوں نے حضرت علیؑ کی مدح میں غالب کے کثیر اشعار پیش کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ ''امیر المومنینؑ کی منقبت میں غالب کا اشہبِ قلم برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا ایسے مقام پر آتا ہے جہاں اسے یہ کہنا پڑا کہ ذاتِ واجب کے سوا کوئی حقِ مدحت ادا نہیں کر سکتا۔''

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا ''سفیرِ ادب۔ حسن رضوی'' کے عنوان سے لکھا جانے والا مضمون معروف ادیب اور شاعر ڈاکٹر حسن رضوی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ بلاشبہ ڈاکٹر حسن رضوی ایک ایسا ادب دوست اور ادیب پرور انسان تھا جس نے عمر بھر دوستوں کے تحفظات کا خیال رکھا لیکن انہوں نے ہمیشہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ حسن عسکری کاظمی کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ''حسن رضوی کی شخصیت میں قوسِ قزح کے رنگ تھے۔ وہ ایسا بانکا، بجیلا اور طرح دار انسان تھا کہ جس کے ساتھ دوستی اور تعلق بڑھانے میں اس کے ہم عصر سرگرم عمل رہتے۔ وہ بیک وقت کئی محاذوں پر ''مصروفِ جنگ'' رہا۔ اس کے رتجگے اور کام کے اوقات ہم سب سے مختلف رہے۔ اس کے لیے آرام اُڑتے ہوئے پرندے کا بھاگتا ہوا سایہ تھا جو اسے کبھی نصیب نہ ہوا۔'' ''محسن نقوی سے پل بھر کی دوستی'' نامی تاثراتی مضمون میں حسن عسکری

کاظمی نے محسن نقوی کی غزل کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور ان محاسن کو اُجاگر کیا ہے جو عام قارئین کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے۔ وہ محسن نقوی کی شاعری کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ''وہ ہمارے عہدِ بے تعبیر میں ناصر کاظمی کے بعد ایسا شاعر نظر آتا ہے جس نے غزل اور نوحے کے حسین امتزاج سے نئی جہت اور نئی منزل میں قدم رکھا، یہ دونوں دیدۂ بے خواب کے شاعر اس امید پر جاگتے رہے کہ شاید کبھی ان کی زندگی میں وہ صبح طلوع ہو جائے جس کے انتظار میں ان کی آنکھیں پتھرا گئیں مگر محسن نقوی کی شب بیداری میں معنویت کے اعتبار سے روایتی انداز کے علاوہ کچھ نئے تقاضے اور نئی صورتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ اس کی نگاہ کا زاویہ نئے امکانات کی جانب ہماری رہنمائی کرتا ہے۔'' حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''تنویر سپرا۔عہدِ مستقبل کا ورثہ'' جہلم کے معروف شاعر تنویر سپرا کی شخصیت اور فن کا احاطہ کرتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا خیال ہے کہ ''تنویر سپرا بیک وقت کئی محاذوں پر سینہ سپر رہا۔ اس نے ظاہر اور باطن میں تفریق رکھنے والے ملاؤں، معاشرے کے غریب لوگوں کا استحصال کرنے والے امیروں، معیارِ زندگی کی طلب رکھنے والے ظاہر پرستوں اور عیش کوش حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کی بلکہ یہاں تک کہ اپنے محبوب کو بھی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے بچا لیا اور صاف صاف بتایا کہ

چھت کی کڑیاں جانچ لے دیوار و در کو دیکھ لے
مجھ کو اپنانے سے پہلے میرے گھر کو دیکھ لے''

حسن عسکری کاظمی نے معروف غزل گو اور گیت نگار احمد فراز کی غزلوں اور گیتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنا مضمون بعنوان ''احمد فراز۔ کومل غزلوں اور نشیلے گیتوں کا شاعر'' سپردِ قلم کیا۔ ان کا موقف یہ ہے کہ احمد فراز اردو شاعری کے مستقبل کے امین ہیں اور ان کا فن مسلسل ارتقا پذیر رہے گا۔ وہ رقم طراز ہیں ''احمد فراز جس کی شاعری کا موضوع انسان اور انسان کے مسائل کا فنکارانہ اظہار ہے۔ وہ اظہار کے ایسے وسائل تلاش کرتا ہے کہ

اس کی تخلیق میں روحِ عصر کلبلاتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ ان مسائل کو اپنی ذات کے حوالے سے پیش کرتا ہے اور انفرادیت کے محدود دائرے سے نکل کر وہ اجتماعیت کی کھلی فضا میں ان مسائل سے نبرد آزما ہوتا ہے۔''عصرِ حاضر کے نامور شاعر مرتضیٰ برلاس کی شخصیت اور فن کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کا مضمون ''تیشۂ کرب'' چند نئے رُخوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عصرِ حاضر میں حرفِ حق لکھنے اور کہنے والے محدود ہوتے جا رہے ہیں تاہم مرتضےٰ برلاس کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ آج بھی حق و صداقت کا علم اٹھائے ہیں اور ان کی شاعری آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ''مرتضےٰ برلاس کی شاعری سچے اور کھرے جذبوں کے اظہار سے عبارت ہے۔ ان کے ہاں احساس آگہی کی معراج ایسے اظہار کو گردانا گیا ہے جن میں فکری صداقت غالب دکھائی دیتی ہے اور حق یہ ہے کہ جو بات بھی کہی جائے پوری ذمہ داری سے کی جائے۔ صداقت کے معیاروں میں سب سے بڑا معیار خود فنکار کا وہ نظریۂ فن ہے جس کا وجود اپنی ذات کے حوالے سے اور اپنی ذات کا حُسن نظریۂ فن کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ مرتضیٰ برلاس کے ہاں ان کی ذات اور نظر و فن میں وہی رشتہ ہے جو آئینے کے مقابل آئینے کی طرح صاف دل کا ہوا کرتا ہے گویا ان کی شاعری میں نظریۂ فن اور ان کی ذات آئینہ یک دگر ہیں۔'' پروفیسر حسن عسکری کاظمی اپنے مضمون ''منزل کی طراوت کو بھی مشکور کرو یاد'' میں معروف نقاد، استاد اور دانشور پروفیسر مشکور حسین یاد کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے چند اہم نکات کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ مشکور حسین یاد کی پوری زندگی جدوجہد سے عبارت ہے اور یہی طرزِ احساس ان کی شاعری کا بھی مرکزی نقطہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ ''مشکور حسین یاد شہرت سے بھاگتے ہیں، وہ اپنی روایت پر قائم ہیں ان کی ہر تخلیق کسی سنجیدہ قاری کی جستجو میں رہتی ہے۔ ان کے ہاں فکری بالیدگی، اظہار کی نئی جہت اور

خیال کی ندرت دامن دل کو کھینچتی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ ان کا شعر پڑھتے ہوئے معانی کی تہہ میں اترنے کی خواہش سر اٹھاتی ہے۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں مروجہ سانچوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نئے سانچے، نئی ہیئت، نئے قافیے اور نئی ردیفیں ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ غزل میں یہ تجربے کبھی کامیاب اور کبھی ناکام بھی ہو جاتے ہیں۔'' پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''سیف زلفی۔ روشنیِ فکر کا استعارہ'' دراصل ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کتاب ''سیف زلفی کے مرثیے'' کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس مضمون پر موصوف نے سیف زلفی کی مرثیہ نگاری پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور ان کے جملہ محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سیف زلفی کے مرثیوں میں جوش ملیح آبادی کا سا طمطراق، بلند آہنگ لہجہ، انقلابی رویہ اور بے باک انداز اظہار ملتا ہے اور انہی صفات نے سیف زلفی کو صفِ اوّل کے مرثیہ نگاروں میں لا کھڑا کیا ہے۔ وہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی کتاب کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ''سیف زلفی نے مختلف جہتوں میں تخلیقی سفر جاری رکھا لیکن طبیعت میں بے نیازی اور لاابالی پن کے باعث اپنے تخلیقی سرمائے میں جتنا اضافہ ہوتا رہا اتنا ہی اسے مرتب کرنے میں ان کی غفلت شعاری اور بیماری حائل رہی جس کے نتیجے میں ان کا کلام خصوصاً رثائی سرمایہ کاغذ کے پرزوں یا ادھوری بیاضوں میں تقسیم ہوتا رہا۔ وہ اپنی زندگی میں یہ کام نہ کر سکے اور یوں ان کے مرثیے اشاعت سے محروم رہے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس بکھرے ہوئے اور غیر مرتب کلام کو محققانہ انداز میں دیکھا اور پرکھا، سیف زلفی غیر معروف نہیں تھے لیکن بحیثیت مرثیہ نگار ان کا مقام و مرتبہ معین نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ''سیف زلفی کے مرثیے'' (تجزیہ و تدوین) کا مقدمہ لکھتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی کہ سیف زلفی کی مجموعی شاعری اور خصوصاً ان کے مرثیوں میں معاشرتی اصلاح اور عظمت انسانی کے مثبت رویے موجزن ہیں۔''

پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے معروف شاعرہ ڈاکٹر شہناز مزمل کی شاعری اور

خصوصاً غزل کے حوالے سے مضمون بعنوان ''موم کا سائبان'' سپردِ قلم کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شہناز مزمل کی شخصیت اور شاعری شائستگی اور قرینہ کے حسین امتزاج سے وجود میں آئی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ شہناز مزمل نظم کے ساتھ ساتھ غزل کی بھی بہترین شاعرہ ہیں۔ وہ شہناز مزمل کی شاعری کے عناصر کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ''شہناز مزمل کے تخیل کے وسیع کینوس پر بھیگی شامیں، اڑتے بادل، سوندھی خوشبو، جیون ساگر، مسافت کی ردا، نیم خوابیدہ صداؤں سے چھلکتے الفاظ، دریدہ ہاتھ، دھند میں لپٹی فضائیں، شب تاریک میں سویا ہوا چاند نظر آتا ہے اور کہیں تتلیاں، جھیل سمندر اور کوہسار آنکھ کی پتلی میں اتر آتے ہیں۔ ان سب کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ شعر کہنے کی بجائے کسی نادیدہ منظر کی تصویر پردۂ تصویر پر اتارنے کے لیے موئے قلم کو رنگوں میں ڈبو دینا چاہتی ہیں ان کی بے قرار اور مضطرب روح میں کلبلاتی خواہشوں کی پرچھائیاں کبھی ایک دوسرے سے جدا اور کبھی ایک دوسرے میں آوازوں کے رنگین تانے بانوں کی طرح یک جان ہو جاتی ہیں۔'' استاد رشید انجم کی شخصیت اور فن کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا فکر انگیز مضمون ''فکر کو روشنی دیتا ہے بیاباں کا سکوت'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی اہم اور وقیع ہے۔ استاد رشید انجم لکھنؤ سے کراچی اور کراچی سے کوئٹہ میں قیام پذیر ہوئے۔ انہوں نے کوئٹہ کو اپنی معجز نما سرگرمیوں کے باعث ہمدوش لکھنؤ کر دیا۔ استاد رشید نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنے ارفع خیالات کے جوہر دکھائے تاہم حسن عسکری کاظمی کا خیال ہے کہ صنفِ غزل میں ان کے جوہر کھل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ''استاد رشید انجم بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں، ان کا اندازِ اظہار کلاسیکی ہے اور نفسِ مضمون کے حوالے سے وہ عہدِ موجود کے مسائل کو غزل کی زبان میں کمال مہارت سے پیش کرنے کا ہنر آزمانا جانتے ہیں ان کے ہاں بیدل کی طرح آئینہ عبارت معنویت اور تلخ وشیریں احوال سے عبارت ہے، وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتے ہیں اور کبھی یہ آئینہ ان پر

عرفان و آگہی کی نت نئی حقیقتوں کا اعتبار بڑھانے کی خاطر عکس نمائی کرتا ہے۔''

عصرِ حاضر میں غزل کی صنف سے وابستہ شعرا میں آفتاب کاوش ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''اداس نسلوں کا شاعر'' آفتاب کاوش کی شعری خدمات کے اعتراف میں سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ آفتاب کاوش نے سادگی اور سلاست کا دامن تھام کر غزل گوئی کا آغاز کیا اور چھوٹی بحروں میں غزل کہہ کر شہرت حاصل کی۔ وہ رقمطراز ہیں ''آفتاب کاوش عہدِ موجود کی اُداس نسلوں کا نمائندہ شاعر ہے، جسے زمانۂ جبر میں سانس لینے کی مہلت ملی اور استحصال کے ہاتھوں ایسے عذاب بھی سہنے پڑے جو محرومی کے احساس کو مستقل قدر کے طور پر شاعری میں داخل کرنے کا سبب بنے اس لئے کہ اب گردوپیش میں جو سانحے گزرے ان سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔'' اردو میں نعت نگاری کی روایت مستحکم بھی ہے اور معتبر بھی۔ اس صنف کو با اعتبار بنانے والوں میں ایک عاشقِ رسولؐ عارف رضا بھی شامل ہیں۔ ''روح پر طاری رہے صدق و صفا کا موسم'' دراصل حسن عسکری کاظمی کا عارف رضا کی نعت گوئی کو خراجِ تحسین ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ عارف رضا اپنے دو نعتیہ مجموعوں ''عطا کی خوشبو'' اور ''ثنا کی خوشبو'' کی بدولت نعت گوئی میں معزز مقام حاصل کر چکے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی ان کی نعت نگاری کے محاسن بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں ''عارف رضا کے ہاں نعت میں حزم و احتیاط اور عقیدت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے وہ جس طریقے اور قرینے سے نعت کہتے ہیں وہ اپنی جگہ مگر ان کی نعت میں نکہتِ توصیف کی فراوانی اور مودّت کی خوشبو سے مشامِ جاں معطر اور روح کی بالیدگی کے نتیجے میں سرمستی اور سرور و کیف قاری کو اپنے حصارِ جاں فزا میں لے کر تسنیم و کوثر کا ذائقہ عطا کرتا ہے۔'' نعت گوئی کی روایت کو نئے ذائقوں اور موضوعات سے منور کرنے والے شاعر سید وحید الحسن ہاشمی کے نعتیہ مجموعہ ماسینؐ کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا

مضمون ''یاسینؐ پر ایک طائرانہ نظر'' انتہائی خاصے کی چیز ہے۔ اس مضمون میں حسن عسکری کاظمی نے نعت نگاری کی روایت کا مبسوط جائزہ لینے کے بعد وحید الحسن ہاشمی کی نعتوں کا فکری وفنی مطالعہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے وحید الحسن ہاشمی کے بارے میں یہ خیال انگیز نکتہ پیش کیا ہے کہ ''حضورؐ کی سیرت وصورت کو روشنی یا خوشبو سے تعبیر کرنا عجز اظہار کے سوا اور کیا ہے اس لئے کہ روشنی یا خوشبو ایسے استعارے ہیں جو محض ہمارے حواس کے آئینہ دار ہیں ورنہ شعور عشق اور دل حق شناس ان استعاروں سے مطمئن نہیں ہوتا ایسے استعارے تو سائلوں کا لباس پہن کر بزم رسالتؐ میں دریوزہ گری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کسب نور کرنے کی ادا یا آپؐ کے نقش پا سے مستنیر ہونے کا خیال ایسا خوشگوار اور ایمان افروز تجربہ ہے جسے وحید الحسن ہاشمی نے بار بار آزمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے سرخوشی سے جھوم جھوم گئے۔'' پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''اپنا قائل ہوں اور اس پہ نازاں ہوں'' دراصل معروف اور منفرد لہجے کے کہنہ مشق شاعر روحی کنجاہی کی غزل گوئی کے بارے میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔ موصوف کے خیال میں روحی کنجاہی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ''عام'' بات کو بھی ''خاص'' طریقے سے کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ اپنے گردوپیش کے حالات سے باخبر شاعر ہیں اور اسی باعث ان کی غزلوں میں پورا معاشرہ سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ وہ روحی کنجاہی کے بارے میں رقمطراز ہیں ''وہ سچائی میں یقین رکھتا ہے مگر اوروں کی طرح سچ بولتے ہوئے دور دراز کی کوڑی نہیں لاتا، اسے اپنے بارے میں کوئی خوش فہمی بھی نہیں کہ وہ کوئی انقلاب برپا کرنے کی خاطر سچائی اختیار کیے ہوئے ہے البتہ اس کی خواہش یہی ہے کہ دوسرے بھی اس کی طرح زندگی کا مشاہدہ کرتے ہوئے سچائی اور گہرائی کو بنیاد قرار دے کر خود کو ناقابل شکست بنائیں، روحی کنجاہی نے دکھ جھیلنے کے باوصف جبر کی قوتوں کے مقابل اظہار حق کا پرچم بلند رکھا، اسے جو کچھ کہنا

ہے وہ بے خوف وخطر کہتا ہوا اپنی غزل کو فصلِ گل کی طرح شادابی عطا کرتا ہے جس کیلئے اپنی رگ جاں بھی کاٹنی پڑے وہ بے دریغ اپنا نشتر کام میں لاتا ہے۔''

اُردو کے معروف نقاد اور محقق ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی کی رحلت کے بعد ان کی یاد میں مجلسِ یادگارِ نظیر حسنین زیدی وجود میں آئی اور اسی کے زیرِ اہتمام سہ ماہی تحقیقی رسالے ''نوادر'' کا آغاز ہوا جس کے مدار المہام سید مسعود زیدی تھے۔ حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود'' دراصل اسی تحقیقی دستاویز نوادر کے حوالے معرضِ تخلیق میں آیا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ عصرِ حاضر میں شائع ہونے والے تحقیقی مجلوں میں 'نوادر' ایک خاص مذاق ومزاج کا رسالہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس رسالے کے ذریعہ ایک جانب تو کلاسیکی ادب کو محفوظ کرنے کا رجحان ملتا ہے اور دوسری جانب ہم عصر تحقیق کاروں کی تخلیقات شائع کر کے نوجوانوں کو شعروادب کی جانب مائل کرنے کا احساس ملتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا خیال ہے کہ ہمیں اس رسالے سے استفادہ کرنا چاہیے۔

اُردو کے معروف نقاد، محقق، دانشور، افسانہ نگار اور بے مثال استاد ڈاکٹر آغا سہیل کی آپ بیتی کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''خاک کے پردے۔ خودنوشت سوانح کا سرسری جائزہ'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ موصوف کے خیال میں ڈاکٹر آغا سہیل کی یہ آپ بیتی محض ان کی شخصیت کی عکاسی نہیں کرتی بلکہ اس میں ان کا عہد اور اس عہد کے جملہ رجحانات بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ خاص طور پر اس میں لکھنو اور لاہور کی تہذیبی زندگی کے خوشگوار مرقع بھی جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس آپ بیتی میں دردمندی، انسان دوستی او مثبت روّیوں کا فروغ دکھائی دیتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی اس آپ بیتی کے بارے میں رقمطراز ہیں ''خاک کے پردے ایسی تصنیف ہے جس کی مثال ہشت پہلو عمارت سے دی جاسکتی ہے کہ جس میں ہر طرف دریچے، دروازے، بالکونیاں، جھروکے اور زینے

بنے ہوئے ہیں اس عمارت کا فنِ تعمیر ایران سے مستعار لیا گیا ہے اس میں تناسب کا لحاظ رکھتے ہوئے تاج محل یا مینار کی طرح ہر گوشہ دیدنی اس میں سنگ مرمر جیسی ملائمت اور پاکیزگی، بلندی اور ترفع، گنبد و مینار کو چہار اطراف سے دیکھنا یا اندرونی جالیوں اور غرفوں سے باہر کے منظر کا لطف اٹھانا اور کبھی حد نظر تک روشوں، سبزہ و گل اور فواروں سے اچھلتے پانی کا نظارہ کرنا، در و دیوار پر کندہ عبارت کی معنویت پر غور کرنا اور کبھی بحیثیت قاری تہذیبی ارتقاء کا مطالعہ کرتے ہوئے شکست آرزو پر رنجیدہ ہونا، مکانی اور زمانی تبدیلیوں پر افسردہ ہونا اور کبھی پاکستان میں تعمیر نو کے خواب کی تعبیر تلاش کرنا، یہی کچھ اس خودنوشت سوانحی سچے قصے کا وہ ذائقہ ہے جس میں تلخ و شیریں تحریروں کی بدولت نئے ذائقے دریافت کرنے کے امکانات موجود ہیں۔'' اردو زبان کے منفرد لہجے کے تخلیق کار صادق نسیم کی معروف کتاب کے حوالے سے حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''روشنی چراغوں کی۔ میری نظر میں'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے دلچسپ اور وقیع ہے۔ حسن عسکری کاظمی اس کتاب کے بارے میں رقمطراز ہیں'' صادق نسیم نے اپنے مخصوص مزاج کے پیش نظر جہاں اپنے حلقۂ احباب میں شامل دوستوں کے ساتھ اپنی محبت کا بھرپور اظہار کیا وہاں وہ اپنی یادداشتوں پر مشتمل حکیم الامت علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالمجید سالک سے اپنی عقیدت اور محبت کے نادیدہ پہلوؤں کو اس طرح ہمارے سامنے لائے ہیں کہ ان کا بے ساختہ پن اور بے مصلحت رویّہ ہر جگہ قاری سے داد و تحسین وصول کرتا ہے انہیں زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل ہے جبکہ ان کا انداز نگارش بھی منفرد اور معیاری ہے واقعات کے بیان میں ندرت اور شخصیت نگاری میں دلکشی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے ان کی یادداشت میں تازگی اور نکھار اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دوستوں کی محفل میں اپنی موجودگی سے بھولے بسرے واقعات کو بھی حیاتِ تازہ بخشتے رہے، پایانِ عمر میں ان تمام واقعات اور رنگین

محفلوں کی یاد تازہ کرنے کا خیال ''روشنی چراغوں کی'' جیسی معرکتہ الآرا کتاب لکھ کر انہوں نے جہاں ایک طرف تاریخ کو سندِ اعتبار عطا کی وہاں اپنی عقیدتوں اور محبتوں سے تاریخی شخصیتوں کو نئے زاویۂ نظر سے پرکھنے اور دیکھنے کا اہتمام کیا۔'' حقیقت یہ ہے کہ روشنی چراغوں کی اپنے اسلوب اور مواد کے اعتبار سے قابلِ توجہ اور لائق مطالعہ ہے اور حسن عسکری کاظمی کے اس مضمون نے اس کی کئی پرتیں قارئین کے سامنے کھول دی ہیں۔

عصرِ حاضر میں ایسے شعرا کی تعداد انتہائی قلیل ہے جنہوں نے جدید علوم کے حصول کے لیے جست و خیز کی ہو اور انہیں اپنی شاعری میں بطریق احسن برتا ہو۔ ہمارے عہد میں ڈاکٹر خورشید رضوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ متداولہ علوم پر مہارت بھی رکھتے ہیں اور انہیں برتنے کے ہنر سے بھی آشنا ہیں۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے اپنے مضمون ''خورشید رضوی۔ شاعرِ امکان'' میں اس امر پر زور دیا ہے کہ خورشید رضوی کی شاعری اور خصوصاً غزل میں نئے امکانات سے پُر ہے اور آنے والے زمانے میں ان کی مزید پذیرائی ہونے کا قوی امکان ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ'' خورشید رضوی غزل میں نئے امکانات کی بوقلمونی، لہجے کا بے ساختہ پن، زبان و بیان کا حسن، رنگینی قوسِ قزح فکر و نظر کا اُفق اور قریۂ جان کی شکستگی کے منظر ناموں کی تصویرِ دل گداز دکھا کر لہو گلنے پر آمادہ کرتے ہیں۔'' پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا مضمون ''انمول ہے دنیا میں فقط جنسِ محبت'' دراصل سید حریم حیدر کے شعری مجموعے ''ہوئی پتھر مری زباں'' کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے۔ ان کا مؤقف ہے کہ شاعری انسان کے اندر غم و الم کی کیفیات کو ختم کر کے چراغ امید روشن کرنے کا سبب بنتی ہے۔ خاص طور پر جب معاشرے سے محبت اور خلوص کا فقدان ہو جائے، حریم حیدر کی شاعری محبت کا سائبان فراہم کرتی ہے۔ و ان کی غزل گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ'' ہمارے اچھے بھلے غزل گو شاعروں پر یہ بھوت سوار رہتا ہے کہ وہ داد طلبی کے جنوں میں سرحد معانی سے دور نکل

تے ہیں اور لفظ کی قوت سے بے نیاز لفظ کا جادو جگانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ حریم حیدر کے ہاں ایسا نہیں بلکہ اس کی غزل میں روایت اور جدیدیت کا امتزاج پایا جاتا ہے، شہزاد احمد نے اس کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ اس کے اندر ایک بے ساختگی اور تلاش صاف جھلکتی ہے مگر اس کے ساتھ ایک دکھ کا شدید احساس بھی موجود ہے، شدت کی تنہائی بھی ہے جو اس دور کا مقدر ہے اور ایک رکھ رکھاؤ بھی ہے جو اس کی خاندانی روایت ہے۔'' پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے عمر زمان کے شعری مجموعہ کے حوالے سے ''گلِ آہن۔ ایک جائزہ'' لکھ کر اہلِ دانش پر یہ حقیقت آشکار کی ہے کہ اعلیٰ مقصد بے یقین زندگی میں بھی شعورِ یقین جیسی دولت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ حسن عسکری کا موقف یہ ہے کہ عمر زمان پورے اعتماد کے ساتھ اپنے جذبات و نظریات کو نذر قارئین کر دیتے ہیں وہ ان کے مجموعے کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ ''ان کا مجموعۂ شاعری ''گلِ آہن'' اس بحرانی دور میں وہی کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو اب سے پہلے ہمارے اصلاح پسند شعرا کی جہدِ فکر سے تخلیقی سطح پر نئے رجحان کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ عمر زمان کے ہاں مایوسی، نومیدی یا حرماں نصیبی کا شائبہ تک نہیں۔ وہ رجائیت پسند شاعر ہیں۔ وہ علامہ اقبال کی طرح اپنی کشت ویراں سے ناامید نہیں بلکہ وہ بے یقینی کا زہر پھیلانے والوں سے مختلف رویہ رکھتے ہیں۔ وہ ایسے نام نہاد دانشوروں سے نالاں ہیں جنہیں ان کی قنوطیت پسندی کے ہاتھوں صرف شکایات کا دفتر کھولنے کا ہنر آتا ہے حالانکہ یقین و عزم کی طاقت سے انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہم اپنی صلاحیتوں سے کام لینے اور تخلیقی قوتوں کو بروئے کار لانے کی ٹھان لیں۔'' اردو میں نعت کے ساتھ ساتھ منقبت اور سلام نگاری کی روایت بھی مستحکم ہو چکی ہے۔ اب خوش فکر شعرا حضور اکرمؐ کی ذات و صفات کے ساتھ ساتھ ان کے خانوادے کی مدحت سرائی کو اپنا فریضہ گردانتے ہیں۔ ''شہر علم کے دروازے پر۔ افتخار عارف کی عقیدت کا مظہر'' نامی مضمون

میں حسن عسکری کاظمی نے واضح کیا ہے کہ افتخار عارف نے اپنے قلم کی صداقت بیانی اور شعورِ زمانی کا اظہار اس شعری مجموعے میں کر دیا ہے۔ افتخار عارف کا مجموعہ ''شہرِ علم کے در پر'' اپنے موضوع اور اسلوب ہر دو اعتبار سے قابل توجہ اور لائق صد تحسین ہے۔ حسن عسکری کاظمی رقمطراز ہیں ''افتخار عارف وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ وسیع النظر بھی ہیں لیکن اپنی بنیاد پر قائم عمارت کی طرح مضبوط عقیدہ رکھتے ہیں، انہیں اپنی نسبتِ روحانی پر بجا طور پر فخر ہے لیکن اپنی بے مائیگی کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا ''اعلان نامہ'' پڑھتے ہوئے اور ان کے منفرد طرزِ احساس کو دل میں جگہ دیتے ہوئے قاری ان کے قریب ہو جاتا ہے۔ گویا وہ کمین گاہِ عافیت یا اماں گاہِ مصلحت سے باہر نکل کر آ گئے ہیں۔''

معروف افسانہ نگار ثاقبہ عبدالرحیم کے افسانوی مجموعے کے حوالے سے حسن عسکری کاظمی کا فکر انگیز مضمون ''محبت۔ افسانوی ادب کا موضوع'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے حد اہم ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ افسانے میں محبت جیسا موضوع ان گنت جہتیں رکھتا ہے اور اسی باعث اس میں موضوعات کی رنگارنگی اور تنوع ہوتا ہے۔ ثاقبہ رحیم الدین کے افسانوی مجموعہ ''محبت'' میں گیارہ افسانے اور تین تبصرے شامل ہیں ہر افسانہ محبت کے مرکزی دائرے کے گرد گھومتا ہے اور معاشرے کی روحانی کم نظری پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان کا اسلوبِ بیان دلکش اور جاذبِ نظر ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے حسن عسکری کاظمی کی رائے ملاحظہ فرمایئے ''محترمہ ثاقبہ رحیم الدین کا انداز اظہار بیانیہ ہے۔ کہانی کی فضا اور انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں کو اپنی مخصوص تکنیک میں پیش کرنا ان کا وہ فن ہے جس میں سادگی، معصومیت اور سچائی کی مثلث ہر کہانی میں اس طرح در آتی ہے کہ ہم لطف اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

''حرفِ ھنر'' کے چوتھے حصہ میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی

'**ادبی تقریبات**'' کے حوالے سے ملک میں منعقد ہونے والی مختلف علمی و ادبی مجالس، سیمینارز، مشاعروں، تقاریبِ تقسیم انعامات کی روداد انتہائی دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ اس حصے میں مرزا دبیر کے حوالے سے عالمی مجلسِ ادب کی جانب سے منعقدہ دو عالمی سیمینارز کی رودادیں انتہائی پر اثر ہیں۔ اسی طرح وارث شاہ انٹرنیشنل کانفرنس اور ادیبوں اور دانشوروں کی علمی کانفرنس کی مکمل رپورٹ بھی پر لطف ہے۔ مختلف برسوں میں منعقد ہونے والی اکادمی ادبیات کی تقاریبِ تقسیم انعامات کی روداد میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے جو اہم تجاویز پیش کی ہیں وہ بھی لائقِ صد تحسین ہیں اور اربابِ اختیار کو ان پر عمل درآمد کرنا چاہیے۔ خانۂ فرہنگِ ایران لاہور میں شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کے جشنِ ولادت کے حوالے سے منعقدہ مشاعرہ کی روداد پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے تند و ترش زبان میں بیان کی ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن لاہور کی جانب سے نعتیہ محفلِ مشاعرہ کو پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے انتہائی معیاری قرار دیا ہے کہ اس میں پاکستان کے اہم اور نامور شعرا نے شرکت فرمائی اور حضور اکرمؐ سے اپنی والہانہ عقیدت کا ثبوت فراہم کیا۔ اس آخری حصے میں پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے ایک ''رت جگے'' کی پر لطف اور متاثر کن روداد بھی سپردِ قلم کی ہے جس کا اہتمام حسن ناصر نے بڑے تزک و احتشام سے کیا تھا۔ مصنف نے اس رت جگے کا تعارف کرایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ''ہم نے حسن ناصؔر سے پوچھا کہ رت جگا کا اہتمام کیونکر سوجھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم شعوری طور پر چاہتے ہیں کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ ہم مزاج اہلِ قلم اپنے اپنے حلقۂ احباب کو ایسے مواقع فراہم کریں کہ کم از کم ہمارے ملک کے ادیب اور شاعر کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر حرمتِ قلم اور اپنے ضمیر کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں، یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اہلِ قلم ہر قسم کے دباؤ سے آزاد فطرتِ سلیم کی رہنمائی میں اپنا ادبی سفر جاری رکھیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ عصری شعور اور اسلوب کی تازگی ہی شعری تخلیق کو

زندگی عطا کرتے ہیں۔ غالب سے فیض اور ناصر کاظمی تک جتنے قدآور شعرا گزرے، ان کے ہاں قدر مشترک یہی ہے کہ وہ حکایتِ خونچکاں سے صرفِ نظر کرنا جرم تصور کرتے رہے۔'' حسن عسکری کاظمی نے عصرِ حاضر کے نامور شاعر آفتاب کاوش کی کتاب ''احساس'' کی تقریب رونمائی کی دلچسپ روداد بیان کی ہے اور زوردار بارش میں اس تقریب کا بھرپور طریقے سے منعقد ہو جانا معجزہ قرار دیا ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے پروفیسر مشکور حسین یاد کے دولت کدے پر منعقد ہونے والی ایک سنجیدہ علمی وفکری مجلس کا تذکرہ کیا ہے جس کی صدارت بھارت کے معروف صاحب علم فلسفی، ادیب، دانشور اور خطیب سید عقیل الغروی نے فرمائی۔ حسن عسکری کاظمی کا موقف یہ ہے کہ اس مزاج و مذاق کی مجالس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے تاکہ قدیم اور جدید افکار کے حامل ذہنوں کی آبیاری ہو سکے۔ اس حصے میں حسن عسکری کاظمی نے معروف نقاد اور استاد ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے اعزاز میں منعقد ہونے والی ایک تقریب کی روداد دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے جس کا اہتمام عالمی مجلس ادب پاکستان نے کیا تھا۔ اس تقریب میں عبدالکریم خالد کی شخصیت اور فن پر معروف دانشوروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سید وحید الحسن ہاشمی نے انہیں عصرِ حاضر کا مہدی افادی قرار دیا۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے بارے میں رقمطراز ہیں ''عبدالکریم خالد بحیثیت پاکستانی ادیب اور نقاد اردو ادب وتنقید میں اپنا نام اور کام اپنے جاندار اسلوب، ادبی ریاضت اور بے لاگ رائے کے اظہار کی صورت میں ملک اور ملک سے باہر متعارف کروا چکے ہیں اور انہیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ وہ مستقبل کے نقادوں اور ادیبوں کی نگاہ میں معتبر حوالہ بن کر ان کی تحریروں کو سند اعتبار بخشتے رہیں گے۔''

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی تخلیق ''حرفِ ہنر''

ادب اور صحافت کا حسین امتزاج ہے۔ اس کتاب میں ایک جانب تو وہ مقالات و

مضامین ہیں جو علمی و ادبی نوعیت کے حامل ہیں اور مختلف تقاریب میں پڑھے گئے اور دوسری جانب وہ کالم ہیں جو مختلف اخبارات کی زینت بنے۔ آپ ان دونوں اقسام کی تحریروں کا عمیق نگاہی سے مطالعہ فرما لیجیے، آپ دیکھیں گے کہ ان کے مزاج و مذاق میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ جو ادیب صحافت کے میدان میں داخل ہوئے انہوں نے صحافت کو اعتبار بخشا اور جن صحافیوں نے ادب میں طبع آزمائی کی انہوں نے ادب کو سطحیت سے ہم کنار کر دیا۔ حسن عسکری کاظمی کے کالموں میں بھی ایک خاص طرح کی ادبی چاشنی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں معروف نقاد ڈاکٹر آغا سہیل کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔

"

> پروفیسر حسن عسکری کاظمی ادب شناس کی حیثیت سے صحافت سے رجوع ہوئے لہٰذا ادب اور صحافت کے اس قرانِ السعدین نے ایک نئی عملی روایت کی طرح ڈالی۔ ان کے تبصرے علمی محاکے کا درجہ رکھتے ہیں حالانکہ اُردو ادب میں بعض (نام نہاد) نقادوں نے فتویٰ بازی اور فتوے سازی کی جو روش اختیار کی وہ اُردو ادب کے اصناف کے اقدار کو مسخ کر رہی ہیں۔ ادب کے منہاج کو کاظمی صاحب نے ان کے صحیح اقدار پر قائم کر دیا ہے نیز ان کے شعری مزاج اور مذاق نے اسے شعری لسانیات پر قائم کر کے علمی اور ادبی معیار سے آشنا کیا ہے۔

"

(حسن عسکری کاظمی، حرف ہنر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص فلیپ)

اب آپ ان کے ایک کالم بعنوان "مرثیہ اور جذبۂ محبت کی فروغ پذیری" کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ اس میں کس حد تک "کالمی معلومات" ہیں اور کہاں

تک ادبی رجحانات۔ نیز اس کا اسلوب دیکھنے کے بعد خود فیصلہ کیجیے کہ یہ اسلوب کسی کالم نگار کا ہے یا ادیب کا؟

"

عہد موجود میں مرثیے پر تحقیقی اور تنقیدی کام برابر جاری ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں مرثیے کے ناقدین ان تمام عناصر کی جزئیات پر بحث کرتے اور نئے گوشے تلاش کرتے آگے بڑھ رہے ہیں جن سے رثائی ادب انسانی اعلیٰ قدروں کا عکس جمیل بن کر ہمارے دل و دماغ میں سیرت و کردار کے علاوہ انسانی تصرفات کے نئے امکانات پیدا کرنے کا سبب بنا ہوا ہے۔ اب کوئی بڑا نقاد صنفِ مرثیہ سے دامن بچانا یا صرف نظر سے کام لینا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح جدید مرثیہ کہنے والے وقت کے بدلتے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے غیر ضروری تفصیل، مناظر کی جزئیات یا گھوڑے اور تلوار کی تعریف میں شعری بندوں کی فکری سخاوت عام نہیں کرتے بلکہ جس طرح دوسری اصناف نظم ونثر میں تبدیلیاں رونما ہوئیں اسی طرح جدید مرثیہ بھی ایجاز و اختصار کی طرف مائل ہوا۔ وقت کی رفتار اور زمانے کے میلانات ہر چیز پر اثر انداز ہوتے ہیں، گزرے ہوئے زمانے فراغتوں کے زمانے تھے جہاں ہر چیز سست رفتاری کے ساتھ اپنا سفر طے کرتی رہی مگر آج پلک جھپکتے منظر بدل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طویل ناول پڑھنا محال ہے چہ جائیکہ داستانِ امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا کے اوراق پر پھیلے ہوئے مناظر سے لطف اندوز ہونے کی خواہش کی جائے۔ موجودہ زمانے میں مختصر افسانہ بلکہ افسانچہ پڑھا جاتا ہے، آدمی کم سے کم وقت میں اپنی معلومات میں اضافہ چاہتا ہے یا تفریح کیلئے چند لمحے میسر آنا ضروری ہیں لیکن ہر تحریر میں تنوع، تیکھا پن اور جاذبیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس بحث کا

مقصود یہ ہے کہ طویل مرثیے پڑھنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اتنا وقت کہاں سے آئے اس لئے ہمارے مرثیہ نگار دو اڑھائی سو شعری بندوں پر مشتمل مرثیے کی بجائے پنتالیس، پچاس یا ساٹھ ستر شعری بندوں میں اپنا مرثیہ مکمل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ التزام وقت کا تقاضا ہے تا کہ پڑھنے والے کی طبیعت اچاٹ نہ ہو جائے، جدید مرثیے کا پھیلاؤ اتنا ہونا کافی ہے کہ مختصر افسانے کی طرح قاری پر اس کی گرفت رہے اور وہ آغاز سے انجام تک ایک مرثیہ ایک نشست میں تمام کر سکے۔

"——

(حسن عسکری کاظمی، حرفِ ہنر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۴)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کی کتاب ''حرفِ ہنر'' کا ایک اہم وصف اس کی موضوعاتی رنگا رنگی اور تنوع ہے۔ اس کتاب میں معروف علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی شخصیات پر بھی طبع آزمائی کی گئی ہے اور ان کی شخصیات اور فنون کے پوشیدہ گوشے منور کیے گئے ہیں۔ اسی طرح علم و ادب کے مسائل و معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اہم کلاسیکی اور جدید کتابوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اہم قومی اور ادبی امور پر مشتمل سیمیناروں اور تقاریب کو نئے تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی سعی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب ہمارے عہد کی ایک ایسی اہم علمی و ادبی دستاویز بن کر ہمارے سامنے آتی ہے جس میں ہمیں اپنا پورا عہد سانس لیتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر مشکور حسین یاد کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"——

حسن عسکری کاظمی نے ایک مشکل کام کو آسان کر دیا ہے۔ اب تک اپنی تحریروں میں وہ جس قدر رنگا رنگ نظر آ سکتے تھے اس میں نظر آ رہے ہیں اور پھر ان کی یہ بوقلمونی عام انداز کی نہیں ہے کہیں اس کتاب میں

محفلوں کے رنگ ہیں تو کہیں تبصروں کی رنگا رنگی پھر مزید یہ کہ انسانی خاکوں کے ذریعے حسن عسکری کاظمی نے زندگی کے طرح طرح کے رنگوں کو چلتا پھرتا بھی دکھایا ہے، مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قلم کی روانی کو جوانی کے وہ چھیلے اسلوب دکھائے ہیں کہ پڑھنے والا حیران ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر یہ حیرت نری حیرت نہیں آپ کو فکر ونظر کے بہت سے زاویوں سے بھی مالا مال کرتی ہے، اس گلدستے کا ہر پھول اپنا رنگ اور اپنی خوشبو ہی نہیں لیے ہوئے ہر پھول اپنی جگہ ایک چمنِ تازہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک چمن اور پھر تازہ اس میں پڑھنے والے کی بصارت ہی کا امتحان نہیں اس کے تمام حواس کو الرٹ رہنے کی توفیق بھی حاصل ہوتی ہے۔ کتاب کو پڑھ کر دیکھئے پھر آپ کو میرے سچ کا پتا چلے گا۔

______"

(حسن عسکری کاظمی، حرف ہنر، لاہور: المحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص فلیپ)

پروفیسر حسن عسکری ایک صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ ان کا اسلوب تنقیدی ہے لیکن وہ بھاری بھرکم اور ثقیل الفاظ سے اپنی تحریر کو بوجھل نہیں بناتے ہیں۔ انہیں حرفِ حق کہنے کا ہنر آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی پرتاثیر تحریر قارئین کے دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ ان کے اسلوب میں مختلف ذائقے ہمارے لیے لذت کا باعث بنتے ہیں۔ کہیں وہ اپنے طنز کے ذریعہ اپنے موقف کو اُجاگر کرتے ہیں اور کہیں ان کا مزاح زیرِ لب تبسم کی کیفیات سے دوچار کرتا ہے۔ وہ برمحل اشعار کے استعمال سے اپنی نثر کو مزید پرتاثیر بنا لیتے ہیں۔ ان کی تحریر میں ایک خاص طرح کی چاشنی ہے جو قاری کو محسوس تو ہوتی ہے لیکن وہ اسے کوئی خاص نام نہیں دے پاتا ہے۔ ایک محقق اور نقاد کے لیے صاحب طرز تخلیق کار بننا بے حد دشوار ہوتا ہے لیکن پروفیسر حسن عسکری کاظمی نے یہ دشوار مرحلہ انتہائی آسانی سے طے کر لیا ہے۔

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ عصرِ حاضر کے تخلیق کاروں میں ریاضت اور ذوق وشوق کی کمی نے ان کی تخلیقات کو بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ بنا دیا ہے۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے عمر بھر نقد وشعر سے اپنا تعلق برقرار رکھا ہے اور ان کی نصف صدی کو محیط علمی وادبی خدمات اس پر گواہ ہیں۔ میرے نزدیک حسن عسکری کاظمی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ایک ''کومیٹڈ نقاد'' ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے پوری زندگی ہوا وہوس، جاہ وشہرت یا نام ونمود کی خاطر اپنے نظریات وافکار کا سودا نہیں کیا۔ آپ ان کے نظریات سے اختلاف تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے فکری تضاد کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ وہ دوسرے نقادوں کی طرح نہ تو تکرار کا شکار ہوتے ہیں اور نہ سطحی مسائل میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ وہ کل کی طرح آج بھی صاحبانِ دانش کو یہی موثر پیغام دے رہے ہیں کہ

کچھ اہلِ قلم رہتے ہیں بیزار سے ہر دم
جو کام کیا اس کو دوبارا نہیں کرتے

پروفیسر حسن عسکری کاظمی ایک جامع الصفات شخصیت اور ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔ ان کا تخلیقی سفر نصف صدی کو محیط ہے مگر انہوں نے کبھی اپنے آپ کو حرفِ آخر نہیں سمجھا۔ ان کی یہی عاجزی ان کی عظمت کا بنیادی سبب ہے۔ وہ آج بھی تندہی، محنت اور جفاکشی سے علم وادب کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے قلم کو اور زیادہ توانائی کے ساتھ استعمال کریں اور ان کے افکار ونظریات سے ہم بیش از بیش فائدہ اٹھا سکیں اور ان کے حروفِ حق کی روشنی سے ایوانِ شعروادب اسی طرح جگمگاتے رہیں۔

◆◆◆

آٹھواں دریچہ

حسن عسکری کاظمی کا سفرنامۂ شام

◆◆

دانش مندوں نے سفر کو وسیلۂ ظفر قرار دیا ہے۔ یوں تو ہر سفر کامیابی اور کامرانی کی نوید سناتا ہے تاہم وہ سفر حقیقتاً مظفر ہے جو قلب و نظر کی کشادگی اور نفس کی طہارت کا باعث بنے۔ اُردو میں سفرنامہ کی روایت بہت پرانی ہے۔ یوسف کمبل پوش سے لے کر حسن عسکری کاظمی تک بے شمار سفرنامہ نگار ہیں جنھوں نے سفر کے دوران میں پیش آنے والے حالات و واقعات کو انتہائی دلچسپی اور قلبی کیفیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حسن عسکری کاظمی کا دیارِ زینبؑ کا سفرنامہ اس لحاظ سے قابلِ توجہ ہے کہ اس میں ایک تخلیق کار نے پاکستان سے شام تک کا سفر روحانی طور پر قلب و نظر کے ذریعہ طے کیا ہے۔

''دیارِ زینبؑ'' حسن عسکری کاظمی کا اوّلین سفرنامہ ہے جسے رضا سنز پرنٹرز لاہور نے ۲۰۰۷ء میں بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ''حرفِ آغاز''

کے عنوان سے موصوف رقمطراز ہیں:

"۔۔۔۔۔

موسم خوشگوار ہے۔ اسی موسم میں پازیبِ گل چھنکتی ہے اور اسی موسم میں زخموں کے پھول کھلتے ہیں۔ اسی فصلِ گل میں گریبان چاک ہوتے ہیں۔ محرم سے صفر تک ہم اپنی تمام خوشیاں شہیدانِ کربلا کے غم میں بھلا دیتے ہیں۔ تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے کہ ہم آلِ اطہارؑ اور نبی پاکؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہستیوں سے متمسک ہو جائیں۔ آپ کی نواسیوں کا سرزمین کربلا سے کوفہ و شام کا بے کجاوہ اونٹوں پر برہنہ سروں کے ساتھ سفر وہ زخم ہے جو کبھی مندمل نہیں ہوگا۔ شہیدوں کے بریدہ سروں کا نوکِ سناں پر سفر وہ سفر ہے جس میں مسافتِ صبر و رضا طے کرنے کی بے مثال اور لازوال داستانِ غم رقم کی گئی ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت امام زین العابدین علی ابن حسین علیہ السلام نے شہادتِ عظمیٰ کے مقصد کی حفاظت کی خاطر مثالی کردار ادا کیا۔

ہمیں اس سرزمین کی زیارت مقصود ہے جہاں ہم اپنی گنہگار آنکھوں سے وہ منظر دیکھیں گے۔ ہمیں ہر منظر خون کے آنسو رلائے گا۔ ہم وہ بازار دیکھیں گے جہاں سے نبی زادیوں کو بے مقنع و چادر گزارا گیا، ہم وہ دربار اور وہ مقام دیکھیں گے جہاں اسیرانِ کربلا کو پہروں پابہ زنجیر یا رسن بستہ رکھا گیا ہم نے وہ قید خانہ بھی دیکھنا ہے جہاں امام عالی مقام کی لاڈلی بیٹی سکینہؑ نے اپنے بابا کے غم میں رو رو کر سیاہ راتیں بسر کیں اور ایک دن حالت بے کسی میں آنکھیں موند لیں، ہمیں اس جگہ بھی جانا ہے جہاں شہیدان راہِ وفا کے سروں کو رکھا گیا، ہمیں وہ مقامات بھی دکھائے جائیں گے جہاں امام زین العابدین علیہ السلام

نے سجدہ ہائے شکر ادا کیے، اس پتھر کی زیارت بھی کی جائے گی جس پر امام مظلوم کا سر بریدہ رکھا گیا اور جس پر آج بھی خونِ حسینؑ کے نشان تازہ نظر آتے ہیں...... اور اس کے علاوہ بہت سی زیارات سے بہرہ ور ہونا ہے۔

"____

(حسن عسکری کاظمی، دیارِ زینبؑ، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء، ص ۹)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی کا یہ سفرنامہ لاہور سے شروع ہوتا ہے۔ موصوف نے ایئرپورٹ تک کے سفر کو بڑے دلچسپ اور ادبی رنگ میں بیان کیا ہے۔ کویت ایئرویز سے وہ کویت پہنچے یہاں مختصر قیام کے بعد وہ اور ان کی زوجہ شام پہنچ گئے۔ دربارِ زینبؑ میں حسن عسکری نے اپنی حاضری کا جو رنگ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

____"

ہم باوضو ہو کر سرِ عقیدت جھکائے صدر دروازے کی جانب بڑھے۔ عجیب رقت آمیز منظر تھا۔ اکسٹھ ہجری سے موجودہ صدی تک تمام فاصلے سمٹ چکے تھے۔ سانحۂ کربلا میں حضرت زینبؑ کا کردار اور اس سرزمین پر آج ان کی فرماں روائی اور عقیدت مندوں کے دلوں پر حکمرانی دیکھ کر یقین آگیا کہ حق کی فتح اور اہلِ حق کا صبر و استقلال ایسا معجزہ ہے جو ابدالآباد تک باقی رہے گا۔ حضرت زینبؑ بنتِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ایسی عظیم المرتبت ہستی کا نام ہے جسے ثانیِ زہراؑ بھی کہا جاتا ہے۔ امام عالی مقامؑ کی ہمشیر اور حضرت علی حیدر کرار کی بیٹی نے جو کردار پیش کیا اور جس طرح صبر و استقلال کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک بے مقنع و چادر ہونے کے باوجود خاک بسر اور بالوں سے چہرہ چھپائے اپنا اور اپنے ساتھ خواتین اور بچوں کا خیال رکھا، مصیبت اور

ازیت کے لمحات میں سب کو حوصلہ و ہمت بخشی اس کی مثال ڈھونڈنے
سے نہیں ملتی۔

"____

(حسن عسکری کاظمی، دیارِ زینبؑ، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۹)

حسن عسکری کاظمی نے پرنم آنکھوں کے ساتھ خانوادہ رسالتؐ کی قبور کی زیارت کی اور اصحابِؓ رسول کے مزاروں پر حاضری دی۔ موصوف نے دل ونگاہ سے بی بیؑ کے روضے کا طواف کیا اور دامنِ اُمید کو مرادوں سے بھر لیا۔ آخر یہ متبرک سفر پرنم آنکھوں کے ساتھ ختم ہوا اور موصوف کویت ایئرویز کے ذریعہ اسلام آباد اور پھر لاہور پہنچ گئے۔

حسن عسکری کاظمی روایتی سفر نامہ نگار نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے سفر کو محض خارجی معاملات تک ہی محدود نہیں رکھا ہے بلکہ کوشش کی ہے کہ اس سفر کو باطنی سفر نامہ بنا دیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ بار بار دمشق و شام میں چودہ صدیاں پیچھے روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہ ان مناظر کو چشمِ تصور سے دیکھ لیتے ہیں جو اب محض تاریخ کا حصہ ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ حسن عسکری کاظمی نے کس طرح حال و ماضی کو یکجا کر دیا ہے۔

"____

مختلف ملکوں سے آئے ہوئے زائرین کے انداز واطوار ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ سوز و گداز، دردمندی، عبادت و ریاضت، عاجزی وانکساری، دعاؤں کا تسلسل یا گریہ وزاری تھی۔ یہ سب زائرین حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی بارگاہ میں ان کے بھائی، بیٹوں، بھتیجوں اور تمام شہیدوں کا پرسہ دینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ نماز باقاعدگی سے باجماعت ادا ہو رہی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ہر شخص کشاں کشاں روضۂ پرنور کی جانب زیارت کے لئے جانا اپنی خوش نصیبی تصور

کرتا، درود و سلام کا ورد اور سنہری گنبد پر نظر اور دل میں شہیدان کربلا کا غم موجزن تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت زین العابدینؑ اس غم میں اس قدر روئے کہ آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ آپ کے ایک محب ملہالؓ نے عرض کیا کہ اے فرزندِ رسول آپ اس قدر کیوں روتے ہیں۔ شہادت آپ کے گھر کا اعزاز ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ملہال تم نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ یقیناً شہادت ہمارے گھرانے کا اعزاز ہے لیکن ماؤں، بہنوں اور پھوپھیوں کا بے مقنع و چادر دربار میں جانا بھی کیا ہمارے لئے باعثِ اعزاز ہے۔ یہی وہ زخم ہے جو کبھی مندمل نہیں ہو سکتا۔ اسی زخم نے ہمیں خون کے آنسو رلایا ہے۔ یہ زخم ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔

"____

(حسن عسکری کاظمی، دیارِ زینب، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء، ص ۴۴)

حسن عسکری کاظمی ایک حساس شاعر بھی ہیں۔ انہوں نے اس سفرنامے میں سینکڑوں اشعار قلمبند کیے ہیں۔ یہ تمام اشعار اپنی نوعیت کے باعث قارئین کے دلوں کو گداختہ کر دیتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی شعر کو نثر کا زیور سمجھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنی نثر کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے برمحل اشعار استعمال کرتے ہیں۔ اس سفرنامے میں لکھے گئے سینکڑوں اشعار میں سے چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور لطف اٹھائیے:

تم تو ہمیں کو کہتے تھے یہ تم کو کیا ہوا   دیکھو کنول کے پھول سے شبنم چھلک نہ جائے

....

دمِ رخصت وہ چپ رہے عابدؔ   آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

....

جو تیر بھی ترکش میں ہے چل جائے تو اچھا   حسرت مرے دشمن کی نکل جائے تو اچھا

میں کیسے مان لوں رویا وہ بعدِ قتلِ امامؑ　　کہاں یزید کی آنکھیں کہاں حسینؑ کا غم

....

رہرو راہِ عقیدت سے محبت ہو گئی　　ہم زباں کب تھا وہ اک زائر مگر اچھا لگا

....

اسی کے دم سے شعورِ وفا کا پیمانہ　　اسی کے فیض سے جنت کا مستحق ہے قتیل

....

کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے　　سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے

....

جائے گا جب یہاں سے کچھ بھی نہ پاس ہو گا　　دو گز کفن کا کپڑا تیرا لباس ہو گا

....

یہی معیارِ دیانت ہے تو کل کا تاجر　　برف کا باٹ لیے دھوپ میں بیٹھا ہو گا

....

حفظِ وقارِ سجدہ جو پیشِ نظر رہا　　باوصفِ قید و بند بھی سجدے میں سر رہا

....

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم　　تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

....

پروفیسر حسن عسکری کاظمی شام کے سفر کے دوران میں اپنے وطن پاکستان کو بار بار یاد کرتے ہیں۔ کبھی وہ خوشگوار یادوں کے حوالے سے اپنے دیس کو یاد کرتے ہیں اور کبھی وہ ابتر حالات کی یورش کے باعث وہاں کے مکینوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ایک موقع پر وہ پاکستانی اور بھارتی حکومتوں کا موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"—

بھارت نے مشرقِ وسطیٰ میں اپنے قدم جمانے کی خاطر بھرپور منصوبہ بندی کی ہوئی ہے۔ ان کا سفارت خانہ ہر مسلم ملک میں روزگار کے مواقع ڈھونڈنے اور بھارتی ضرورت مندوں کو ہنر سکھانے کا پروگرام مستقل بنیادوں پر قائم کیے ہوئے ہے۔ وہ جدید ترین ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے باخبر رہتا ہے اور جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں اپنے ملک سے بے روزگار افراد کو بھجوا دیتا ہے۔ کویت یا دوسرے مسلم ممالک کو اس سے غرض نہیں کہ وہ کس نسل، قوم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں قابلیت، ہنرمندی اور صلاحیت کار چاہیے۔ بھارت، انڈونیشیا، ملائیشیا اور سری لنکا سے ایسے افراد بکثرت ملتے ہیں۔ پاکستان میں ہماری وزارتیں اور سفارتیں اس جھنجھٹ سے آزاد ہیں۔ کم بہت ہی کم افراد اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر سعودی عرب، دوبئی، ابوظہبی، عرب امارات وغیرہ میں گئے۔ کویت میں بھی پاکستانی ہوں گے لیکن ان کی مثال آٹے میں نمک کے برابر بلکہ اس سے بھی کم ہے۔

—

(حسن عسکری کاظمی، دیارِ رحبٔ، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۴)

اسی طرح پاکستان واپسی پر وہ یہاں کی صورت حال پر طنز کے تیر برساتے ہوئے کہتے ہیں:

"—

اسلام آباد ایئرپورٹ پر صبح کے چھ بجے سے لے کر پونے سات بجے تک اس بے ہنگم ہجوم اور منجمد اور غیر متحرک کاروان کے درمیان پھنسے

رہے۔ بدانتظامی دیکھ کر پاکستان پولیس کے ''حسنِ انتظام'' پر رونا آیا۔ لوگ آپس میں جھگڑتے رہے۔ ہر شخص کو نکلنے کی جلدی ہے مگر راستہ نہیں ملتا۔ بعض مسافر بارش میں بھیگتے رہے۔ مالکان مقامی ٹرانسپورٹ، منی بسیں، ٹیوٹا ویگن منہ مانگے کرائے وصول کرنا اس جگہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔

''——

(حسن عسکری کاظمی، دیارِ زینبؑ، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء، ص ۹۹)

اُردو سفرنامے کی تاریخ میں دیارِ زینبؑ کا مقام و مرتبہ کیا ہے اس کا فیصلہ تو ناقدینِ ادب فرمائیں گے تاہم یہ بات طے ہے کہ حسن عسکری کاظمی ایک عمدہ سفرنامہ نگار ہیں۔ اُنہوں نے جس عمیق نگاہی کے ساتھ شام کے حالات و واقعات کو دیکھا اور بیان کیا ہے وہ قابلِ صد تحسین ہے۔ اس سفرنامے کے حوالے سے راشدہ ریاض کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

''——

دیارِ زینبؑ میں تمام تفاصیل کے باوجود بہت سے پہلو تشنۂ اظہار بھی ہوں گے مگر اتنا ضرور ہے کہ اس سفرنامے کو پڑھنے سے عام قاری چشمِ تصور کی بدولت ہر مقام پر خود کو موجود پاتا ہے خصوصاً وہ لوگ جو شام کی زیارت کا شوق رکھتے ہیں انہیں یہ سفرنامہ باب الصغیر، بازارِ شام، دربارِ یزید (جامع امیہ)، حضرت یحییٰؑ کی قبر مبارک، اصحابِ کہف، شہیدِ اول حضرت بابیلؑ کے مزارِ اقدس کنیزہ حضرت فاطمہؑ کی قبر مبارک باتصویر بدیہ کرنے کا موجب ہے۔ اسی طرح روزِ اربعین (امامِ مظلوم کے چہلم) پر مختلف ملکوں سے آئے ہوئے زائرین اور ماتمیوں کے حلقوں میں سینہ کوبی کے مناظر بھی نظر آتے ہیں۔ خصوصاً

لبنانی نوجوان کفن پوش قطار اندر قطار روضۂ حضرت زینبؑ کے سامنے
کشادہ میدان میں آ کر روبرو ہو جاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے
سروں پر تلواروں سے ماتم کرتے ہوئے غسلِ خون کرتے ہیں۔
پروفیسر حسن عسکری نے یہ منظر دیکھ کر نمناک آنکھوں سے مومن خاں
مومن کا یہ شعر لکھا:

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اُٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اُٹھے

(راشدہ ریاض، ''حسن عسکری کاظمی کا سفرنامۂ شام'' (مضمون)،
ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص ۳۱)

حسن عسکری کاظمی کے سفرنامہ 'دیارِ زینبؑ' کے حوالے سے معروف نقاد
ڈاکٹر انور سدید کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

''

پروفیسر حسن عسکری کاظمی لاہور سے سوئے دمشق روانہ ہونے لگے تو وہ
اپنی قسمت پر نازاں تھے کہ شام میں روضۂ حضرت زینبؑ پر خاکِ
مقدس کو اس وقت چومیں گے جب زائرین ان کے چہلم پر اظہارِ
عقیدت کر رہے ہوں گے۔ انہیں اس سرزمین کی زیارت مقصود تھی
جہاں اسیرانِ کربلا کو پہروں پا بہ زنجیر رکھا گیا تھا، جہاں امام زین
العابدینؑ نے سجدہ ہائے شکر ادا کیے، جہاں امام عالی مقامؑ کی لاڈلی
صاحبزادی سکینہؑ نے روتے روتے آنکھیں موند لی تھیں۔ یہ سفرنامہ
دیارِ مقدس کا سفرنامہ ہے جس میں زائر حسن عسکری کاظمی کا ہر قدم داخلی
عقیدت، قلبی احترام اور تاریخ کی دائم صداقت میں اٹھتا ہے اور اس
کتاب کے اوراق کے مطالعے کے دوران دو باتوں کا احساس نمایاں

نظر آتا ہے۔ اول یہ کہ حسن عسکری کاظمی نے دمشق کے مقدس نظاروں کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھا اور اپنے تاثر کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔ دوم۔ وہ اپنے روحانی سفر سے جب ظاہر کی دنیا میں آتے ہیں تو ہمیں دمشق کی ارضی سیاحت بھی کراتے ہیں اور اب وہ زائر کی بجائے ایک سیاح کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں جو حیرتیں تلاش کر رہا ہے اور اشیا، مظاہر، واقعات حاضرہ اور معاشرتی تاثر میں ہمیں بھی شامل کرنے کے آرزومند ہیں۔ ''دیارِ زینبؑ'' ایک روحانی سفرنامہ ہے۔ اس کا ہر لفظ محبت ہے، اور دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا اور آنسوؤں میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ آپ اسے بی بی زینبؑ کا مرثیہ بھی قرار دے سکتے ہیں جو بھیگی ہوئی پلکوں سے لکھا گیا ہے۔

''____

(ڈاکٹر انور سدید، تبصرۂ کتب، روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور)

حسن عسکری کاظمی صاحب طرزِ اسلوب نگار، تخلیق کار ہیں۔ اس سفرنامے میں انہوں نے کوثر و تسنیم سے دھلی زبان استعمال کی ہے۔ سادہ اور سلیس زبان میں پیش کردہ خیالات قارئین کے دلوں کو مسخر کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ حسن عسکری کے قلم میں یہ قدرت بدرجۂ اتم موجود ہے کہ انہوں نے منظرکشی اور محاکات نگاری کے بہترین مرقعے اس سفرنامے میں پیش کیے ہیں۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حسن عسکری کاظمی کا یہ سفرنامہ ایک جانب تو ان کے روحانی ارتفاع کا مظہر ہے اور دوسری جانب یہ قارئین کے لیے معلومات کا بیش بہا خزانہ بھی ہے۔ اب ان کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ۔

محسوس نہ کی جس نے ضرورت بھی سفر کی\
اس شخص نے اس حال میں کیا خاک بسر کی

◆◆◆

نواں دریچہ

انتخابِ کلام

حمد، نعت، منقبت، سلام، مرثیہ، غزل، نظم

◆◆

(الف) حمدیں

(۱) ۔ اس کی ہستی کو سمجھنا کہاں آساں ہوگا

(۲) ۔ تو کائناتِ حُسن ہے اے ربّ کائنات

(سرورِ کائنات، مقصودِ کائنات)

(ب) نعتیں

(۱) ۔ آپؐ کی مدحت نگاری کا ہنر اچھا لگا

(۲) ۔ جہانِ عشق میں مجھ کو ہے جستجوئے رسولؐ

(۳) ۔ میں گدائے مصطفےٰؐ ہوں مجھ کو کیا درکار ہے

(سرورِ کائنات)

(ج) مناقب

(۱) ۔ اعجاز ہے یہ عشقِ رسالت مآبؐ کا

(۲) ۔ وہ تشنہ لب جو سراپا بے نوا کا ہے

(مقصودِ کائنات)

(د) سلام

(۱) ۔ ہوا شیرازۂ ہستی پریشاں ریگِ صحرا پر

(۲) ۔ ہم ہیں خوش بخت ہمیں رزقِ ہنر ملتا ہے

(۳) ۔ جہاں حسینؑ وہاں لا الہ الا اللہ

(مقصودِ کائنات)

(ہ) مرثیہ

(۱) توقیرِ حریت

(۲) اقتباس مرثیہ در حالِ حضرت حُرؓ

(۳) ع اک منقلب مزاج کا شعلہ لہو میں ہے

(شمارہ جلۂ الفت)

غزلیں

(۱)۔ آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسو دیکھے

(۲)۔ رہیں مدام جو روشن وہ آفتاب آنکھیں

(۳)۔ دل کی دیواروں پہ جب سے خامشی تحریر ہے

(۴)۔ سنا جس نے وہ حیراں ہو گیا ہے

(۵)۔ حاصلِ زیست ہوا فصلِ خزاں کا نوحہ

(دشتِ بے صدا)

(۱)۔ اسے میں دیکھ نہ پاؤں گا یہ ملال بھی ہے

(۲)۔ شاید وہ میں تھا یا کوئی مجھ سا تھا سامنے

(۳)۔ ایک موجد کا ہیولا جن رصد گاہوں میں تھا

(۴)۔ چشمِ گریاں سے جو دریا نہ تھما تیرے بعد

(۵)۔ عجب ہے کیا جو رہے دوش پر نہ سر باقی

(خیمۂ خیال)

(۱)۔ سانحہ یہ بھی کتابوں میں کہیں رہ جائے گا

(۲)۔ کوئی دیوار سلامت ہے نہ گھر باقی ہے

(۳)۔ زمیں پہ بکھرے ہوئے بال و پر بھی دیکھے ہیں

(۴)۔ خواہشِ مرگِ تمنا دلِ بیمار کے بیچ

(۵)۔ ہر غم سے مل گئی ہے فراغت کچھ ان دنوں

(ریزۂ خواب)

نظمیں

(۱) حرفِ تمنا

؎ آج کا سورج کل بھی نکلے، برسوں نکلے

(۲) محسنِ ملّت

؎ ہم ہیں اس محسنِ ملّت کے پرستاروں میں

(۳) صبحِ احتساب

؎ زمینِ شب سے اُگائی تھی روشنی ہم نے

(۴) حرفِ دعا

؎ بتاؤ کہ ہم کس عدالت کا در کھٹکھٹائیں

(۵) وحیدِ عصر

؎ وہ اشک بن کے اگر میری چشمِ تر میں رہے

(لہو بولتا ہے)

◆◆◆

حمد

اس کی ہستی کو سمجھنا کہاں آساں ہوگا
جس کا دعویٰ ہے جو سمجھا وہی ناداں ہوگا

کبریائی پہ خرد سوچ میں ڈوبی ہو گی
اس کی حکمت پہ جنوں سر بہ گریباں ہوگا

آئینہ اُس نے تراشا کہ وہ دیکھے خود کو
جذبۂ عشق مگر کتنا فراواں ہوگا

کُن فکاں قوتِ تخلیق کا سرچشمہ ہے
لبِ یزداں پہ یہی حرف بھی فرماں ہوگا

اس نے مٹی سے تراشا ہے وجودِ آدمؑ
خالقِ نور کا ہم پر یہی احساں ہوگا

اپنی ہستی پہ کیا غور تو عقدہ یہ کھلا
ایسی مخلوق پہ خالق بھی تو نازاں ہوگا

وہی جبّار، وہی قادرِ مطلق ہے حسنؔ
جو بھی آئے گا مقابل وہی بے جاں ہوگا

◆◆

حمد

تو کائناتِ حُسن ہے اے ربِّ کائنات
روشن ہیں تیرے نور سے ایوانِ شش جہات

ٹوٹا ہوا فلک سے ستارہ مری مثال
اور آسمانِ مہر و محبت تری ہی ذات

ہر شے پہ ثبت مُہر ترے اختیار کی
فرمانِ لازوال ہے تیری ہر ایک بات

سورج کی آب و تاب سے برتر ترا جلال
تیرے جمال سے کہیں کم تر ہے چاند رات

روزِ ازل پہ سایہ فگن ہے ترا نشاں
روزِ ابد کے بعد بھی قائم ترا ثبات

دل میں بھی تُو ہے اور رگِ جاں سے بھی قریب
چھوٹا نہ ایک لمحے کو یہ عمر بھر کا سات

روح و بدن میں تیری خدائی کا دخل ہے
لگتا ہے یوں کہ ہاتھ میں ہے میرے تیرا ہات

◆◆

نعتؐ

آپؐ کی مدحت نگاری کا ہنر اچھا لگا
موسمِ نعتِ نبیؐ شام و سحر اچھا لگا

سبز گنبد پر نظر، صلِ علیٰ وردِ زباں
دیکھنا یوں روضۂ خیرالبشرؐ اچھا لگا

اُنؐ کے دامن کی ہوا نے سرخوشی بخشی مجھے
اس بھری دنیا سے ہونا بے خبر اچھا لگا

ذکرِ اوصافِ نبیؐ کرنا ہے عینِ زندگی
چشمۂ آبِ بقا پیشِ نظر اچھا لگا

فیض ہے اُن کا اندھیروں سے چھڑا لائے مجھے
قریۂ جاں میں اُجالوں کا سفر اچھا لگا

ملّتِ بیضا کا غم تازہ رہا اُنؐ کے حضور
اشکِ خوں بہنا مجھے، اے چشمِ تر اچھا لگا

خامۂ مژگاں سے لکھا اسمِ پیغمبرؐ حسنؔ
روشنائی کے لئے خونِ جگر اچھا لگا

نعت

جہانِ عشق* میں مجھ کو ہے جستجوئے رسولؐ
سحر کے خواب میں دیکھوں میں کاش رُوئے رسولؐ

یہ معجزہ ہے عقیدت ہے یا کہ فیضِ نظر
ہر ایک پھول سے آنے لگی ہے بُوئے رسولؐ

مقامِ شکر کہ عرفانِ شہرِ علم ہوا
کہ بابِ علم پہ لائی ہے آرزوئے رسولؐ

دعائیں دشمنِ جاں کو وہی تو دیتے ہیں
کہ مغفرت کا بہانہ بنی ہے خوئے رسولؐ

کسی کی چشمِ تصور پہنچ نہ پائے جہاں
عزیز کتنی خدا کو ہے آبروئے رسولؐ

بقدرِ ظرف ہے اُن کی عطا کا پیمانہ
چھلک نہ جاؤں کہ جاری ہے آبجوئے رسولؐ

کہاں چھپاؤں گا فردِ عمل حسنؔ اس دم
فرشتے لے کے جب آئیں گے رُوبروئے رسولؐ

نعتؐ

میں گدائے مصطفیٰؐ ہوں مجھ کو کیا درکار ہے
ہاں مجھے شہرِ نبوّت کی فضا درکار ہے

مجھ سے کیا ہو گی محمدؐ کی ثنا خوانی مگر
اس حوالے سے مجھے اپنی بقا درکار ہے

نبضِ ہستی ڈوبتے دیکھوں تو آتا ہے خیال
ہر نفس اب اُنؐ کے دامن کی ہوا درکار ہے

بے اجل کربِ مسلسل میں ہوں کب سے مبتلا
میرے حق میں فخرِ عیسیٰؑ کی دُعا درکار ہے

ربذۂ جاں میں ہے مجھ پر سایۂ ابرِ کرم
بوذرؓ میں خیمۂ فقر و غنا درکار ہے

آیتیں کردار کے سانچے میں یوں ڈھلنے لگیں
چاہنے والے کو اب انؐ کی رضا درکار ہے

کاش آ جائے کوئی سبطِ پیمبرؐ کی مثال
پھر زمانے میں حسنؔ اک کربلا درکار ہے

◆◆

منقبت

اعجاز ہے یہ عشقِ رسالتؐ مآب کا
غازہ ہے رُخ پہ خاکِ درِ بوترابؑ کا

اسمِ نبیؐ سے اسمِ علیؑ متصل رہے
درسِ وفا یہی ہے ولایت کے باب کا

سب کا ولی علیؑ ہے نبیؐ کا وصی علیؑ
لاریب مستحق ہے وہی اس خطاب کا

زیرِ کسا جو مرکزِ عصمت ہیں فاطمہؑ
پاکیزہ کس قدر ہے عقیدہ حجاب کا

عاقل وہی ہے جو درِ حسنینؑ پر جھکے
دل میں رہے نہ خوف بھی یومِ حساب کا

مقصودِ زندگی ہے فقط پنجتنؑ کا ذکر
یہ لازوال ذکر ہے کس آب و تاب کا

کونین میں علیؑ کا تصرّف کہاں نہیں
یاد آ گیا پلٹنا حسنؔ آفتاب کا

◆◆

منقبت

وہ تشنہ لب جو آسرا ہر بے نوا کا ہے
قبضہ فراتِ دل پہ اسی باوفا کا ہے

آبِ رواں پہ اس کا تصرّف ہے آج بھی
حلقہ بگوش خضرؑ اسی رہنما کا ہے

پرچم کشا ہے اس کی فضیلت نماز میں
خوش ہوں کہ اس کا نام وسیلہ دعا کا ہے

اس کے علَم کو دیکھ کے پڑھتا رہوں درُود
احسان مجھ پہ یہ بھی تو معجز نما کا ہے

رعب و جلال و ہیبت و عظمت خدا گواہ
عباسؑ آئینہ اسدِ کبریا کا ہے

حرفِ سخن کو گوہرِ یکتا بنا دیا
یہ زندہ معجزہ اسی دستِ عطا کا ہے

اس کا علَم شعورِ وفا سے ہے مستنیر
عباسؑ استعارہ حسنؑ کربلا کا ہے

◆◆

سلام

ہوا شیرازۂ ہستی پریشاں ریگِ صحرا پر
خزاں کی زد پہ دیکھا اک گلستاں ریگِ صحرا پر

فلک صدیوں بھی آنکھ اپنی کھلی رکھے تو کیا حاصل
ہوا ایسا نہ پھر کارِ نمایاں ریگِ صحرا پر

شہیدوں کے لہو کی گل فشانی کا یہ عالم تھا
برستا تھا مثالِ ابرِ نیساں ریگِ صحرا پر

خدا جانے حسینؑ ابنِ علیؑ کے دل پہ کیا گزری
کہ جب دیکھا نشانِ شیرِ یزداں ریگِ صحرا پر

امامت کا نگینہ جلتے خیموں سے اٹھا لانا
ابھی تک نقش ہے زینبؑ کا احساں ریگِ صحرا پر

کئے ایسے بھی ساماں حفظِ دیں کے سبطِ احمدؐ نے
کہ لکھا بے زباں کے خوں سے قرآں ریگِ صحرا پر

حسنؔ مقتل سے لائیں ڈھونڈ کر زینبؑ سکینہؑ کو
بسر یوں بھی ہوئی شامِ غریباں ریگِ صحرا پر

◆◆

سلام

ہم ہیں خوش بخت ہمیں رزقِ ہنر ملتا ہے
پردۂ شب میں ہمیں دیدۂ تر ملتا ہے

ہم سلام ان پہ جو کہتے ہیں تو ہوتا ہے یقیں
ہر گلِ حرف کے بدلے میں گہر ملتا ہے

یا علیؑ کہنے سے ملتی ہے گناہوں سے نجات
یا علیؑ کہنے سے فردوس میں گھر ملتا ہے

ان کی خدمت پہ ہیں معمور فرشتے ہر دم
ان کے گہواروں میں جبریلؑ کا پر ملتا ہے

ایک ہی در ہے درِ سبطِ محمدؐ کہ ہمیں
گھر سے نکلیں تو کشادہ یہی در ملتا ہے

خوش نصیبوں کو دیا جاتا ہے شبیرؑ کا غم
آنکھ سے خون گرانے کو جگر ملتا ہے

نخلِ گریہ کی ہر اک شاخ ہے شاداب حسنؔ
کتنی صدیوں سے ہمیں اس کا ثمر ملتا ہے

◆◆

سلام

جہاں حسینؑ وہاں لا الٰہ الا اللہ
کہاں یزید کہاں لا الٰہ الا اللہ

ہوئی بلند جو کرب و بلا میں وقتِ سحر
وہی ہے حق کی اذاں لا الٰہ الا اللہ

حسینؑ سجدۂ آخر میں سر جو تو نے دیا
پکارے کون و مکاں لا الٰہ الا اللہ

لباسِ زخم بھی اچھا لگا بدن پہ ترے
امامِ تشنہ دہاں لا الٰہ الا اللہ

طواف کوچۂ عشقِ حسینؑ میں مصروف
ہر ایک پیر و جواں لا الٰہ الا اللہ

رہے گی یاد زمانے کو تیری تشنہ لبی
کنارِ نہرِ رواں لا الٰہ الا اللہ

دہکتی آگ پہ ماتم بھی معجزہ ہے حسنؔ
بپا ہے آہ و فغاں لا الٰہ الا اللہ

◆◆

انتخابِ مرثیہ

'توقیرِ حریّت'

(ابتدائی چند بند)

◆◆

اک منقلب مزاج کا شعلہ لہو میں ہے　　دل کی طمانیت کا بھرم آبرو میں ہے
خضرِ ضمیر آج رہِ جستجو میں ہے　　توقیرِ حریّت نمۂ آرزو میں ہے
ثابت ہے جیسے حُرؓ کا تصرّف ثبات پر
یوں مرثیہ محیط ہے آبِ حیات پر

شمشیرِ صبح کاٹتی ہے جیسے تیرگی　　جیسے کرن سے خیمۂ شبنم میں روشنی
قطرہ بجھائے جیسے سمندر کی تشنگی　　پیدا ہو جیسے قلب کے مرکز میں آگہی
یوں حریّت خیال کی صورت نظر میں ہے
جیسے جمالِ حرفِ رثا کی سحر میں ہے

ذہنِ رسا کا جیسے تسلط بیان پر　　جیسے دعا کا ذائقہ دل کی زبان پر
یوں نرم نرم دھوپ ہے غم کی چٹان پر　　جیسے غلافِ رنگ خلائی کمان پر
دورِ نفس میں درد کی لذّت بہار ہے
اس کشمکش میں حُرؓ کی روش آشکار ہے

سیرت ہے آئینے کی ہویدا حباب میں　　گویا قدم شعور نے رکھا شباب میں
روشن ہے ایک ماہِ مودّت نقاب میں　　یا حرفِ معتبر ہے یقیں کی کتاب میں
شکرِ خدا کہ زلفِ سخن کا اسیر ہوں
میں حُرؓ کی بارگاہ کا روشن ضمیر ہوں

میری سخن وری کا عقیدہ ہے آگہی — ہر صاحبِ اصول سے رکھتا ہوں دوستی
انسانیت شناس ہوں میں پیروِ علیؑ — ہر سانس ردِ ظلم ہے مقصودِ زندگی
دعویٰ نہیں کہ مقصدِ حُرؑ کے قریب ہوں
آزادیٔ ضمیر کا پھر بھی نقیب ہوں

عرضِ ہنر میں فکرِ حقیقت لئے ہوئے — بیدار حرف و لفظ کی دولت لئے ہوئے
تہذیبِ زندگی سے بصیرت لئے ہوئے — رُخسارِ حُرؑ سے اشکِ ندامت لئے ہوئے
مظلومیت میں دیکھ کے عزمِ ثبات کو
میزان کر رہا ہوں حیات و ممات کو

افسردہ لب ہوں کیفِ طلب چاہتا ہوں میں — معیارِ زندگی کا سبب چاہتا ہوں میں
رنگِ ریا مزاج میں کب چاہتا ہوں میں — لائے جو حریّت وہ ادب چاہتا ہوں میں
نکھرے تمام رنگِ دیانت کلام سے
منسوب ہو بیاضِ سخن حُرؑ کے نام سے

اہلِ کلام سے ہے تقاضائے مرثیہ — مثبت خیال ہو چمن آرائے مرثیہ
ہر ذہن ہو معطرِ گلہائے مرثیہ — ایماں عروج پائے بہ ایمائے مرثیہ
ہر لفظ روشنی کی نئی کائنات ہو
کچھ بات ہو تو حُرؑ کے مقدر کی بات ہو

دل دادۂ سخن کی ہے پہچان مرثیہ — ہر عہد میں شعور کا فرمان مرثیہ
تحریکِ حریّت ہے، تو اعلان مرثیہ — یوں کہیے انقلاب کی میزان مرثیہ
جس سے صداقتِ بشری مستنیر ہے
وہ مرثیہ جہانِ وفا کا ضمیر ہے

◆◆◆

غزل

اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسو دیکھے
یا سرِ شاخِ مژہ رات میں جگنو دیکھے

یوں تو ہر شخص کو ادراک ہے خوشبو کا مگر
اس کی خواہش ہے کہ وہ آنکھ سے خوشبو دیکھے

خواب میں دیکھے دہکتے ہوئے آئینہ بدن
روح کے رستے ہوئے زخم بھی ہر سُو دیکھے

حُسنِ کردار کسی پیکرِ خاکی میں ملے
یوں تو کہنے کو ہزاروں میں خوشرو دیکھے

کیا عجب ہے مرا پندارِ وفا بھی ٹوٹے
میرا انجام نہ اے کاش وہ بدخو دیکھے

آگہی کرب کی ہر رُخ سے نمایاں تھی حسنؔ
صبح دم گھر سے نکلتے جو کبھی تو دیکھے

غزل

رہیں مدام جو روشن وہ آفتاب آنکھیں
کہاں سے لائیں مگر دیکھنے کی تاب آنکھیں

جو میرے شہر کے بیمار کی مسیحا تھیں
نہاں کفن کے ہیں وہ خاک کی نقاب آنکھیں

وہ جس نے خواب اُجالوں کے پیرہن بانٹے
اسی کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں بے حساب آنکھیں

وہ کم سخن کہ اسے خامشی پسند آئی
وہ چپ ہوا بھی تو کرتی رہیں خطاب آنکھیں

اسی کے دھیان میں دن رات کی تمیز اُٹھی
اچاٹ کر گئیں نیندیں وہ نیم خواب آنکھیں

اسی غزال کی میں جستجو میں نکلوں گا
کہ جس کے غم میں مری ہو گئیں سراب آنکھیں

غزل

دل کی دیواروں پہ جب سے خامشی تحریر ہے
سایۂ مژگاں میں دکھ کی چاندنی تحریر ہے

پھول جھڑنے کا تماشا دیکھنا اچھا لگا
اس شگفتہ رُو کے لب پر سادگی تحریر ہے

درد کا رشتہ بہت ہے آشنائی کے لئے
آشنا ہاتھوں میں اب تو اجنبی تحریر ہے

پرسشِ احوال بھی رسماً کوئی کرتا نہیں
اب تو سب چہروں پہ حرفِ بے رُخی تحریر ہے

روشنی سے ہو گیا بیزار عہدِ کم نظر
آنکھ کے پردے پہ جب سے تیرگی تحریر ہے

بے زباں بچوں نے سیکھا حرفِ حق کہنا مگر
گفتگو کے آئینے میں خود سری تحریر ہے

صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا اک دن آدمی
آدمی لیکن خدا کی آخری تحریر ہے

◆◆

غزل

سنا جس نے وہ حیراں ہو گیا ہے
رفو کیونکر گریباں ہو گیا ہے

یہی ہے حاصلِ عمرِ گریزاں
کہ شہرِ دل بھی ویراں ہو گیا ہے

دیارِ اجنبی ہے اور میں ہوں
ہر اک رستہ بیاباں ہو گیا ہے

کہاں جاؤں گا میں آخر نکل کر
کہ صحرا بھی تو زنداں ہو گیا ہے

اُچھالا مجھ پہ جب سنگِ ملامت
مرے زخموں کا درماں ہو گیا ہے

پڑا ہوں عشق کی مشکل میں جب سے
غزل کہنا بھی آساں ہو گیا ہے

قتیلِ عشق ہوں روزِ ازل سے
حسنؔ وہ کیوں پشیماں ہو گیا ہے

غزل

حاصلِ زیست ہوا فصلِ خزاں کا نوحہ
ورقِ دل پہ لکھوں کشتِ زیاں کا نوحہ

پارۂ برف بنا نوکِ مژہ پر آنسو
سرد آہوں میں چھپا شعلہ بجاں کا نوحہ

تعزیہ غم کا اٹھائے ہوئے گھر سے نکلے
یوں مکینوں نے کیا اپنے مکاں کا نوحہ

وقت اک اندھا گذر رہا ہے سرِ راہِ گماں
چپ رہے سن کے بھی جو میرے جہاں کا نوحہ

جبر کی زرد فصیلوں میں گھرا ہوں جب سے
پا بہ زنجیر سنوں ریگِ رواں کا نوحہ

کب تلک شاخِ نشیمن کو سلگتے دیکھوں
حشر ساماں نہ ہوا برقِ تپاں کا نوحہ

عافیت کوش حسنؔ درد کے مارے ٹھہرے
فرصتِ گریہ کسے اور کہاں کا نوحہ

◆◆

غزل

اسے میں دیکھ نہ پاؤں گا یہ ملال بھی ہے
وہ روبرو ہے محبت کا یہ کمال بھی ہے

فراقِ یار میں دو لخت ہو گیا جیسے
بہت مزا ہے کہ اب ہجر میں وصال بھی ہے

ہر ایک رُخ سے عبادت ہے دیکھنا جس کو
مری نگاہ میں وہ پیکرِ جمال بھی ہے

اسی کو چشمِ تصور نے بارہا دیکھا
اسی کے عشق میں میرا تباہ حال بھی ہے

خیال و خواب کی دنیا کا اعتبار نہ کر
عروجِ حُسن کو اک دن یہاں زوال بھی ہے

اسی کو ٹوٹ کے چاہا اسی کا ہو کے رہا
کہ پُرکشش ہے، بہت زندگی وبال بھی ہے

کہوں یہ کیسے کہ وہ بدگماں ہوا مجھ سے
وہ بے دھیان ہے اس کو مرا خیال بھی ہے

◆◆

غزل

شاید وہ میں تھا یا کوئی مجھ سا تھا سامنے
میں نے تو آنکھ بھر کے نہ دیکھا تھا سامنے

اک واہمہ کہ خواب تھا کچھ تھا مگر کھلا
خوشبو تھی یا دریچے میں چہرا تھا سامنے

راہِ سفر میں اور تو ساماں نہ تھا کوئی
اک خیمۂ خیال کہ برپا تھا سامنے

یاد آ گیا کہ ایک سمندر تھا موجزن
پانی کی بوند بوند کو ترسا تھا سامنے

کشتی بھنور میں تھی کہ اُفق پر جو کی نگاہ
دریا کے پار اور بھی دریا تھا سامنے

میں آئینہ تھا شب کا سحر کا نقیب تھا
اک عرصۂ جمالِ تمنا تھا سامنے

ذرّوں کی آب و تاب بھی کیا دیکھتے حسنؔ
سورج تھا سر پہ درد کا صحرا تھا سامنے

◆◆

غزل

ایک موجد کا ہیولا جن رصدگاہوں میں تھا
صورتِ نقشِ کفِ پا میں انہی راہوں میں تھا

بستیاں اُجڑیں تو اب ان کے کھنڈر بھی دیکھنا
آسماں تو بھی کبھی میرے ہوا خواہوں میں تھا

کاسہ ہائے سر بھی اب ملتے نہیں جن کے یہاں
خودسری کا خبط ایسے ہی شہنشاہوں میں تھا

دن میں جو ناصح مجھے درسِ شرافت دے گیا
رات وہ زہرہ جبیں کی نقرئی بانہوں میں تھا

جرأتِ اظہار کی راہیں منوّر ہوگئیں
آج سے پہلے اندھیرا ان گزرگاہوں میں تھا

کم نظر شطرنج کے مہرے کی صورت پٹ گیا
تندخو تھا کہ خود اپنے ہی بدخواہوں میں تھا

شہر میں اڑتی ہوئی خبریں بظاہر کچھ نہ تھیں
کچھ نہ کچھ پہلو یقیں کا پھر بھی افواہوں میں تھا

غزل

چشمِ گریاں سے جو دریا نہ تھا تیرے بعد
ہو گئی ہم سے خوشی جیسے خفا تیرے بعد

غمِ فرقت میں ہوا یوں بھی روا تیرے بعد
چاہنے والے ہوئے خود سے جدا تیرے بعد

اپنی دنیا میں کوئی تجھ سا مسیحا بھی نہیں
کس سے مانگے دلِ بیمار دوا تیرے بعد

تو نے خوشبو کی طرح رختِ سفر باندھ لیا
صحنِ گلشن میں ہے افسردہ صبا تیرے بعد

تو نے ہر رنگ میں آغوشِ محبت وا کی
تجھ سا غمخوار کوئی پھر نہ ملا تیرے بعد

تیرے عشاق کی پلکوں پہ دیے ہیں روشن
رت جگا سب نے سرِ بزم کیا تیرے بعد

تو کہ لوٹ آئے دعاؤں سے یہ ممکن ہی نہیں
بے اثر جیسے ہوا حرفِ دعا ترے بعد

◆◆

غزل

عجب ہے کیا جو رہے دوش پر نہ سر باقی
ستم شعار کا لیکن رہا نہ ڈر باقی

ہوائے زرد ہے تیشہ بدست محوِ خرام
کوئی شجر ہے سلامت نہ اب ثمر باقی

خدا وہ وقت نہ لائے مگر وہ آئے گا
زمیں پہ کوئی ٹھکانہ رہے نہ گھر باقی

اسی کا نام درخشاں رہا زمانے میں
کہ جس کے دم سے ہے اظہار کا ہنر باقی

یہ سانحہ بھی مرے جسم و جاں پہ گزرا ہے
کہ خاک میں وہ تپش ہے نہ اب شرر باقی

زباں کٹے کہ مرے لب سلیں یہ وہ جانے
کھلا کہ حرفِ شکایت میں ہے اثر باقی

خبر یہ دی ہے مجھے آہِ نارسا نے حسنؔ
دیارِ شوق میں محراب ہے نہ در باقی

غزل

سانحہ یہ بھی کتابوں میں کہیں رہ جائے گا
بھولنا چاہا تو خوابوں میں کہیں رہ جائے گا

آنکھ سے اوجھل تو ہو جائیں گے سب منظر مگر
درد کا منظر خرابوں میں کہیں رہ جائے گا

خیمۂ جاں سے دھواں اٹھنے لگا وقتِ وداع
لرزۂ شبنم طنابوں میں کہیں رہ جائے گا

بوند پانی کی نہ ملنے سے بڑھے گی تشنگی
قافلہ غم کا سرابوں میں کہیں رہ جائے گا

بھولتے جاتے ہیں سب چہرے جو دیکھے تھے کبھی
صرف اک چہرہ جو خوابوں میں کہیں رہ جائے گا

یوں تو رزقِ خاک ہو جانا مقدر ہے مگر
نام ہی شاید کتابوں میں کہیں رہ جائے گا

رنگ سب قوسِ قزح کے پڑ گئے پھیکے حسنؔ
عکسِ نادیدہ حبابوں میں کہیں رہ جائے گا

◆◆

غزل

کوئی دیوار سلامت ہے نہ گھر باقی ہے
دل کے قریے میں نہ محراب نہ در باقی ہے

ہُو کا عالم ہے خموشی کی عمل داری میں
گزرے لمحوں کی صداؤں کا اثر باقی ہے

اتنا مفلس ہوں کہ اب ہاتھ بھی خالی ہے مرا
کوئی مانگے تو فقط دوش پہ سر باقی ہے

صبح سے شام ہوئی راہِ سفر میں لیکن
پاؤں زخمی ہی سہی عزمِ سفر باقی ہے

گردشِ وقت کہاں چھوڑ گئی ہے مجھ کو
زور اب جسم میں باقی ہے نہ زر باقی ہے

قاصدِ وقت نے پیغام تو پہنچایا مجھے
میری تقدیر بدلنے کی خبر باقی ہے

کب بھلایا ہے اسے میں نے دعاؤں میں حسنؔ
حرفِ اظہار محبت ہی مگر باقی ہے

◆◆

غزل

زمیں پہ بکھرے ہوئے بال و پر بھی دیکھے ہیں
ہوا کے زور پہ چڑیوں کے گھر بھی دیکھے ہیں

یہی تھا موسمِ آہ و فغاں کہ چپ سادھے
چمن میں ہم نے فسردہ شجر بھی دیکھے ہیں

عجب تھی منزلِ وحشت ہماری آنکھوں نے
سفر میں قامتِ نیزہ پہ سر بھی دیکھے ہیں

دیارِ غیر میں رہ کر جو گھر کی یاد آئی
پلٹ کے آئے تو اُجڑے سے گھر بھی دیکھے ہیں

حصارِ جبر میں سورج نے آگ برسائی
برہنہ سر تھے مسافر جدھر بھی دیکھے ہیں

نہال ایسے کہ پھل پھول سے لدے پائے
بلند و بالا شجر بے ثمر بھی دیکھے ہیں

کہاں کی منصفی، کیسا یہاں کا عدل، حسنؔ
بھلے سے فیصلے کچھ معتبر بھی دیکھے ہیں

◆◆

غزل

خواہشِ مرگ تمنا دلِ بیمار کے بیچ
راحتِ وصل کہاں ہجر کے آزار کے بیچ

دیکھتے رہنے کے باوصف نہ دیکھا اس کو
آنکھ کی پتلی بھی حائل رہی دیدار کے بیچ

نقدِ جاں دے کے اسے اپنا بنایا لیکن
جان ہی پردہ بنی میرے، خریدار کے بیچ

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں میخانے میں
در بنانے کی تمنا نہیں دیوار کے بیچ

عقل اور عشق میں تکرار سے حاصل کیا ہے
نا سمجھ ہو گا وہی آئے جو تکرار کے بیچ

حرفِ حق کہنے کا انجام ہے معلوم کہ ہم
پابہ زنجیر نظر آئیں گے بازار کے بیچ

یاد کرتا ہوں اسے آج بھی رہ رہ کے حسنؔ
سانحہ ایسا بھی اک آیا ہے ادوار کے بیچ

◆◆

غزل

ہر غم سے مل گئی ہے فراغت کچھ ان دنوں
حاصل ہے مجھ کو ایسی بھی فرصت کچھ ان دنوں

ہر بات پر سوال اٹھانا یہ کیوں ہوا
کیسی یہ پڑ گئی مجھے عادت کچھ ان دنوں

واعظ ہی میکدے میں سرِ شام آ نہ جائے
بدلی ہوئی ہے اس کی بھی نیت کچھ ان دنوں

مدت کے بعد اس نے لگاوٹ کی بات کی
کم ہو گئی ہے جیسے عداوت کچھ ان دنوں

منہ موڑ کر چلا ہوں نگارِ غزل سے میں
بے وجہ مضمحل ہے طبیعت کچھ ان دنوں

میں نے خیالِ یار کا دامن جھٹک دیا
دینے لگا ہوں خود کو اذیت کچھ ان دنوں

آیا نہ راس بیٹھنا تنہا اسے حسنؔ
گہنا گئی ہے چاند سی صورت کچھ ان دنوں

◆◆

حرفِ تمنا

آج کا سورج کل بھی نکلے...... برسوں نکلے
اس دھرتی پر سورج کی سب کرنیں دریا دریا جھانکیں
آتے جاتے موسم اپنے رنگ جمائیں
ہم رہ جائیں...... یا مٹ جائیں!
مستقبل کے بچوں کی معصوم ادائیں
آنے والی صدیوں کی زرتار فضا پر نقش بنائیں
میرے وطن کی دوشیزائیں
قوسِ قزح کی انگڑائی کا حُسن چرائیں
جھولا جھولیں...... پینگ بڑھائیں
پاک وطن کے پاک سپاہی سینہ تانے
سرحد سرحد ہر خطرے پر کان لگائے
پہرہ دیں گے!
صدیوں بعد بھی سرخ لہو سیندور بنے گا
پاک زمیں کی مانگ سجے گی
آنے والی نسلوں کے چہروں پر سورج لکھا ہوگا

◆◆

محسنِ ملت

ہم ہیں اس محسنِ ملت کے پرستاروں میں
بن کے خوشبو جو بسا دل کے چمن زاروں میں

جس نے بے داغ اُجالوں کے تراشے پیکر
جس نے تقدیر کے ماتھے پہ سجائے جھومر
جس کے چہرے کی دمک دیکھی شفق زاروں میں
ہم ہیں اس محسنِ ملت کے پرستاروں میں

بے اثر کر دیا اغیار کی تدبیروں کو
کاٹ کر رکھ دیا آواز نے زنجیروں کو
جس نے اک روح نئی پھونک دی بیماروں میں
ہم ہیں اس محسنِ ملت کے پرستاروں میں

جس نے خورشید اُگائے ہیں سرِ شاخِ وفا
زندگی اس پہ فدا جان بھی ہے اس پہ فدا
درد جو بانٹ گیا اپنے طلب گاروں میں
ہم ہیں اس محسنِ ملت کے پرستاروں میں

◆◆

صبحِ احتساب

زمینِ شب سے اُگائی تھی روشنی ہم نے
جلا کے خود کو مٹائی تھی تیرگی ہم نے
نئی لکیر خود اپنے لہو سے کھینچی تھی
خود اپنے خوں سے کیا دائرہ نیا تخلیق
مگر وہ صبحِ درخشاں جو خواب خواب ہوئی
کہ اہلِ درد کی نظریں ہیں منتظر جس کی
اُفق کے پار کہیں پا شکستہ ٹھہری ہے

چلو کہ خود ہی گھروں سے نکل کے دیکھ آئیں
یہ دوستوں کی عطا ہے کہ دشمنوں کی جفا
مگر یہ کام بھی ہم پر گراں گزرتا ہے
کہ اپنی ذات کا ہم احتساب کر لیتے
یہ سوچنے کی بھی فرصت نہیں رہی باقی
کہ مر چکے ہیں تو جینے کی آرزو کیوں ہے
نگارِ صبح کا چہرہ لہو لہو کیوں ہے

اگر یہ سچ ہے قلم مصلحت کا دشمن ہے
خلوصِ وقت کی سب سے بڑی حقیقت ہے
نئی سحر کا نیا خواب دیکھنے والو
بڑھو کہ وقت کے پر لگ گئے زمانے کو
تراش لائے ہیں کچھ لوگ آفتاب نئے
یہاں فقط ہے بہانے تراشنے کا عمل

سرِ فصیلِ تمنا جلے چراغ نئے
چمن کے موسمِ گل آ گیا نئی پازیب
نیا خیال، نیا حوصلہ، نیا منشور
نیا پیام، نئی زندگی، نئی منزل
ہماری سمت معیّن نہیں مگر پھر بھی
کسے سنائیں کہ ہم سا کوئی غریب نہیں
سحر قریب ہے لیکن سحر قریب نہیں

●●

حرفِ دُعا

بتاؤ کہ ہم کس عدالت کا در کھٹکھٹائیں
ہمیں اب کسی پر بھروسہ نہیں ہے
کہ اب عدل و انصاف مانگے سے ملتا نہیں ہے
غضب ہے کہ ہم آتشِ تہمتِ بے سبب میں جلائے گئے ہیں
پرانی شکستوں کا بدلہ چکانے کا فتنہ اٹھایا گیا ہے
کہ پھر مرحبِ وقت خیبر پہ پرچم کشا ہے
مگر کس کے سینے میں دل ہے جو گم گشتہ اوراقِ تاریخ پڑھنے کی
خواہش کرے گا
کہ ہم خود بھی اپنی اکائی کو خانوں میں تقسیم کرنے پر راضی ہوئے
ہیں
اُدھر غیر چاہے کہ ہم بے نشاں ہوں
تعصب کا آتش فشاں پھٹ پڑے اور لاوا کراں تا کراں پھیل جائے
اسی لحۂ جاں گسل میں
فقط ایک حرفِ دعا ہے زباں پر
کہ ہم زندگی چاہتے ہیں
کہ ہم بے زباں، بے اماں اب نہیں ہیں
ہمارا بھروسہ خدا پر رہے گا
وہی جسم و جاں کی حفاظت کرے گا

●●

وحیدِ عصر

(سیدوحیدالحسن ہاشمی کے لیے)

وہ اشک بن کے اگر میری چشم تر میں رہے
سفر وفا کا نہ پھر راہِ پرخطر میں رہے

بجا کہ اس نے تراشی ہے رہگزار نئی
اسی کا نقشِ کفِ پا بھی اب نظر میں رہے

وہ خیمہ زن ہے کنارِ فراتِ غم لیکن
دعا ہے قوتِ پرواز بال و پر میں رہے

اسی کا شہرِ عزاء سے ہے رابطہ پیہم
وہ دل زدہ ہے سفر میں کہ اپنے گھر میں رہے

میں سوگوارِ شہِؑ کربلا کہوں اس کو
وہ درد بن کے زمانے کی ہر خبر میں رہے

اسی نے حوصلہ بخشا قدم قدم پہ یہاں
کہ ہم رکاب سخنور بھی اس سفر میں رہے

مری زمیں پہ رہے صنفِ مرثیہ جب تک
"وحیدِ عصر" حسنؔ عرصۂ ہنر میں رہے

◆◆

انتخابِ نثر

(مضمون، کالم، سفرنامہ)

••

(الف) مضمون

نئی نسل کا نمائندہ شاعر — حسنؔ عباسی

(مطبوعہ ماہنامہ ’شام و سحر‘ لاہور، جولائی ۲۰۰۷ء)

◆◆

(ب) کالم

سیّد وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں

(مطبوعہ۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی، کالم ’حرف حق‘ روزنامہ ’دن‘ لاہور)

(مطبوعہ۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی ’حرف ہنر‘ لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۷)

◆◆

(ج) سفرنامہ

دیارِ زینب سلام اللہ علیہا

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی، دیارِ زینبؑ، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء)

◆◆

نئی نسل کا نمائندہ شاعر — حسنؔ عباسی

پروفیسر حسن عسکری کاظمی

◆◆

جواں فکر اور جواں سال نسل نے غزل کے روایتی موضوعات کو یک قلم موقوف تو نہیں کیا البتہ غزل کو چبائے ہوئے نوالے کی طرح چبایا نہیں۔ اسی طرح نسلِ نو کے شاعروں نے صرف چونکانے اور حیرت میں مبتلا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی عمر اور نت نئے تجربوں کے امتزاج سے ایسی شاعری کا ڈول ڈالا جو تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح قاری کے وجود میں سرمستی اور سرخوشی سی بھرنے کا سبب بنا۔ غزل ایسی صنفِ سخن ہے جس میں وہ سب کچھ کہا جا سکتا ہے جسے اس کے فنی تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے قاری کے گوش گزار کیا جانا ضروری ہے۔ جدید غزل پر اعتراض کرنے کا زمانہ ایسا خواب تھا جو تعبیر کی عدم دستیابی کے باعث بھلایا جا چکا ہے البتہ نئے تجربوں میں ابہام کے سبب یا لسانی توڑ پھوڑ کے نتیجے میں ایسی نئی غزل کا سورج بھی طلوع ہوا جسے غروب ہونے سے بچایا نہ جا سکا۔ نئے لکھنے والوں میں وہی غزل گو زندہ رہیں گے جن کے ہاں صدق بیانی اور طرزِ احساس کی ندرت پائی جاتی ہے، بہت سے ناموں میں سردست نوجوان شاعر حسنؔ عباسی کی غزل کے حوالے سے بات کو آگے بڑھانا مقصود ہے۔ حسن عباسی نے

غزل گو شعراء میں اپنی قامت فکر کی بدولت ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کروانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ کم عمری کے باوجود سلیقے اور التزام کے ساتھ شعر کہنے کا ہنر جانتا ہے۔ اسے اپنی غزل کیلئے مشاہدہ اور اس مشاہدے سے غزل کے عمومی رویوں سے ہٹ کر نیا روّیہ اپنانے میں نئے مضامین سوجھتے ہیں۔ اس نے غزل کے روایتی مضامین سے نظریں چرا کر گزرنے کا راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ طرزِ عمل اس کی پہچان بنتا گیا اور اب اسے اپنی جدید غزل کے حوالے سے پڑھا جانا اور تسلیم کیا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ حسن عباسی نئی نسل کا نمائندہ شاعر بن کر ہمارے سامنے آ چکا ہے، جیسا کہ یہ کہا گیا کہ اس کے ہاں نت نئے موضوعات راہ پا رہے ہیں اور وہ اپنے لئے نیا راستہ بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے مثلاً

دریچے سے جھانکتی وہ لڑکی عجیب دکھ سے بھری ہوئی ہے
کہ اس کے آنگن میں پھول پر ایک نیلی تتلی مری ہوئی ہے
درود سے مہکی مہکی سانسیں وظیفہ پڑھتی ہوئی وہ آنکھیں
کہ ایک شمعِ امید ان میں کئی برس سے دھری ہوئی ہے

حسن عباسی نے ایک دیدہ ور کی طرح اپنی آنکھوں اور فکری زاویوں کے برتنے میں جس بالغ نظری سے کام لیا وہ غزل کو محاکات کی سرحدوں میں داخل کرنے کا شعوری حسن عطا کرتی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی غزل میں ناریل، نیلا سمندر، جزیرہ، بادل، بادبان، کشتی، پرندے مثلاً ابابیلیں، کونجیں، تتلیاں غرض مشاہدے کی آنکھ کھلی رکھنے کا عمل جاری وساری رہتا ہے، غزل میں داخلیت سے خارجیت کی طرف پلٹ آنے کا روّیہ حسن عباسی کے ہاں اس طرح در آیا ہے کہ پڑھنے والا اس منظر نامے کے حسن و جمال میں نئے طرزِ احساس سے آشنائی میں لطف اٹھاتا ہے۔

ناریل کے پیڑ اور نیلا سمندر کیا ہوا
وہ جزیرہ وہ سرِ ساحل ترا گھر کیا ہوا

دور کے اک دیس سے ہر سال آتا تھا یہاں
موسمی آبی پرندوں کا وہ لشکر کیا ہوا

....

ہم کو گہرائی سمندر کی بہت کھینچتی ہے
چاند کے ساتھ کسی روز اتر دیکھیں گے

....

تنہا نہیں پھروں گا میں جنگل میں عمر بھر
کوئی پرند تو مرے شانے پہ آئے گا

....

ہر طرف پھیلی تھی اس کی یاد جنگل کی طرح
میں گزر کر آ گیا ہوں اڑتے بادل کی طرح

حسن عباسی نے غزل کو نئے ذائقوں اور نئی لذتوں سے ہمکنار کرنے میں نئے استعارے اور نئی لفظیات برتنے کا بیڑا اٹھایا جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہا۔ عہد موجود میں نوجوان نسل جس درد و کرب سے گزر رہی ہے اس کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جسے اس نسل سے ہمدردی کے علاوہ اس سے مکالمہ کرنے اور اس کے مسائل سمجھنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ ہمارے معاشرے میں استحصال کی ناقابل رشک مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ کہیں غربت و عسرت کے ہاتھوں تذلیل، کہیں طبقاتی جنگ و جدل اور کہیں سرمایہ اور محنت میں آویزش جیسے مسائل جن کا حل تلاش کرنے میں ناکامی کا سامنا، زندگی کے سفر میں صبح و شام یہ درد و کرب ہمارا مقدر ٹھہرا ہے۔

سفر کے پہلے پڑاؤ میں مرنے والا شخص
عجیب خوف ہمارے دلوں میں چھوڑ گیا

یہ کس نے ہم کو بنایا شکستہ مٹی سے
پھر اس کے بعد گھنی بارشوں میں چھوڑ گیا

....

یہ تو صد شکر خیالوں نے ترے کھینچ لیا
میں تو حالات کے گرداب میں آیا ہُوا تھا

....

جاؤں باہر میں کس طرح گھر سے
خوف کے سانپ لٹکے ہیں در سے

حسن عباسی کی شاعری میں کسی خوف زدہ شخص کی نفسیات کا عمل دخل ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ جس ماحول میں ہم زندگی کی تہمت اپنے سر لیے بیٹھے ہیں اس میں زندگی موت کے مہیب سائے میں دم توڑتی نظر آ رہی ہے، دہشت اور وحشت کے ہاتھوں زندگی طمانیت سے محروم ہو چکی ہے۔ معاشرے میں عدم تحفظ کا احساس جینے میں خلل پیدا کرنے کا سبب بنا ہوا ہے، ہر باشعور آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ ہم ہر لمحے موت کے قدموں کی آہٹ سنتے ہیں اور کسی نادیدہ خوف کے حصار بے اماں میں سانس لے رہے ہیں۔ ایک حساس غزل گو اس اہم مسئلے سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا خصوصاً نئی نسل کا شاعر اپنے گردوپیش کے حالات پر گہری نظر رکھتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہے

بھٹکی روحیں، سرد چیخیں، چاندنی اور دشتِ خوف
دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ دھواں ہو جائے گا
پُرسکوں دیوار و در ہیں، مطمئن ہیں لوگ سب
پھر بھی یوں لگتا جیسے کچھ یہاں ہو جائے گا

حال میں تو بتانے والا نہیں
میرا چہرہ پڑھا کرے کوئی

....

آنے والی ہے مصیبت کوئی
دل کسی بات پہ دھڑکا ہو گا

....

جس نے پہلے میرا گھر ویران کیا
دیواروں پر دیکھتا ہوں وہ سایا پھر

عہد موجود کا ہر باشعور فرد طمانیت قلب سے محروم ہے اس کے باوجود اسے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اسی طرح وہ فکر و نظر کی تسکین کی خاطر اپنے مشاغل سے دست کش ہونے کیلئے تیار نہیں۔ یہی چیز دل و دماغ کے صحت مند ہونے کی دلیل ہے کہ ستم ہائے روزگار کی یورش کے باوجود محبت جیسے پاکیزہ جذبے کو زندہ رکھنے کا اہتمام کیا جائے چنانچہ حسن عباسی کے ہاں محبت مستقل قدر کی طرح کی غزل میں جلوہ نمائی کرتی دکھائی دیتی ہے۔ محبت تمام انسانی اوصاف پر غالب رہے تو شاعری میں آفاقی سچائی کی صورت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ خدانخواستہ یہی جذبۂ محبت معدوم ہو جائے تو نظامِ ہستی منتشر ہو کر رہ جائے۔ یہ درست ہے کہ محبت میں دُکھ سہنے کا اپنا مزا ہے۔ غزل کا بنیادی موضوع یہی محبت اور اس سے وابستہ تمام دکھ سکھ اور محبوب کا رویہ ہے جس کے اظہار میں غزل کا سفر اُفق تا اُفق پھیلتا جا رہا ہے۔ حسن عباسی کی غزل میں محبت جیسے نازک جذبے کا اظہار بھی عمومی اور روایتی انداز اظہار سے مختلف نظر آیا۔ اس نے ندرتِ اظہار سے کام لیتے ہوئے اپنی غزل کے بیشتر مطلع دوسرے ہمعصر شعراء سے ہٹ کر تخلیق کیے۔

اُداس چاند کھلے پانیوں میں چھوڑ گیا
وہ اپنا چہرہ مرے آنسوؤں میں چھوڑ گیا

....

جانے والے کو بھلایا جائے
کوئی آنسو نہ بہایا جائے

....

جو بات خاص ہے اب اس کو عام کرتا ہوں
میں اپنی تازہ غزل تیرے نام کرتا ہوں

....

جسے سارا زمانہ چاہتا ہے
مری بانہوں میں آنا چاہتا ہے

....

تم یونہی دیکھتے رہ جاؤ گے حیرانی سے
ہم کسی اور کے ہو جائیں گے آسانی سے

حسن عباسی نے جدید نظم بھی تخلیق کی لیکن غزل سے لگاؤ اس کی کمزوری بن گئی ہے اس لئے نظم صرف منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کیلئے کہی مگر اتنا ضرور ہے کہ اگر وہ آزاد نظم کی جانب بھرپور توجہ دے تو اسے غزل کی طرح نظم تخلیق کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی بلکہ اس کی ندرت پسند طبیعت معیار سے کم پر سمجھوتہ نہیں کرے گی، ایک مختصر نظم ''دو منظر'' ہماری رائے کی تصدیق کیلئے کافی ہے۔

کمرے سے باہر کا منظر
بادل، بارش اور ہوا

کمرے کے اندر کا منظر
آنکھیں، آنسو اور دعا

اس مختصر نظم سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ فطرت کے مظاہر اور انسانی جذبوں کے اظہار میں گہری مناسبت پائی جاتی ہے اور روزِ ازل سے آدمی زادہ اس کائنات کی بوقلمونی کا تماشائی ہے۔ ایک اور نظم ملاحظہ کیجئے۔

جھوٹی ہنسی کے لمحوں میں
آنسو آنسو روتی ہیں
آنکھیں سچی ہوتی ہیں

ہجر میں بھیگی پلکوں سے
یاد میں خواب پروتی ہیں
آنکھیں سچی ہوتی ہیں

منظر جب کھو جائیں تو
خاک نگر جا سوتی ہیں
آنکھیں سچی ہوتی ہیں

(مطبوعہ ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور، جولائی ۲۰۰۷ء)

◆◆◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کا منفرد کارنامہ

سیّد وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں

پروفیسر حسن عسکری کاظمی

◆◆

ہمہ جہت شخصیت کے کسی مخصوص پہلو پر نظر کرنے کے باوجو بھی بہت سی باتیں ان کہی رہ جاتی ہیں۔ ایسی شخصیت کی اعجاز نمائی فوری اور دلبرائی اسے ہمعصر تخلیق کاروں میں منفرد بنا دیتی ہے اور وہ سب اوصاف اور خصوصیات جنہیں آنے والے زمانے میں دیکھا اور پرکھا جائے گا صرف خلاصے کی صورت میں تخلیقی اقتبا بڑھانے میں ممد و ثابت ہوتی ہیں۔ عہد موجود میں یہی شخصیت نقد و نظر کے حوالے سے جتنی نمایاں دکھائی دیتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر مستقبل میں قد و قامت اور ادبی مقا کے آئینے میں مرکز نگاہ بن جاتی ہے۔ سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتوں میں صرف نعت، منقبت اور سلام کے حوالے سے ڈاکٹر شبیہ الحسن نے عرق ریزی کے ساتھ تنقیدا تحقیق کے اعلیٰ معیار کو سامنے رکھتے ہوئے باب اول سے باب ششم تک جتنے مباحث قلمبند کئے انہیں پڑھتے ہوئے یہ اندازہ ہوا کہ سید وحید الحسن ہاشمی بجائے خود ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وحید شناسی کے لئے ضروری ہے کہ ہم نعت، منقبت

سلام کے فنی اور معنوی پہلوؤں پر غور کرنے سمجھنے اور ترسیل فکر کی باریکیوں سے کما حقہٗ آگہی حاصل کرنے کے مراحل طے کریں۔ ان تینوں اصناف سخن کی پذیرائی کیلئے جتنی ریاضت اور محنت سید وحید الحسن ہاشمی نے کی اور اپنے فن کو جلا بخشنے میں گزشتہ آدھی صدی سے زیادہ عرصہ اس دشت کی سیاحی میں گزارا اس پر قلم اٹھانا اور تنقید کا حق ادا کرنا قابل تعریف ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی درویش صفت صاحب دیدہ و دل قلمکار ہیں۔ ان کا شمار ہمارے عہد کے ان سربرآوردہ ادیبوں میں ہوتا ہے جو آغاز سفر سے کمال جذب وشوق کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔ وہ تخلیق شعر کو ہر مشغلے پر فوقیت دینا پسند کرتے ہیں' ان کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ ہر مکتبِ فکر سے منسلک احباب سے دوستی' تعلقِ خاطر اور محبت کا رشتہ قائم ہے۔ ان کا انداز نظر ایسا ہے کہ ان سے کسی مسئلے پر گفتگو کیجئے وہ آسانی کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر سادہ الفاظ میں بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی شخصیت اور فن کے حوالے سے ہمعصر ناقدین نے جو کچھ کہا اور لکھا اسے ''سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں'' میں محفوظ کر لیا گیا ہے' سید آل رضا' رئیس امروہوی' ڈاکٹر سید عبداللہ' ڈاکٹر عبادت بریلوی' ڈاکٹر وحید قریشی' احمد ندیم قاسمی' ڈاکٹر جمیل جالبی' ڈاکٹر سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا' ڈاکٹر خورشید رضوی' انتظار حسین' ڈاکٹر سہیل احمد خاں' شہزاد احمد' ڈاکٹر عبید اللہ خان' ڈاکٹر آغا سہیل' ڈاکٹر میمونہ انصاری' ڈاکٹر سلیم اختر' ڈاکٹر انور سدید' مشکور حسین یاد اور ڈاکٹر ہلال نقوی کے علاوہ بہت سے دوسرے اہل قلم نے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ سید وحید الحسن کے نعتیہ مجموعے یاسین اور مجموعہ مناقب طاہرین پر سیر حاصل تبصرے ہوئے۔ ان میں ڈاکٹر خورشید رضوی کا لکھا ہوا تبصرہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ انہوں نے دریا کو کوزے میں بند کرنے کے اس محاورے کو تازہ کر دکھایا'' سید وحید الحسن ہاشمی کی نوک قلم سے قوسِ قزح پھوٹتی 'نعت منقبت' ' غزل

اور تنقید جیسے متنوع میدانوں میں یکساں سہولت کے ساتھ لکھا ہے ''الصراط'' (1948ء) سے لے کر اس تازہ ترین مجموعۂ نعت تک ان کی تصنیفات نظم ونثر کی تعداد تیس کے لگ بھگ آ پہنچی ہے' شاعری میں قدرت کلام اور سلاست' نثر میں سادگی کے ساتھ ایک دل نشیں منقبت اور تنقید میں ژرف نگاہی اور موضوع کی تاریخی بصیرت کو ان کے نتائجِ قلم کی پہچان کہا جا سکتا ہے......عقیدے کا رسوخ اور شعور کی جدت ہاشمی صاحب کی نعت کے نمایاں عناصر ہیں اور نعت گوئی ان کی نظر میں بطون ذات سے پھوٹنے والے ایک روحانی تجربے سے عبارت ہے''

ہمارا کام ہے ڈوبے رہیں عشق پیمبرؐ میں
محبت کو غذا تو روح کے اندر سے ملتی ہے

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی تحقیق اور تنقید میں نمایاں مقام رکھتے ہیں' ان کی جچی تلی آراء کو ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' ان کی رائے یہ ہے کہ ''سید وحید الحسن ہاشمی نے قدرت کلام اور شعری گوئی کی صلاحیت کو رسول کریمؐ سے اپنے پُر خلوص جذبات' عقیدت ومحبت کے اظہار اور شیفتگی خانوادۂ رسولؐ کی مدح سرائی میں استعمال کیا ہے' ان کے اشعار' ان کے پاکیزہ اور نکھرے ہوئے ذوق کے آئینہ دار ہیں''۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن نے ''سید وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں'' مرتب کرتے ہوئے نعت' منقبت اور سلام کے حوالے سے ان کو متعارف کرادیا ہے۔ان کی تخلیقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ مختصر حوال صرف ایک جھلکی دکھانے کے مترادف ہے' ان کا مقام و مرتبہ اس سے کہیں بلند' اعلیٰ اور ارفع ہے خصوصاً بحیثیت مرثیہ نگار وہ عہد موجود کے بیشتر مرثیہ نگاروں سے معیار اور مقدار کے اعتبار سے بہت منفرد نظر آتے ہیں۔ جہاں تک نعت' منقبت اور سلام کو وحید الحسن ہاشمی نے ایک تحریک کی صورت دے کر اپنے کام کو آگے بڑھایا خصوصاً سلام گزاری میں وہ ہمعصر سلام گزار شعراء میں ممتاز دکھائی دیتے ہیں' ڈاکٹر

شبیہ الحسن کا یہ تجزیہ درست ہے کہ سید وحید الحسن ہاشمی کے سلاموں میں موضوعات کا ایک جنگل آباد ہے، وہ کربلا کے واقعے کو ایک سورج کی بجائے ایک شاعر کی چشم تخیل سے دیکھتے ہیں یہی سبب ہے کہ وہ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی مشکور سعی کرتے ہیں، ان کے ہاں یہ موضوعاتی تنوع ان کی جدتِ طبع اور وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔

سید وحید الحسن ہاشمی کے مجموعہ ہائے سلام کی تعداد آٹھ ہے ''الصراط'' سے ''تشنہ لب ہے حسین'' تک ان کا تخلیقی سفر آدھی صدی پر محیط ہے، پاکستان کے معروف نقاد ڈاکٹر وحید قریشی نے سچ کی بات کہی کہ انہوں نے تغزل کا دامن بھی نہیں چھوڑا اور واقعات کو مسخ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ان کے سلام درد وغم میں ڈوبے ہوئے اور ندرت فکر سے مزین ہیں، اور انہیں کسی بھی رثائی ادب کے شاعر کے مقابلے میں بخوبی پیش کیا جا سکتا ہے انہوں نے نئے طرز احساس کے ساتھ جذبے کی شدت کو بھی بحال رکھا ہے۔

میں حسینی ہوں مرا شیوۂ غم عام نہیں
دل میں وہ درد ہے جس درد کا کچھ نام نہیں

سلام کے تمام مجموعوں میں سید وحید الحسن ہاشمی کے ہاں احتجاج کی شائستگی اور مظلوم سے دل بستگی کے ساتھ قاری کو غور وفکر کرنے اور راہِ حق اختیار کرنے سے متعلق موثر اظہار کی صورت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس اعتبار سے وہ اپنی انفرادیت قائم رکھنے میں کامیاب ہیں اور ان کے سلام اعلیٰ مقصد اور اسلوب بیان کی نفاست کے باعث دل میں اتر جاتے ہیں مثلاً

کھینچے خطوط گردشِ دوراں نے جس قدر
نقطہ غمِ حسین کا ہر دائرے میں ہے

جل رہی ہے سینۂ اقوام میں شمعِ حسینؑ!
اس سے بچ کر جو بھی رستہ ہے بہت تاریک ہے

....

جس کے ہونٹوں میں نہ ہو الفت شبیرؑ کا رس
بات کیا سانس بھی اس شخص کی زہریلی ہے

....

غمِ حسینؑ ہے پہچان آدمیت کی
حسینؑ ہی پہ نہ رویا تو آدمی کیا ہے

اسی کتاب کا آخری باب ''سید وحید الحسن ہاشمی سے مصاحبہ'' کے عنوان سے شامل اشاعت کیا گیا ہے جس میں مختلف سوالات اور ان کے جواب موجود ہیں۔ مثلاً ایک سوال یہ بھی ہے کہ ''بعض شعراء غزل کو ''باوضو'' کر کے نعت بنا دیتے ہیں آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے ان کا جواب یہ ہے کہ ''میرے نزدیک نعت کا اپنا مزاج اور مذاق ہے جو غزل سے مختلف ہے لہٰذا غزل ''باوضو'' ہو کر بھی اصلاحی و اخلاقی غزل تو بن سکتی ہے نعت ہرگز نہیں بن سکتی'' منقبت نگاری اور سلام گزاری سے متعلق بھی مکالمہ معلومات افزا ہے۔ سید شبیہ الحسن نے اس تنقیدی اور تحقیقی کاوش میں جس عرق ریزی سے کام لیا اس کا آغاز بہت پہلے سے کیا جا چکا تھا اور اب یہ خیر عمل سید وحید الحسن ہاشمی کی شخصیت اور فن کو تر و تازہ رکھنے میں معاون ثابت ہو گا اور بقول ڈاکٹر سہیل احمد خان ''ہماری جدید شاعری کا طرز احساس جدت اور اپج کا قائل ہے مگر شاعری کی ایک جہت وہ بھی ہے جس میں شاعر روایت کے دائرے کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس کے اطاعت گزار رہتے ہوئے اپنے فن کو اپنے اسلوب کو کچھ اس طرح چمکاتا ہے کہ اس

دائرے کے دوسرے شعراء میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ سید وحید الحسن ہاشمی صاحب کی مسلسل شعری ریاضت' شاعرانہ صنعتوں کا شعور' زبان کے مختلف لہجوں پر عبور' مذہبیت اور اخلاقیات کو شعری گداز میں ڈھالنے کا ہنر انہیں اپنے دائرے کا اہم شاعر بناتی ہے''۔

آخر میں یہ کہنا ضروری ہے کہ وحید الحسن ہاشمی جیسے درویش کی ہمہ جہت شخصیت کو لائف اچیومنٹ ایوارڈ کا استحقاق حاصل ہونے کے باوصف حکومت کی عدم توجہی بری طرح کھٹکتی ہے' چالیس مرثیوں اور پچاس تخلیقی کتابوں کے مصنف کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے ـــــ بس یہی چھوٹی سی بات ـــــ جو غور طلب بھی ہے اور قابل عمل بھی ہے۔

مطبوعہ

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی، کالم' حرف حق' مطبوعہ روزنامہ' دن' لاہور)

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی' حرف ہنر' لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۷)

◆◆◆

اقتباس سفرنامہ

دیارِ زینب سلام اللہ علیہا

پروفیسر حسن عسکری کاظمی

◆◆

آج اربعین ہے، پوری فضا سوگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ امامِ عالی مقام کا چہلم ہے۔ بیس صفر المظفر کی یہ صبح اسی طرح طلوع ہو رہی ہے جیسے صبحِ عاشور طلوع ہوئی۔ آج کسی چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نہیں بلکہ آنکھیں نم آلود ہیں۔ اذانِ فجر کے ساتھ ہی ہم سیدہ زینبؑ کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے باوضو ہو چکے ہیں۔ تیز قدم چلتے ہوئے ہماری نگاہیں روضۂ سیدہ کے مینار پر لگی ہوئی ہیں۔ آج کیسی اُداسی ہے۔ ابھی تو سبھی زائرین فریضۂ نماز کی ادائیگی کے لئے صدر دروازے کی جانب رواں دواں ہیں۔ سامنے سنہرا گنبد دکھائی دیا آسمان پر چمکتے ستارے جھلملا رہے ہیں۔ صبح کے آثار ہویدا ہو چکے اور ہم سلامِ عقیدت کرتے ہوئے نماز باجماعت میں شریک ہونے کی خاطر دائیں طرف مڑے۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے ایک بار پھر روضے کی طرف دیکھا، خیال آیا کہ شہیدانِ کربلا کے غم میں اسیروں کو رونے اور ایک دوسرے کو پرسہ دینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ نہ جانے اربعین کے دن مسافرۂ شام حضرت زینبؑ کس مقام پر ہوں گی۔ یہی

سوچتے ہوئے ہم نماز میں شامل ہوئے۔ آج ہر نماز کے بعد کربلا کے شہیدوں کا ذکر ضروری ہے چنانچہ عربی، فارسی، اردو اور بہت سی زبانوں میں یہ ذکر ہوتا رہا۔ ایران سے آئے ہوئے علماء کی تقریروں کے علاوہ پاکستان سے مولانا گلفام حسین ہاشمی کا خصوصی خطاب ہوا جو پاکستان سے آئے ہوئے زائرین نے سنا۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں زائرین قیام پذیر تھے وہاں بھی لنگر، تبرک اور کھانا تقسیم کیا گیا۔

صبح نو بجے مختلف سمتوں سے جلوس کی صورت میں زائرین روضے کی طرف آنا شروع ہوئے، ہجوم بڑھتا رہا، روضے کے اندر، حرم کے احاطے میں اور شاہراہوں پر علم لہرا رہے تھے۔ صدر دروازے کے باہر ماتمی حلقوں کو ترتیب دیا جا رہا تھا۔ آنے جانے والی بڑی سڑکوں پر ٹریفک بند ہو چکی تھی۔ سارجنٹ، سپاہی، ٹریفک کا دوسرا عملہ اور چاق و چوبند افسران اپنی ڈیوٹی پر کھڑے ہوئے تھے۔ صدر دروازے پر زائرین پر کڑی نظر رکھے راستہ بنا رہے تھے، خواتین کو باوقار طریقے سے گزرنے میں مدد فراہم کر رہے تھے۔ پانی، شربت اور دودھ کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ پاکستان سے آئے ہوئے بعض زائرین کے چہرے مانوس لگے لیکن یہ تعارف کا موقعہ نہیں تھا۔ سید تنظیم الحسن سابق چیئر مین واپڈا سے ملاقات ہوئی، وہ ہر سال اربعین پر یہاں آتے ہیں، اسی طرح بہت سے زائرین اربعین کے دن یہاں موجود ہوتے ہیں۔ روضے کی دیوار کے ساتھ خواتین اور آگے میدان نما سڑک پر ماتم کی تیاری میں نوجوان، عمر رسیدہ اور بزرگ بھی ہائے حسینا کی صدائیں بلند کرنے لگے۔ اپنی اپنی زبان میں مختلف حلقے نوحہ خوانی اور سینہ کوبی میں مشغول ہوئے۔ زنجیر زن ماتمی حلقوں نے اپنے لئے جگہ بنائی۔ ہم نے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر ہجوم پر نگاہ ڈالی، شورِ ماتم بلند ہوا، زنجیر زنی میں کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ خون کے چھینٹے فضا میں اڑنے لگے، زنجیر زنی کا یہ منظر دیکھ کر خود بخود آنکھوں سے آنسو اور دل سے آہیں نکلنے لگیں۔ ہر طرف علمِ عباسؑ شہیدوں کے ناموں کے پھریرے اور پٹکے

دکھائی دے رہے تھے۔ بعض علموں پر سوکھا مشکیزہ اور مشکیزے میں تیر پیوست تھا۔ جسے دیکھ کر معصوم بچوں کی پیاس اور حضرت سکینہؑ کی حسرت و یاس نے دل پر کچو کے لگائے۔ ابھی یہ منظر نگاہوں کے سامنے تھا کہ اسی سڑک کے دائیں طرف سے کفن پہنے ایک جتھا دکھائی دیا۔ یہ نوجوان منظم اور دورویہ قطار میں روضے کی جانب آ رہے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ ہمسایہ ملک لبنان کے رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ اربعین پر اسی طرح ہر سال آتے ہیں۔ سب کی توجہ کا مرکز یہی نوجوان ہیں۔ سب سے آگے ڈرم بجانے والے ہیں اور ایک کے ہاتھ میں لمبی سے نفیری نما ساز ہے۔ ڈرم کی آواز کو بغور سنا تو اس میں حیدرؑ یا حیدرؑ کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ نفیری نما ساز سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی مغموم اور دلدوز عورت بین کر رہی ہو۔ اس آواز کو سن کر دل پر قابو نہ رہا۔ ابھی ہم پوری طرح سنبھل نہ پائے تھے کہ لبنان کے کفن پوش نوجوان ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے اور یا حسینا وائے حسینا کہتے ہوئے اپنے سروں پر تلواریں مارنا شروع کیں۔ تلوار کا سر پر لگنا تھا کہ خون کے فوارے چھوٹے، سروں سے چہروں پر چہروں سے گردنوں اور گردنوں سے سینوں پر لہو بہنے لگا۔ سفید کفن لہو رنگ ہو گئے، ہم جیسے کمزور دل افراد پر سکتہ چھا گیا۔ یہ لہو میں ڈوبے ہوئے ماتمی نوجوان حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت اور ہدیۂ تسلیت پیش کر کے رخصت ہوئے، ایک بار پھر زنجیر کا ماتم شروع ہوا۔ پاکستانی حلقوں میں ہر سن و سال کے ماتمی موجود ہیں۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہم پاکستان میں آ گئے۔ ماتم میں بار بار نعرۂ حیدری بلند ہوتا رہا۔ جوشِ غم میں زنجیروں کی چکا چوند اور ہر ماتمی کی کمر پر ان گنت زخموں سے خون ابل رہا ہے۔ ایک حلقے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ماتمی حلقہ آتا اور صدر دروازے کے سامنے زنجیر کا ماتم کرتا، دوسرے حلقوں میں اردو اور پنجابی نوحے پڑھے جا رہے ہیں اور پاکستان کے روایتی انداز میں سینہ کوبی ہو رہی ہے۔ حد نظر تک بڑے چھوٹے علم فضا میں لہرا رہے ہیں اور ماتمیوں کے پاؤں

کے نیچے زمیں لرزہ براندام ہے۔ ہمیں اس موقعے کے مناسبت سے مومن خان مومن کا شعر یاد آیا۔

کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اُٹھے

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اُٹھے

زنجیر زنی کا یہ سلسلہ وقتِ ظہرین تک جاری رہا لیکن آج زائرین کی حاضری مکمل تھی اور رات گئے تک نوحہ و ماتم جاری رہا۔ زائرین نے جی بھر کر بہن کو بھائی کا پرسہ دیا۔ یقیناً عزاداری کی سرحدیں زمان و مکان سے ماوراء ہیں۔ یہ زندہ معجزہ ہے اور قیامت تک ظلم و جبر کے خلاف یہ احتجاج جاری رہے گا۔ آج اس شہر میں حضرت زینبؑ کی فرماں روائی ہے اور یزید جیسے مردودِ خلائق کی رسوائی ہے۔ آج اس کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بنوامیہ کے اس ناہنجار، فاسق و فاجر اور فرعون مزاج نام نہاد خلیفہ کی قبر پر شیشہ سازی کا کارخانہ ہے جہاں ہر وقت دہکتی آگ اس کا مقدر بن چکی ہے۔ عذابِ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلتے رہنا اس کے سیاہ کارناموں کا نتیجہ ہوگا کہ اس نے خانوادۂ رسالتؐ مآب کے ساتھ جتنا ظلم و ستم روا رکھا اسے تاریخ کبھی بھلا نہ پائے گی۔ کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام تک پابرہنہ، رسن بستہ حضرت سیدِ سجاد بیمار کربلا نے بے کجاوہ اونٹوں کی مہار تھامے رکھی، نبی زادیاں اپنے بالوں سے چہروں کو چھپائے یہ سفرِ اذیت طے کر کے دربارِ یزید میں آئیں۔ یہی وہ زخم ہے جو کسی صورت نہیں بھرتا۔ سادات کے سینوں میں یہ رستا ہوا زخم کبھی مندمل نہیں ہوگا۔ ہم رات گئے تک بی بی زینبؑ کے روضے میں کبھی حرم کی چار دیواری اور کبھی جامع مسجد زینبیہ میں رہے۔ آج اس قافلۂ غم کے ساربان حضرت زین العابدینؑ بھی بہت یاد آئے کہ آپ کی پھوپھی زینبؑ یہاں اور آپؑ مدینے کے قبرستان جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ کبھی ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کا ساتھ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے وجہِ طمانیت تھے کہ جتنے مصائب

آئے دونوں ان مصائب کو جھیلنے میں برابر شریک رہے۔ امام زین العابدینؑ قدم قدم پر حضرت زینبؑ کو صبر کی تلقین فرماتے رہے۔ حوصلہ دیتے رہے، ہمت بندھاتے رہے، صحراؤں کا سفر استقامت کے ساتھ طے کیا اور صبر و رضا کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا۔

صحراؤں میں جو قافلۂ غم کا ساربان
دل جس کا کربلا کے شہیدوں کا نوحہ خواں
ہر لحظہ جس کی آنکھ سے آنسو رہے رواں
سینے میں جس کے داغ ہجر کے تھے نہاں

جو خیمہ زن ہے صبر و رضا کی زمین پر
احساں رہے گا جس کا محمدؐ کے دین پر

جس کے بدن پہ طوق و سلاسل کا بار ہے
چھایا فضائے ذہن میں غم کا غبار ہے
جو بے کجاوہ اونٹوں کی پکڑے مہار ہے
پہلو میں دل نہیں شۂ دیں کا مزار ہے

بے پردگی کا زخم تھا آخر ہرا رہا
کشکولِ چشم خوں سے ہمیشہ بھرا رہا

ہم نے دمشق کے کوچہ و بازار کو دیکھا اور چشمِ تصور نے وہ مناظر بھی دکھائے جہاں سے امامِ زین العابدین علیہ السلام گزرے۔ ان کے نقوشِ پا پر سجدہ ہائے مودت ادا کرتے ہوئے ہم پر عجب وارفتگی سی طاری ہوتی رہی اور ہماری یہ حالت ہوئی کہ شہر دمشق میں وحشت سی ہونے لگی۔ در و دیوار سے گزری ہوئی صدیوں کی چاپ سنائی دینے لگی اور ؎

آج کے دن کا ہر اک لمحہ قیامت گزرا

بلدیہ سیدہ زینبؑ کی حدود کافی وسیع ہیں۔ یہاں کاروبار زائرین کے سر پر چلتا ہے۔ کھانے پینے، اوڑھنے پہننے کی چیزوں سے لے کر آرائشی اشیاء کے علاوہ جدید الیکٹرانک سامان سے بھری دکانیں دن رات کھلی رہتی ہیں۔ روضے کے چاروں طرف بازاروں میں رات گئے تک گاہکوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دکاندار خوش اخلاق مگر کاروباری

کے نیچے زمیں لرزہ براندام ہے۔ ہمیں اس موقعے کے مناسبت سے مومن خان مومن کا شعر یاد آیا۔

کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اُٹھے
سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اُٹھے

زنجیر زنی کا یہ سلسلہ وقتِ ظہرین تک جاری رہا لیکن آج زائرین کی حاضری مکمل تھی اور رات گئے تک نوحہ و ماتم جاری رہا۔ زائرین نے جی بھر کر بہن کو بھائی کا پرسہ دیا۔ یقیناً عزاداری کی سرحدیں زمان و مکان سے ماوراء ہیں۔ یہ زندہ معجزہ ہے اور قیامت تک ظلم و جبر کے خلاف یہ احتجاج جاری رہے گا۔ آج اس شہر میں حضرت زینبؑ کی فرماں روائی ہے اور یزید جیسے مردودِ خلائق کی رسوائی ہے۔ آج اس کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو امیہ کے اس نا ہنجار، فاسق و فاجر اور فرعون مزاج نام نہاد خلیفہ کی قبر پر شیشہ سازی کا کارخانہ ہے جہاں ہر وقت دہکتی آگ اس کا مقدر بن چکی ہے۔ عذابِ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلتے رہنا اس کے سیاہ کارناموں کا نتیجہ ہوگا کہ اس نے خانوادۂ رسالتؐ مآب کے ساتھ جتنا ظلم و ستم روا رکھا اسے تاریخ کبھی بھلا نہ پائے گی۔ کربلا سے کوفہ اور کوفے سے شام تک پا برہنہ، رسن بستہ حضرت سیدِ سجاد بیمار کربلا نے بے کجاوہ اونٹوں کی مہار تھامے رکھی، نبی زادیاں اپنے بالوں سے چہروں کو چھپائے یہ سفرِ اذیت طئیر کے دربارِ یزید میں آئیں۔ یہی وہ زخم ہے جو کسی صورت نہیں بھرتا۔ سادات کے سینوں میں یہ رستا ہوا زخم کبھی مندمل نہیں ہوگا۔ ہم رات گئے تک بی بی زینبؑ کے روضے میں کبھی حرم کی چار دیواری اور کبھی جامع مسجد زینبیہ میں رہے۔ آج اس قافلۂ غم کے سار بان حضرت زین العابدینؑ بھی بہت یاد آئے کہ آپؑ کی پھوپھی زینبؑ یہاں اور آپؑ مدینے کے قبرستان جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ کبھی ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کا ساتھ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے وجۂ طمانیت تھے کہ جتنے مصائب

آئے دونوں ان مصائب کو جھیلنے میں برابر شریک رہے۔ امام زین العابدینؑ قدم قدم پر حضرت زینبؑ کو صبر کی تلقین فرماتے رہے۔ حوصلہ دیتے رہے، ہمت بندھاتے رہے، صحراؤں کا سفر استقامت کے ساتھ طے کیا اور صبر و رضا کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا۔

صحراؤں میں جو قافلۂ غم کا ساربان ... دل جس کا کربلا کے شہیدوں کا نوحہ خواں
ہر لحظہ جس کی آنکھ سے آنسو رہے رواں ... سینے میں جس کے داغ بہتر کے تھے نہاں

جو خیمہ زن ہے صبر و رضا کی زمین پر
احساں رہے گا جس کا محمدؐ کے دین پر

جس کے بدن پہ طوق و سلاسل کا بار ہے ... چھایا فضائے ذہن میں غم کا غبار ہے
جو بے کجاوہ اونٹوں کی پکڑے مہار ہے ... پہلو میں دل نہیں شہؑ دیں کا مزار ہے

بے پردگی کا زخم تھا آخر ہرا رہا
کشکولِ چشم خوں سے ہمیشہ بھرا رہا

ہم نے دمشق کے کوچہ و بازار کو دیکھا اور چشمِ تصور نے وہ مناظر بھی دکھائے جہاں سے امامِ زین العابدین علیہ السلام گزرے۔ ان کے نقوشِ پا پر سجدہ ہائے مودت ادا کرتے ہوئے ہم پر عجب وارفتگی سی طاری ہوتی رہی اور ہماری یہ حالت ہوئی کہ شہر دمشق میں وحشت سی ہونے لگی۔ در و دیوار سے گزری ہوئی صدیوں کی چاپ سنائی دینے لگی اور ؎ آج کے دن کا ہر اک لمحہ قیامت گزرا

بلدیہ سیدہ زینبؑ کی حدود کافی وسیع ہیں۔ یہاں کاروبار زائرین کے سر پر چلتا ہے۔ کھانے پینے، اوڑھنے پہننے کی چیزوں سے لے کر آرائشی اشیاء کے علاوہ جدید الیکٹرانک سامان سے بھری دکانیں دن رات کھلی رہتی ہیں۔ روضے کے چاروں طرف بازاروں میں رات گئے تک گاہکوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دکاندار خوش اخلاق مگر کاروباری

ذہن رکھتے ہیں۔ چیزوں کی قیمت بڑھا کر بتاتے ہیں۔ خواتین کو خریداری کا شوق بازاروں میں کھینچ لاتا ہے۔ اربعین کا دن گزرنے کے بعد خریداری زوروں پر شروع ہو جاتی ہے۔ عورتیں ایک دوسرے سے بڑھ کر شاپنگ کرتی ہیں۔ عورتیں زیورات اور مرد حضرات مووی کیمرے اور دوسرا الیکٹرانک سامان جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تحائف خریدنے اور عزیزوں کی فرمائش پیش نظر رکھنے کا خیال عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ممتاز مفتی نے اپنے سفرنامۂ حج ''لبیک'' میں حاجیوں پر طنز کرتے ہوئے جو کچھ لکھا وہ غلط نہیں، یہاں زائرین گرانی دیکھتے ہوئے قدرے محتاط رہے اس کے باوجود جوتے، کپڑے، خشک میوے نقلی سونے کے زیورات وغیرہ کی خریداری پر پانی کی طرح پیسہ بہایا گیا۔ ہمارے سامنے ہماری طرح زیریں متوسط درجے کے افراد نے زیادہ خریداری نہیں کی۔

(پروفیسر حسن عسکری کاظمی، دیارِ زینب سلام اللہ علیہا، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۲۰۰۷ء)

◆◆◆

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ڈاکٹر [illegible] الحسن

حسن عسکری [illegible]

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ڈاکٹر [illegible] الحسن

حسن عسکری کا [illegible]

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر [illegible] شبیہ الحسن

[illegible]

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر [illegible] شبیہ الحسن

[illegible] عسکری کا [illegible]

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر [illegible]

[illegible]

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر [illegible] الحسن

[illegible] حسن عسکری [illegible]

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر [illegible] ڈاکٹر [illegible] شبیہ الحسن

[illegible] حسن عسکری [illegible]

(تحقیق و تنقید) (تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن
حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں
(تحقیق و تنقید)
ڈاکٹر سید شبیہ الحسن



حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں

ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

"حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں" ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کا نیا کارنامہ ہے۔ اس سے پہلے وہ کئی کلاسیکی اور جدید شعرا کی تخلیقی جہتیں دریافت کر چکے ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں جب لوگ اپنے بارے میں کتابیں لکھ رہے ہیں شبیہ الحسن کا دوسروں پر کتابیں لکھنا قابلِ تحسین ہے۔ حسن عسکری کاظمی صاحب ہمارے عہد کے ایک اہم شاعر ہیں انہیں محض اس وجہ سے اہمیت نہ ملی کہ وہ کسی ادبی گروہ میں شامل نہیں تھے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی جوہر شناسی نے انہیں دریافت کیا۔ ان کی غزل گوئی' نعت نویسی' مرثیہ نگاری' منقبت نگاری' نظم نگاری اور نثری کاوشوں کا تجزیاتی مطالعہ کر کے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو محض خراجِ عقیدت ہی پیش نہیں کیا بلکہ ایک غیر جانبدار نقاد کی طرح ان کی شخصیت اور تخلیقات کے مختلف پہلوؤں کو وضاحت سے اجاگر بھی کیا ہے۔ اس کتاب سے یقیناً حسن عسکری کاظمی کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ حسن عسکری کاظمی ہمارے دور کے گنے چنے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان پر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن کی یہ کتاب یقیناً اردو ادب پر بھی ایک احسان ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

۳۔ مئی ۲۰۰۸ء